سردارِ کربلاؑ

سحابِ رحمت کا اردو ترجمہ

حصہ دوم

سید الشہدا حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے انصارؑ و اصحاب اورؑ اقرباؑ کے مصائبؑ و آلام پر مشتمل جامع کتابؒ

حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ عباس اسماعیلی یزدی مدظلہ العالی

مترجم پروفیسر مظہر عباس چودھری

(حصہ دوم)
سردارِ کربلا
سحابِ رحمت کا اردو ترجمہ

سردارِ کربلاؑ

(حصہ دوم)

سحابِ رحمت کا اُردو ترجمہ

سید الشہداء حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے انصار و اصحابؓ

اور اقرباء کے مصائب و آلام پر مشتمل جامع کتاب

تالیف:

حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ عباس اسماعیلی یزدی مدظلہ العالی

ترجمہ:

پروفیسر مظہر عباس چودھری

اہتمام:

حجۃ الاسلام ریاض حسین جعفری، فاضل قم

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین لاہور

جناح ٹاؤن ٹھوکر نیاز بیگ لاہور۔ فون: 042-5425372

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

کتاب : سفرِ دارِ کربلا (حصہ دوم)

مولف : علامہ عباس اسماعیلی یزدی

مترجم : پروفیسر مظہر عباس چودھری

اہتمام : علامہ ریاض حسین جعفری فاضلِ قم

پروف ریڈنگ : کاشف علی ،غلام حیدر چودھری

اشاعتِ سوئم : اگست 2012

ہدیہ : [illegible] روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور، دکان نمبر 20، اُردو بازار - لاہور

فون: 042-7225252 ، 0301-4575120

فہرست

maablib.org

ooo

maablib.org

پیش لفظ

سحابِ رحمت (تاریخ کربلا و سوگنامہ سید الشہداءؑ) کا اُردو ترجمہ چند سال پہلے "سردارِ کربلاؑ" کے نام سے منصۂ شہود پر آیا تو علمی حلقوں میں اس کی خوب پذیرائی ہوئی۔ طبع ثانی میں اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے تو یہ ارادہ تھا کہ کتاب ہذا کے دلوں میں اُتر جانے والے ذہنوں میں سما جانے والے اور آنکھوں سے اشکوں کی برسات بن کر برسنے والے مشمولات یعنی مصائب و آلام کے تذکرے اور روایاتِ مقتل میں ادبیاتِ عزا (مرثیہ نوحہ سلام اور عزائی نظموں) کا موقع محل کی مناسبت سے اضافہ کیا جائے جس کا ذکر "شرح حال بزبانِ اشعار" میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن اس شعری اضافے سے کتاب (مشمولہ جلد اوّل) کی ضخامت میں بھی اضافہ ہو گیا تو حضرت ناشر نے اسے دو جلدوں میں شائع کرنے کا عندیہ ظاہر فرمایا۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کتاب مستطاب میں چند موضوعات بڑھانے کا بھی فیصلہ کیا گیا جن میں مختارِ آلِ محمدؐ کا قیام و جہاد تاریخی نقطۂ نظر سے ذوالجناح اے ذوالجناح عقیدتی پہلو سے اور اعمالِ عاشورہ عملی اعتبار سے نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ جلد اوّل کی اشاعت کے بعد جلد دوم میں یہ بتانا نہایت ضروری تھا جو اس پیش لفظ کو تحریر کرنے کا باعث بنا۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری محسوس ہو رہا ہے کہ سردارِ کربلاؑ اب محض سحابِ رحمت کا ترجمہ ہی نہیں ترجمہ مع تخفیف و اضافہ ہے۔ اضافے کی تفصیل مذکورہ بالا سطور میں مذکور ہے جب کہ معمولی تخفیف کا تذکرہ عرضِ مترجم (جلد اوّل) میں کیا جا چکا ہے۔ مثلاً حضرت سکینہؑ کے حالاتِ زندگی میں سے کچھ حصّہ شامل نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ ترجمہ نہایت دیانت داری سے کیا گیا ہے اور یہ بھی وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اُردو ترجمہ فارسی متن سے بھی زیادہ

رواں دواں، سلیس اور پُر اثر ہے۔ طبع اوّل میں کمپوزر اور پروف ریڈر صاحبان سے جو غفلت ہوئی اس کا بھی ازالہ کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں پروفیسر انور علی بھٹی کا انگریزی میں تحریر کردہ A word about the translator شامل ہے، جو اس ترجمہ کی اہمیت و افادیت اور مترجم کے فن اور شخصیت کی آئینہ داری ہے جسے مترجم نے امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کا معجزہ قرار دیا ہے۔ یقیناً:

یہ تری الفت کا ہی اعجاز ہے ابن علیؑ
کربلا پر جس نے لکھا جاوداں ہونے لگا
(منظر عباس منظر)

کیونکہ:

سرِ نیزہ جو روشن ہو گیا ہے
رسولؐ پاک کے گھر کا دیا ہے
عزادارو! یہاں چلتے ہیں آنسو
خریدارو! یہ بازارِ رضا ہے
نجیب اک شخص کی تشنہ لبی سے
ابھی تک نم ورق تاریخ کا ہے

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

منجانب

ریاض حسین جعفری فاضل قم
سربراہ ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

ablib.org

حضرت علی اکبرؑ

مسکراتے ہوئے جب خیمے سے اکبرؑ نکلے
دیکھنے والوں نے سمجھا کہ پیمبرؐ نکلے

ولادت باسعادت اور عمر مبارک

مرحوم مقرم تحریر فرماتے ہیں: علی اکبرؑ ۱۱ شعبان ۳۳ ہجری میں قتلِ عثمان کے دو سال پہلے اس دنیا میں تشریف لائے (انیس الشیعہ مصنفہ سید محمد عبدالحسین ہندی کربلائی الحدائق الوردیہ) اور یہ ابن ادریس رحمۃ اللہ کے قول کے موافق ہے۔ وہ اپنی کتاب سرائر میں فرماتے ہیں: حضرت علی اکبرؑ نے عثمان کی خلافت کے دوران دنیا میں آنکھ کھولی۔

پس روز عاشور آپ کی عمر ستائیس (۲۷) سال تھی اور مورخین اور علم نسب کے علماء کے اتفاق کے مطابق حضرت علی اکبرؑ امام سجادؑ سے بڑے تھے، اور امام سجادؑ کی عمر عاشور کے دن تیئس (۲۳) سال تھی۔ اور جن لوگوں نے آپ کی عمر سترہ اٹھارہ یا انیس سال نقل کی ہے وہ اس اتفاق کے خلاف ہے۔ اس پر مستزاد وہ اپنے قول کے حق میں کوئی شہادت نہیں رکھتے۔ (علی اکبرؑ مصنفہ مرحوم مقرم/۱۲)

ابن شہر آشوب رقم طراز ہیں: علی اکبرؑ کی عمر (کچھ کے مطابق) اٹھارہ سال تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پچیس سال تھی۔ (مناقب:۶/۱۰۹)

محدث قمیؒ کا کہنا ہے: حضرت علی اکبرؑ کی عمر میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن شہر آشوب اور محمد بن ابی طالب کے مطابق آپ اٹھارہ سال کے تھے، اور شیخ مفیدؒ نے آپ کی عمر انیس سال خیال کی۔ (ارشاد۲/۱۰۹)

اس بناء پر آپ امام زین العابدینؑ سے چھوٹے تھے۔

بعض کا کہنا ہے کہ آپ کی عمر پچیس سال تھی اور کچھ نے اس کے برعکس بھی لکھا ہے۔

پس علی اکبرؑ اپنے بھائی امام سجادؑ سے بڑے تھے اور یہی صحیح اور مشہور قول ہے۔

شیخ اجل ابن ادریس اپنی کتاب حج کے اختتام پر نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی اکبرؑ (امام سجادؑ سے) بڑے تھے اور آپؑ خلافتِ عثمان کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کے دادا امیر المومنین علیؑ سے آپ کے بارے میں روایت کی گئی۔ شعراء نے اپنے مدحیہ اشعار میں بھی اس کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ ابن ادریس ان لوگوں کی تردید میں، جن کا کہنا ہے کہ علی اکبرؑ (امام سجادؑ سے) چھوٹے تھے، تحریر کرتے ہیں، انہیں چاہیے کہ اس باب میں علماء نسب مثلاً زبیر بن بکار اور ان کی تاریخ وحدیث سے رجوع کریں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ سبھی نے حضرت علی اکبرؑ کو (امام سجادؑ سے) بڑا جانا ہے اور یہ متفق علیہ قول ہے۔

محدث قمیؒ تحریر فرماتے ہیں: اس کے بارے میں ابن ادریس کا قول اور ان کی پیروی (ہی) کافی ہے۔ کیونکہ وہ اس میدان کے شہسوار تھے۔ اور انہوں نے اس بات کی خوب وضاحت فرمائی۔ ان اشعار کا نفسِ مضمون جو آپ کی مدح میں لکھے گئے۔ نیز معاویہ کی آپ کے حق میں گفتگو (جس کا ذکر آئندہ آئے گا) اس کی تائید کرتے ہیں۔ (نفس المہموم/۳۱۳)

مرحوم ملا ہاشم لکھتے ہیں: شہید نے دروس میں نیز کفعمی نے فرمایا ہے: آپ کی عمر پچیس سال تھی یعنی آپ حضرت زین العابدینؑ سے دو سال بڑے تھے اور احتمالاً یہی قول اقویٰ ہے۔

اولاً: اس لحاظ سے کہ سبھی محدثین اور مورخین نے شہید علیؑ کو علی اکبر لکھا اور حضرت زین العابدینؑ کو علی اصغر لکھا۔ اور ثانیاً: مقاتل میں منقول ہے کہ امام زین العابدین نے ابن زیاد کی مجلس میں (اس بات کے جواب میں کہ جب اس نے کہا: مگر علی قتل نہیں ہو گئے) فرمایا:

كَانَ لِيْ أَخٌ أَكْبَرُ مِنِّيْ يُسَمّٰى عَلِيًّا فَقَتَلْتُمُوْهُ.

''جن کو انہوں نے قتل کیا وہ میرے بڑے بھائی علیؑ تھے''۔

اور ثالثاً: سرائر میں شہزادہ علی اکبرؑ کے حالات زندگی اور مقتل میں مرقوم ہے:

آپ خلافتِ عثمانیہ میں اس دنیا میں تشریف لائے، اور اس کی روایت آپ کے دادا امیر المومنین علی علیہ السلام نے کی ہے۔ اور کفعمی نیز شہید اول نے اپنی کتاب ''دروس'' میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ (منتخب التواریخ / ۲۶۹)

مرحوم عماد زادہ نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے کہ وہ حضرت علی اکبرؑ کو امام سجادؑ سے بڑا سمجھتے ہیں۔ (زندگانی قمرِ بنی ہاشم و علی اکبرؑ/ ۳۵۶)

مرحوم مقرم نے اٹھائیس سے زیادہ شیعہ سنی علماء اور مورخین سے نقل کیا ہے کہ آپ اپنے بھائی امام سجادؑ سے بڑے تھے۔ وہ دانشوروں کے اقوال کا ذکر کرنے کے بعد اختتام پر تحریر کرتے ہیں: بعض لوگوں مثلاً شیخ مفیدؒ نے ''ارشاد'' اور طبرسیؒ نے اعلام الوریٰ میں ان سب سے اختلاف کیا ہے اور کہتے ہیں: امام سجادؑ بڑے تھے۔ (علی اکبر مصنفہ مرحوم مقرم/ ۱۶ تا ۲۰)

بعض مثلاً ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب مناقب، ابن طلحہ شافعی (مطالب السؤل) اور ابن صباغ نے ''فصول المہمہ'' وغیرہ میں وضاحت کی ہے کہ امام حسینؑ کے تین بیٹے تھے۔ علی اکبرؑ، علی اوسطؑ (کہ جنہیں حضرت سجادؑ کہتے ہیں) اور علی اصغرؑ اور یہ قول اوپر درج کیے گیے بیان کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان میں سے بعض نے وضاحت کی ہے کہ علی اکبرؑ کربلا میں شہید ہو گئے اور علی اصغرؑ جو دودھ پیتے بچے تھے اور جن کا دوسرا نام عبداللہ تھا وہ بھی کربلا میں شہید ہو گئے۔

ممکن ہے یہ بات اشکال کا باعث بن جائے کہ آپؑ کے والد بزرگوار نے آپؑ کے میدانِ جنگ میں جانے کے وقت فرمایا تھا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ

یہاں بیان کردہ لفظ غلام کا اطلاق پچیس یا ستائیس سالہ شخص کے لئے نہیں ہوتا لیکن لغت کی تحقیق اس کے خلاف ہے۔

اولاً: سید و سردار کے بیٹے کو غلام کہتے ہیں۔

ثانیاً: ''لسان العرب'' میں منقول ہے کہ ولادت سے لے کر بڑھاپے تک بھی کسی کو غلام کہا جا سکتا ہے اور ازہری کا قول بھی اس کی تائید میں ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے عربوں سے

سنا ہے کہ جب بچہ دنیا میں آتا ہے تو اسے غلام کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی سنا ہے کہ بوڑھے لوگوں کو بھی غلام کہتے ہیں اور ابو العباس کے قول سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں فلاں شخص لوگوں کا غلام ہے اگر چہ وہ بوڑھا ہو جائے۔

ثالثاً: کتاب مصباح المنیر میں (جو کہ لغت کی اہم کتاب ہے) مرقوم ہے۔ بوڑھے آدمی پر بھی مجازاً غلام کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ پہلے غلام ہی ہوتا ہے۔ (لسان العرب: ۱۰/۱۱۱، مجمع البحرین: ۶/۱۲۷، مصباح/۶۱۹)

حضرت علی اکبرؑ کی شادی

اگر ہم کہیں کہ آپ جناب کی عمر شہادت کے وقت پچیس سال یا اس سے زیادہ تھی تو یقیناً آپ کی شادی ہو چکی تھی۔ کیونکہ آپ اس عظیم سنت کے تارک ہرگز نہیں ہو سکتے۔

حدیث بزنطی اور آپ کی زیارت بعض عبارات سے استفادہ ہوتا ہے کہ آپ نے شادی کر رکھی تھی اور آپ کی اولاد بھی تھی۔ (اس سلسلے میں "اصول کافی" تہذیب اور قرب الاسناد کے حوالے سے بزنطی کی امام رضاؑ سے کی گئی روایت بھی دال ہے کہ آپ نے ام ولد نامی کنیز سے شادی کی تھی۔

حضرت علی اکبرؑ کی زیارت میں جسے ابو حمزہ نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کیا ہے آتا ہے:

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى عِتْرَتِكَ وَأَهْلِ بَيْتِكَ وَآبَائِكَ وَأَبْنَائِكَ وَأُمَّهَاتِكَ الْأَخْيَارِ الْأَبْرَارِ الَّذِينَ أَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيرًا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ وَابْنَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَابْنَ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ثُمَّ ضَعْ خَدَّكَ عَلَى الْقَبْرِ وَقُلْ: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْحَسَنِ ثَلَاثًا

"آپ پر آپ کی عترت پر آپ کے اہل بیتؑ پر آپ کے آباؤ اجداد پر

آپ کی اولاد پر اور آپ کی نیک اور پاکیزہ ماؤں پر اللہ کا درود ہو۔ جن سے اللہ نے رجس کو دور کر دیا اور انہیں پاکیزہ قرار دے دیا۔ اے رسولؐ خدا کے بیٹے' امیر المومنین حضرت علیؑ اور حسینؑ بن علیؑ کے فرزند آپ پر سلام ہو۔ پھر تھوڑی دیر قبر مبارک پر ٹھہرو اور تین بار کہو: اے ابوالحسنؑ! آپ پر خدا کا درود و سلام ہو"۔ (کامل الزیارات/ ۲۳۹ ب ۷۹ زیارت ۱۸)

اس زیارت میں آپ کی کنیت ابوالحسن بتائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اولاد چند عدد تھی کیونکہ لفظ "ابناء" جمع کا صیغہ ہے۔

آپ کی والدۂ گرامی:

آپ کی والدہ ماجدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی ہیں، اور عروہ بن مسعود اسلام میں سادات اربعہ میں سے ایک ہیں۔ ان کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے کہ جنہیں رسولؐ خدا نے مثل صاحب یاسین (جو اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت دے اور وہ اسے قتل کریں) اور لوگوں میں سے حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے ہم شکل ترین قرار دیا۔

فضائل حضرت علی اکبرؑ

اکبر تمہاری قدر نہیں ہے کسی کو آہ — اس حسن کا بشر نہیں کوئی خدا گواہ

ہوتے جو لوگ احمد مرسلؐ کے خیر خواہ — تم کو سمجھتے ثانی پیغمبرؐ الٰہ

آنکھوں سے رکھتے فخر سے نعلین پاک کو

اکسیر جانتے انہیں قدموں کی خاک کو

(میر انیس)

پیغمبر اکرمؐ سے مشابہت

حضرت علی اکبرؑ طلاقت زبان' خوبصورتی' سیرت و کردار اور خلقت میں رسولؐ خدا سے

بہت مشابہ تھے۔ آپ تمام کمالاتِ عالیہ، صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ پاکیزہ کے حامل تھے۔

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں:

وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (سورۂ ابراہیم آیہ ۳۴)

''اور اگر اللہ کی نعمتوں کا شمار کیا جائے تو وہ شمار میں نہیں لائی جاسکتیں''۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے دنیاوی نعمتوں کو ہیچ خیال کیا:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (سورہ نساء آیہ ۷۷)

''کہہ دو اس دنیا کی نعمتیں بہت قلیل ہیں''۔

لیکن اخلاقِ پیغمبرؐ کے سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (سورہ قلم، آیہ ۴)

''بے شک آپ کے اخلاق عظیم ہیں''۔

حضرت علی اکبرؑ جمیع اخلاق وصفات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثل تھے۔

آپ کے والد بزرگوار آپؑ کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَقَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلُقًا

البتہ منقول ہے کہ جناب فاطمہ زہراؑ چلنے میں اپنے والد گرامی سے شباہت رکھتی تھیں۔ ابن شہر آشوب مناقب (ج ۳، ص ۳۵۷) میں رقم طراز ہیں: قال جابر الانصاری : ما رأیت فاطمة تمشی الا ذکرت رسول الله تمیل علی جانبها الایمن مرة، وعلی جانبها الایسر مرة ''جابر انصاریؒ کہتے ہیں: میں نے فاطمہ زہراؑ کو چلتے ہوئے نہیں دیکھا مگر یہ کہ میں رسولِ خدا کی یاد میں کھو جاتا تھا۔ آپ چلتے ہوئے ایک مرتبہ داہنی جانب اور دوسری مرتبہ بائیں جانب جھکاؤ کرتی تھیں۔

بشارۃ المصطفیٰ (ص ۲۵۲ ج ۹ حدیث ۱) میں آیا ہے کہ وہ مظلومہ اپنے والد گرامی ہی کی طرح صحبت کرتی تھیں۔ ''لمن عائشة انها قالت : ما رأیت احداً کان اشبه کلاماً وحدیثاً من فاطمة برسول الله وکانت اذا دخلت علیه رحب بها، وقام الیها، فاخذ بیدها وقبل یدها، واجلسها فی مجلسه: حضرت بی بی عائشہ کہتی ہیں: میں نے کسی کو فاطمہؑ سے زیادہ گفتگو کرنے میں رسولِ خدا سے مشابہ نہیں دیکھا،

وَمَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ وَكُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّكَ نَظَرْنَا اِلَیْهِ.

"خدایا گواہ رہنا! وہ جوان جو شکل وصورت اور سیرت و گفتار میں تیرے پیغمبرؐ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے وہ ان لوگوں سے جنگ کے لئے جارہا ہے۔ ہم جب بھی زیارت پیغمبرؐ کے مشتاق ہوتے تھے اس جوان کو دیکھ لیا

جب فاطمہؑ رسولؐ خدا کے پاس تشریف لاتیں تو رسولؐ خدا انہیں خوش آمدید کہتے اور ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کے ہاتھ کو پکڑ کر چومتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔

شیخ مفیدؒ (ارشاد: ۲/۳) میں نقل کرتے ہیں: امام حسنؑ جلالت و بزرگی میں اور امام حسینؑ سخاوت و شجاعت میں اپنے نانا سے مشابہ تھے۔

ابن شہر آشوب نے (مناقب ۴/۲ میں) آیہ شریفہ: فی ای صورۃ ماشاء رکبك کی تفسیر میں حسنؑ بن علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ خدا نے علیؑ بن ابی طالب کو باپ کی صلب میں محمدؐ کی شبیہ میں رکھا۔ پس وہ رسول کریمؐ سے مشابہ ترین تھے اور امام حسینؑ جناب فاطمہؑ سے مشابہ ترین تھے اور میں جناب خدیجہ سے مشابہ ترین ہوں۔

شیخ مفیدؒ (ارشاد: ۲/۳) میں نقل فرماتے ہیں: "کان الحسین اشبه الناس برسول الله خلقا وهدیا وسوددا" (امام حسینؑ عادات چال ڈھال اور سیادت میں رسولؐ خدا سے تمام مخلوق سے زیادہ مشابہ تھے)۔

شیخ صدوق (کمال الدین: ۱/۳۰۳ ب ۲۶ ح ۱ اور بحار الانوار: ۵۱/۲) میں وکنیته کنیتی، اشبه الناس بی خلقا و خلقا، تکون له غیبة وحیرة تضل فیها الامم ثم یقبل کالشهاب الثاقب فیملاها عدلا وقسطا کما ملئت جورا وظلما" (مہدی میری اولاد میں سے ہے، اس کا نام میرا نام اور اس کی کنیت میری کنیت ہے، اور تخلیق وعادات میں تمام مخلوق سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہے اس کے لیے غیبت وحیرت ہے کہ جس کے بارے میں امت گمراہ ہو جائے گی۔ وہ شہاب ثاقب کی طرح طلوع ہوگا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، جیسے کہ وہ ظلم وستم سے پر ہوگی")

نیز (بحار الانوار: ۵۱/۱۶۱) باب ماورد عن العسکریؑ ح ۹ میں) احمد بن اسحاق امام حسن عسکریؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: الحمد لله الذی لم یخرجنی من الدنیا حتی ارانی الخلف من بعدی، اشبه الناس برسول اللهؐ خلقا وخلقا. یحفظه الله تبارك و تعالٰی فی غیبته. ثم یظهره فیملا الارض عدلا وقسطا کما ملئت جورا وظلما" (میں اس خدا کا سپاس گزار ہوں کہ جس نے میری موت سے پہلے مجھے اپنے جانشین سے آگاہ فرمایا کہ جو پوری مخلوق میں رسول خدا سے مشابہ ترین ہے، خدا اس کے زمانہ غیبت میں اس کی حفاظت فرمائے گا۔ پھر وہ ظاہر ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جیسے کہ وہ (پہلے) ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوگی)۔

کرتے تھے"۔(لہوف/۱۱۳مثیر الاحزان/۶۸' بحارالانوار: ۴۵/ ۴۲
مقتل خوازمی:۲/۳۰)

عصمتِ علی اکبرؑ

عدالت کی طرح عصمت کے بھی مختلف درجات ہیں اور کوئی شخص عصمت میں چہاردہ معصومینؑ تک نہیں پہنچ سکتا لیکن خداوند قدوس نے شہزادہ علی اکبرؑ کو بھی مقام عصمت عطا فرمایا۔

اس سلسلے میں زیارت کے اس جملے سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اس بزرگوار سے یوں خطاب فرمایا:

صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى عِتْرَتِكَ وَأَهْلِ بَيْتِكَ وَآبَائِكَ وَأَبْنَائِكَ وَأُمَّهَاتِكَ الْأَخْيَارِ الْأَبْرَارِ الَّذِيْنَ أَذْهَبَ اللهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيْرًا۔(کامل الزیارات/۲۳۹ ب ۷۹ زیارت ۱۸)

کہ رجس اور پلیدی سے دوری بھی عصمت ہے۔یہ بات بھی اس مفہوم کی دلیل ہے کہ امام حسینؑ کی زیارت رجبیہ' جس کو محدث قمی نے مفاتیح الجنان میں نقل کیا ہے' کے مطابق جس وقت علی بن الحسینؑ کی قبر پر پہنچو تو آپ کی قبر کے نزدیک جا کر کہو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الصِّدِّيْقُ الطَّيِّبُ الزَّكِيُّ الْحَبِيْبُ الْمُقَرَّبُ وَابْنُ رَيْحَانَةِ رَسُوْلِ اللهِ ...... وَجَعَلَكَ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ الَّذِيْنَ أَذْهَبَ اللهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيْرًا

اے خدا! اس بزرگوار کو اہل بیتؑ عصمت میں سے قرار دے۔طیب اور زکی کے الفاظ بھی شہزادہ علی اکبرؑ کی عصمت کی تائید کرتے ہیں۔

ج: صفاتِ علی اکبرؑ

شہزادہ علی اکبرؑ نیک صفات' جلال و جمال اور ملکوتی حسن کے حامل تھے۔آپ عالم ملکوت سے منسلک تھے۔مرحوم سید بن طاؤس اور شیخ مفیدؒ نے دو احادیث نقل فرمائی ہیں۔

کہ آپ نے اپنے والد بزرگوار سے کہا:

أَفَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ.

"کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟"

امامؑ نے جواب دیا: ہاں۔

شہزادہ علی اکبرؑ نے کہا:

إِذًا لَا نُبَالِيْ بِالْمَوْتِ۔

"اگر یہ بات ہے تو ہمیں موت کا کوئی خوف نہیں ہے"۔

د: شجاعت علی اکبرؑ

رخصت ہوا پدر سے علی اکبرؑ دلیر　　لشکر کے سرکشوں کو کیا دم میں اس نے زیر

آخر ہجوم کر کے لیا ظالموں نے گھیر　　برچھی جگر پر چل گئی، مارا گیا وہ شیر

صدمے سے حالِ سبطِ نبیؐ غیر ہوگیا

تا ظہر سب کا خاتمہ بالخیر ہوگیا

(میر انیسؔ)

حضرت علی اکبرؑ کو شجاعت اور بہادری اپنے دادا علی مرتضیٰؑ سے ورثہ میں ملی تھی۔ علامہ مجلسیؒ نقل فرماتے ہیں:

آپ جس طرف رخ فرماتے تھے لوگوں کو خاکِ ہلاکت میں ملاتے جاتے تھے۔

فَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتّٰى ضَجَّ النَّاسُ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ قَتَلَ مِنْهُمْ وَرُوِيَ اَنَّهُ قَتَلَ عَلٰى عَطَشِهٖ مِائَةً وَعِشْرِيْنَ رَجُلًا ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى اَبِيْهِ فَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتّٰى قَتَلَ تَمَامَ الْمِائَتَيْنِ ....

"آپ نے اس قدر قتل عام کیا کہ مقتولین کی کثرت پر لوگ گریہ وشیون کرنے لگے اور روایت میں ہے کہ علی اکبرؑ نے پیاس کی شدت کے باوجود

ایک سوبیس (۱۲۰) افراد کو تہ تیغ کیا، اور پھر اپنے والد گرامی کی طرف گئے پھر دوبارہ میدان میں اُترے اور اس قدر جنگ کی کہ مرنے والوں کی تعداد دو سو افراد تک پہنچ گئی"۔ (بحار الانوار ۴۵/۴۳ و ۴۴)

۵: تربیت و پرورش

شہزادہ علی اکبرؑ نے اپنے تایا جان حضرت حسن مجتبیٰؑ اور اپنے والد گرامی سید الشہداءؑ کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی۔ "کافی"، "فقیہ" اور "تہذیب" میں امام صادقؑ سے ایک زیارت میں روایت منقول ہے کہ آنحضرتؑ کے فرزند ارجمند علیؑ بن الحسینؑ کی قبر کے نزدیک جاؤ اور پڑھو (آپ اپنے بابا کے قدموں میں مدفون ہیں):

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَابْنَ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَابْنَ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ۔

"اے فرزند رسول آپ پر سلام، اے فرزند امیر المومنینؑ آپ پر سلام اے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے بیٹے آپ پر سلام"۔ (مفاتیح الجنان امام حسینؑ کی پہلی زیارت مطلقہ)

شیخ صدوقؒ اس زیارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

میرے نزدیک یہ زیارت صحیح ترین ہے اور جو یہ کہا گیا ہے کہ آپ امام حسنؑ کے فرزند تھے۔ یہ اس لئے ہے کہ امام حسنؑ حضرت علی اکبرؑ کے معلم و مربی تھے اور حدیث مبارکہ ہے:

إِنَّمَا الْاٰبَاءُ ثَلَاثَةٌ مَنْ وَلَّدَكَ وَمَنْ عَلَّمَكَ وَمَنْ زَوَّجَكَ

"باپ تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ جو تمہیں دنیا میں لانے کا سبب

لیکن قرآن میں چچا پر باپ کا اطلاق ہوا اور چچا کے مقام کو اس قدر اہمیت دی گئی۔

الف: إِذْ قَالَ إِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا اٰلِهَةً (سورہ انعام ۷۴)

احادیث میں آیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا اور باپ کا اطلاق اسی پر ہوا۔

ب: اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ اٰبَائِكَ إِبْرَاهِیْمَ وَإِسْمَاعِیْلَ وَإِسْحٰقَ إِلٰهًا وَّاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ (سورہ بقرہ آیہ ۱۳۳)

بنتا ہے دوسرا وہ جو تمہیں تعلیم دیتا ہے اور تیسرا تمہاری بیوی کا والد"۔

محدث قمی رقم طراز ہیں:

جب تک آپؑ حیات رہے' آپ کی عمر مبارک زہد و عبادت' مساکین کو کھانا کھلانے' مسافروں سے حسن سلوک کرنے' اخلاقِ عالیہ کی ترویج اور لوگوں کے رزق میں اضافے کرنے میں گزری یہاں تک کہ آپ کی مدح میں کہا گیا ہے:

لَمْ تَرَعَيْنُ نَظَرَتْ مِثْلَهٗ

مِنْ مُحْتَفٍ يَمْشِيْ وَلَا نَاعِلٍ (تا آخر ابیات)

"کسی آنکھ نے اس جیسا شخص نہیں دیکھا ہوگا' اور آپ کی زیارت میں پڑھا جاتا ہے: نہ کسی پا برہنہ چلنے والے نے اور نہ کسی جوتا پہننے والے نے"۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الصِّدِّيْقُ وَالشَّهِيْدُ الْمُكَرَّمُ وَالسَّيِّدُ الْمُقَدَّمُ اَلَّذِيْ عَاشَ سَعِيْدًا وَمَاتَ شَهِيْدًا، وَذَهَبَ فَقِيْدًا،

جب حضرت یعقوبؑ قریب المرگ تھے تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میری موت کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

کہنے لگے: آپ کے خدا کی اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اور اسحٰقؑ کے خدا کی کہ جو معبود یگانہ ہے، اور ہم اس کے مسلمان ہیں۔

حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے لیکن وہ حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے نہ تھے بلکہ اسماعیلؑ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹوں کے چچا تھے۔ جب کہ قرآن کہہ رہا ہے:

تمہارا باپ ابراہیمؑ اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ..... حضرت امام حسینؑ نے شہزادہ قاسمؑ سے فرمایا تھا۔

يَاوَلَدِيْ أَتَمْشِيْ بِرِجْلِكَ إِلَى الْمَوْتِ؟

"اے میرے بیٹے! تم اپنے پاؤں پر چل کر موت کی طرف جا رہے ہو"۔ (مہیج الاحزان/۱۶۳م ۷)

لیکن موارد استعمال میں ہر چچا پر باپ کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ جب باپ فوت ہو جاتا ہے تو چچا باپ کی جگہ لیتا ہے یا پھر بیٹا چچا کے زیر تربیت ہو تو اس موقعہ پر چچا پر باپ کا اطلاق ہوتا ہے۔ پس ہمیں ماننا پڑے گا کہ حضرت علی اکبرا اپنے چچا محترم امام حسنؑ کے زیر تربیت رہے جیسا کہ زیارت میں آیا ہے: اے حسن و حسین علیہما السلام کے بیٹے!

فَلَمْ تَتَمَتَّعْ مِنَ الدُّنْيَا اِلاَّ بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ وَلَمْ تَتَشَاغَلْ اِلاَّ بِالْمَتْجَرِ الرَّابِحِ۔

اس طرح کیوں نہ ہو وہ جوان جو رسول کریمؐ سے تمام جوانوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو اور جس نے جنت کے دو سرداروں حسنؑ و حسینؑ سے آداب زندگی سیکھے ہوں۔ وہ اس طرح کا کیوں کر نہیں ہوگا۔

چنانچہ آپ کی زیارت کی عبارت میں مروی اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بْنَ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ (منتہی الآمال: ۱/۳۷۵)

حضرت امیر علیہ السلام آپؑ کو بہت عزیز رکھتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی مدح میں شعر بھی کہے جن کا ذکر ابن ادریس نے اپنی کتاب "سرائر" میں کیا ہے۔ امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَمْ تَرَ عَیْنٌ نَظَرَتْ مِثْلَهٗ

مِنْ مُحْتَفٍ یَمْشِیْ وَلَا نَاعِلٍ

(مہیج الاحزان/۳۱۲م۹)

ابو الفرج اصفہانی اپنی کتاب "مقاتل الطالبیین" میں مغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز معاویہ نے کہا: آج خلافت کے لئے سزاوار ترین شخص کون ہے؟

لوگوں نے کہا: آپ!

معاویہ نے کہا: ایسا نہیں بلکہ اس کے لئے بہترین اور شائستہ ترین شخص علی بن الحسینؑ (علی اکبرؑ) ہیں۔ کیونکہ آپؑ کے جد امجد رسولؐ خدا ہیں اور آپؑ بنی ہاشم کی شجاعت، بنو امیہ کی سخاوت اور بنو ثقیف کے جمال و بزرگی کے حامل ہیں۔ (نفس المہموم/۳۱۴)

کچھ عجیب نہیں کہ معاویہ نے حضرت علی اکبرؑ کی عظمت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہو لیکن بنی امیہ اس ارادے سے سخاوت کرتے تھے کہ لوگ ان کی طرف رجحان کریں۔ حالانکہ وہ حقیقت میں سخی نہیں تھے بلکہ سخاوت بھی شجاعت کی طرح بنو ہاشم ہی کا امتیاز تھی۔

معاویہ کا دادا عبد الشمس تھا جو حضرت ہاشم کے ٹکڑوں پر پلا' اور حضرت ہاشم کا اصل نام عمرو تھا لیکن کثرت کے ساتھ اونٹ اور گوسفند ذبح کر کے لوگوں کے لئے طعام میسر کرنے کے سبب آپ ہاشم کے لقب سے مشہور ہوئے۔

امیہ نے بیس سال تک حضرت عبدالمطلب کے گھر پر زندگی گزاری اور ابو سفیان اس قدر کنجوس تھا کہ اپنے اہل و عیال تک کو نان و نفقہ مہیا نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی بیوی ہند کو اس کی چوری کرنا پڑتی تھی۔ نہ جانے یہ کہاں کی سخاوت ہے جس پر معاویہ مفتخر تھا؟

اہل بیتؑ کے پہلے شہید

جب امام عالی مقامؑ کے اصحاب باوفا درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تو آپ کے خاندان کی باری آئی، علی اکبرؑ ان میں سے پہلی ہستی تھے جو میدانِ جنگ میں گئے۔

مرحوم سید ابن طاؤس اور ابن نما نقل فرماتے ہیں: جب مظلوم کربلاؑ کے خاندان کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ بچا تو علی بن الحسینؑ جو سارے زمانے سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت تھے، باہر نکلے اور اپنے والد بزرگوار سے جنگ کی اجازت مانگی۔ حضرت نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی۔ (لہوف/۱۱۲)

شیخ مفیدؒ تحریر فرماتے ہے: سید الشہداءؑ کے اصحاب میں سے ایک ایک کر کے آگے بڑھتے رہے اور شہید ہوتے رہے یہاں تک کہ امام حسینؑ کے ساتھیوں میں آپؑ کے خاندان کے علاوہ کوئی نہ بچا۔ پس آپؑ کے بیٹے علی بن الحسینؑ سامنے آئے۔ (ارشاد:۱۰۹!)

ابن ادریس رقم طراز ہیں:

وَهُوَ اَوَّلُ قَتِيْلٍ فِيْ الْوَاقِعَةِ يَوْمَ الطَّفِّ مِنْ آلِ أَبِيْ طَالِبٍ

علی اکبرؑ روز کربلا آل ابی طالب کے پہلے مقتول تھے۔ (سرائر/۱۵۳)

زیارت ناحیہ مقدسہ سے اس طرح استفادہ ہوتا ہے کہ شہزادہ علی اکبرؑ اہل بیتؑ میں سے پہلے شہید تھے۔ امام فرماتے ہیں:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَوَّلَ قَتِيْلٍ مِنْ نَسْلِ خَيْرِ سَلِيْلٍ مِنْ سُلَالَةِ إِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلِ (بحارالانوار:۴۵/۶۵)

''دودمان ابراہیم خلیل اللہ کے چشم و چراغ آپ پر سلام ہو''۔

اہل سنت کے تمام مورخین مثلاً طبری (تاریخ طبری:۵/۴۴۶) ابن اثیر اور ابو الفرج وغیرہ نے بھی یہی روایت اختیار کی ہے۔لیکن احتمال ظاہر کرتے ہیں کہ یہ اولیت شان اور رتبہ میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص پہلا عالم یا پہلا تاجر ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ عبداللہ بن مسلم بن عقیل اہلِ بیتؑ میں سے پہلے شہید تھے۔لیکن زیارت سید ناحیہ بن طاؤس ''شیخ مفید'' اور ابن ادریس کی عبارات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

شہزادہ علی اکبرؑ کی شہادت

ہاں شاہ دیں کے تعزیہ دار و بکا کرو ہاں اے خدا کے دوست کے پیار و بکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینے میں مارو بکا کرو اکبرؑ جہاں سے اُٹھ گئے یارو بکا کرو

سمجھو شریکِ بزمِ شہ مشرقین ہو
دے نوجوان بیٹے کا پُرسہ حسینؑ کو
(میر انیسؔ)

جب شہزادہ علی اکبرؑ نے میدانِ جنگ میں جانے کا ارادہ کیا تو اپنے والد بزرگوار سے جہاد کی اجازت طلب فرمائی۔آنحضرتؑ نے انہیں اذنِ جہاد دیا۔

(تمام معتبر مقاتل میں تحریر ہے کہ امام عالی مقام نے اپنے فرزند ارجمند کو فوراً ہی اجازت عطا فرمادی اس کی وجہ کیا تھی؟ ممکن ہے یہ ہو کہ اپنا بیٹا ہے اس لئے بغیر کسی مہلت کے بارگاہ خداوندی میں فدیہ کردیں۔اور شاید اس حالت میں اپنے فرزند کو دیکھنے کی سکت نہ تھی)

جب علی اکبرؑ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو امام عالی مقامؑ نے (اپنے بیٹے پر مایوسانہ نگاہ ڈالی) اور انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند فرمائی یا پھر ریش مبارک کو اپنے ہاتھ

میں پکڑا اور گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ، فَقَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ أَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ كُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلٰی وَجْهِهٖ.

''خدایا گواہ رہنا' وہ جوان جو صورت و سیرت اور گفتار میں تیرے پیغمبرؐ سے تمام مخلوق سے زیادہ مشابہ ہے' میدانِ جنگ میں جا رہا ہے۔ میں جب تیرے پیغمبر کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو میں اس جوان کی زیارت کرلیا کرتا تھا''۔

خدایا! ان لوگوں سے زمین کی برکتیں دور رکھ، انہیں پراگندہ خاطر فرما اور ان کے درمیان جدائی فرمادے۔ انہیں متفرق و منتشر کردے اور ان کے والیوں کو ان سے ہرگز راضی نہ رکھ' کیونکہ اس جماعت نے ہماری امداد کے وعدے پر ہمیں بلایا اور پھر ہمارے ہی خلاف تلواریں نکال لیں۔

پس آنحضرتؑ نے عمر سعد ملعون کو آواز دی کہ تو ہم سے کیا چاہتا ہے۔ خدا تجھے قطع رحم کا مرتکب کرے گا اور تمہارے کسی کام کو مبارک نہ جانے گا، اور ہمارے بعد کسی کو تم پر مسلط فرمادے گا جو تمہارا کام تمام کردے گا۔ جیسا کہ تو نے ہمارے ساتھ قطع رحم کی اور ہماری رسولؐ خدا کے ساتھ قرابت تک کا خیال نہ رکھا۔ پھر بلند آواز کے ساتھ یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی آدَمَ وَ نُوْحًا وَآلَ اِبْرَاهِيْمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

بے شک خداوند بزرگوار نے آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیمؑ اور آل عمران کو عالمین میں سے چن لیا اور ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے''۔ (آل عمران آیہ ۳۳ و ۳۴)

(نفس المہموم/۳۰۸، بحار الانوار: ۴۵/۴۲، مقتل خوارزمی: ۲/۳۰ وغیرہ)

بہت سی کتب میں منقول ہے کہ جب شہزادہ علی اکبرؑ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو امام عالی مقامؑ نے آپؑ سے فرمایا: اپنی ماں، بھائی اور پھوپھی سے الوداع کر لو۔ پس شہزادہ علی اکبرؑ خیامِ حرم میں آئے اور با آواز بلند فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَخَاهُ ، وَعَلَيْكُنَّ يَا أَهْلَ بَيْتَاهُ هٰذَا آخِرُ السَّلَامِ وَآخِرُ الْكَلَامِ وَاللِّقَاءُ فِي الْجَنَّةِ.

جب علی اکبرؑ کی صدائے جان فزا پردہ نشینوں کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے شہزادے کے گرد حلقہ ماتم باندھ لیا، انہیں گلے لگایا اور اس قدر گریہ فرمایا کہ بے ہوش ہو گئیں۔

امام سجادؑ فرماتے ہیں: روزِ عاشور میں شدید بیماری میں گرفتار تھا، اس حالت میں میں نے دیکھا کہ کوئی آہستہ آہستہ میرے ہاتھوں اور پاؤں کو چوم رہا ہے۔ میں نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ میرے بھائی علی اکبرؑ ہیں کہ کمالِ ادب سے میرے پاؤں پر گرے ہوئے ہیں اور اپنا چہرہ میرے پاؤں کے تلووں پر مل رہے ہیں۔ میں نے کہا: اے بھیا! کیا بات ہے کہ آپ کی حالت دگرگوں ہے اور اشک رواں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میرے بابا تنہا رہ گئے ہیں، ان کے اصحاب قتل کر دیئے گئے ہیں، اب میرا ارادہ ہے کہ میں بھی اپنی جان ان پر نثار کر دوں۔

شہزادہ علی اکبرؑ نے اپنی ماں بھائی اور پھوپھی سے وداع کیا اور والد بزرگوار کی خدمت میں پہنچے۔ مظلوموں کے بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے انہیں مسلح کیا اور ایک روایت کے مطابق رسولِ معظمؐ کا عمامہ ان کے سر پر باندھا ...... اور انہیں میدانِ جنگ کی طرف روانہ فرمایا۔ (تذکرۃ الشہداء ۱/۱۹۷)

کتاب مستطاب ''روضۃ الاحباب'' میں منقول ہے کہ امام مظلومؑ نے اپنے ہاتھوں سے علی اکبرؑ کو اسلحہ سے لیس کیا اور اپنی آہنی کلاہ ان کے سر پر رکھی اور چمڑے کا وہ کمر بند جو شیر خدا علی المرتضیٰؑ کی یادگار تھا ان کی کمر مبارک پر باندھا (اور اس کے میان میں مصری تلوار حمائل کی) عقاب نامی گھوڑا سواری کے لئے دیا اور اس طرح انہیں میدانِ جنگ کی طرف روانہ فرمایا (ناسخ التواریخ: ۲/۳۴۵ اور یہی مضمون ریاض القدس میں ہے: ۲/۷)۔

حمید کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ حسینؑ شدتِ غم سے کبھی بیٹھ جاتے ہیں اور کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا: خدایا گواہ رہنا کہ میں نے علیؑ کو اپنے نانا کی امت پر قربان کر دیا۔

خدا بسوز دلم واقفی کہ جانم رفت
زجان عزیز ترم اکبرؑ جوانم رفت
(انوار الشہادۃ/۱۵۱ف۱۳)

شہزادہ علی اکبرؑ میدانِ جنگ میں پہنچے، دشمن کا لشکر ان کے نورانی حسن کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ آپؑ میدانِ جنگ میں پہنچتے ہی اس ملعون سپاہ پر ٹوٹ پڑے اور شجاعت حیدری کی حامل قوت بازو سے دادِ شجاعت دی' اور یہ رجز پڑھا:

أَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ
نَحْنُ وَبَيْتِ اللّٰهِ أَوْلٰى بِالنَّبِيِّ

''میں علیؑ کا پوتا' حسینؑ کا بیٹا علیؑ ہوں۔ خدا کی قسم میں ہر شخص سے زیادہ اولادِ پیغمبر ہوں''۔

پس حملہ فرمایا اور ان نامرد ظالموں کو قتل کیا۔ آپ جس جانب رخ فرماتے اس گروہ کو خاک ہلاکت میں ملا دیتے۔ آپ نے اس قدر سپاہ دشمن کو قتل کیا کہ گریہ وشیون کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ سند معتبر کے ساتھ روایت ہے کہ آپؑ نے اس پیاس کی حالت میں ایک سو بیس (۱۲۰) افراد کو واصل جہنم کیا۔ اس دوران میں سورج کی حرارت، پیاس کا غلبہ' زخموں کی کثرت اور اسلحہ کی سنگینی نے آپ کو مشکل میں ڈال دیا لہٰذا امام عالی مقامؑ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا:

يَا أَبَةِ الْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِي وَثِقْلُ الْحَدِيْدِ أَجْهَدَنِي، فَهَلْ إِلٰى شَرْبَةٍ مِنَ الْمَاءِ سَبِيْلٌ؟ أَتَقَوّٰى بِهَا عَلَى الْأَعْدَاءِ.

''اے والدِ گرامی! پیاس کی شدت نے مجھے مار ڈالا ہے، اور اسلحہ کی سنگینی اس قدر باعثِ زحمت ہے کہ اسے اٹھانے کی سکت نہیں رکھتا۔ کیا آپؑ

پانی کے چند قطروں کی سبیل کر سکتے ہیں؟ تا کہ میں دشمن سے دفاع کے لئے قوت حاصل کر سکوں"۔

کثیر بن شاذان سے منقول ہے کہ اس نے کہا: ایک دن میں خدمت امامؑ میں حاضر تھا کہ آپؑ کے بیٹے علی اکبرؑ نے اپنے والد گرامی سے بغیر موسم کے انگوروں کی درخواست کی۔ امام حسینؑ نے بطریق اعجاز مسجد کے مینار سے انگور اور کیلے منگوائے اور علی اکبرؑ کو دیتے ہوئے فرمایا:

مَا عِنْدَ اللّٰهِ لِاَوْلِیَائِهِ اَكْبَرُ ۔ (فرسان الھیجاء ۱/۲۹۹ مدینۃ المعاجز سے نقل کے ساتھ)

شاید اسی دلیل سے آپؑ نے اپنے والد بزرگوار سے پانی کا مطالبہ کیا تھا کہ آنحضرتؑ بطریق اعجاز آپؑ کو سیراب کریں گے اور آپؑ میدانِ جنگ میں پہنچ کر دشمنوں سے جہاد کریں گے۔

امام عالی مقامؑ نے گریہ فرمایا اور کہا:

یَا بُنَیَّ یَعِزُّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَعَلَیَّ اَنْ تَدْعُوْهُمْ فَلَا یُجِیْبُوْكَ وَتَسْتَغِیْثَ بِهِمْ فَلَا یُغِیْثُوْكَ.

"اے میرے بیٹے رسولؐ خدا، علی المرتضیٰؑ اور مجھ پر بہت دشوار ہے کہ تم بلاؤ تو تمہاری دعوت قبول نہ کریں اور تم استغاثہ کرو تو وہ تمہاری فریاد رسی کو نہ پہنچیں" (سید بن طاؤس کی روایت کے مطابق) آپؑ نے فرمایا: میری جان! تھوڑی سی جنگ کرو جلد ہی تم اپنے جد سے ملاقات کرو گے، اور وہ پانی سے لبریز جام تمہیں دیں گے کہ اس کے بعد تم کبھی پیاس محسوس نہیں کرو گے۔

علی اکبرؑ واپس میدان کارزار میں پہنچے اور مزید اسی (۸۰) افراد کو واصل جہنم کیا۔ اس طرح آپؑ کے ہاتھ سے قتل ہونے والوں کی تعداد دو سو افراد تک پہنچ گئی۔

کوئی شہزادہ علی اکبرؑ کے قتل سے احتراز کر رہے تھے، لیکن مرہ بن منقذ عبدی ملعون نے

آپؑ پر نگاہ بد ڈالی اور کہا: اگر یہ دوبارہ حملہ کرے تو میں اس کے باپ کے دل پر اس کا داغ مفارقت نہ لگاؤں تو عرب کا گناہ میری گردن پر ہو (جبکہ آپ بارہ حملے فرما چکے تھے)۔ (زیارت ناحیہ مقدسہ (بحار الانوار: ۴۵/۶۵) اور دیگر متعدد کتب میں مثلاً ارشاد شیخ مفید، مقتل مقرم، مثیر الاحزان، کامل ابن اثیر، تاریخ طبری، ۵/۴۴۶)

اخبار الطوال اور مقاتل الطالبیین کے متن کے مطابق مرہ بن منقذ تحریر ہے لیکن مرحوم سید بن طاؤس کی لہوف مقتل عوالم اور بحار الانوار (۴۴/۵۴ میں منقذ بن مرہ مذکور ہے۔

چنانچہ اس بار جب آپؑ نے حملہ فرمایا تو اس ملعون نے سر راہ آپؑ پر نیزے سے حملہ کر دیا۔ اور آپؑ کو خاک پر گرا دیا۔ لشکر نے آپ کے گرد گھیرا باندھ لیا اور تلواروں سے آپؑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

بحار الانوار کی روایت کے مطابق مرہ بن منقذ نے آپ کے فرق مبارک پر ضرب لگائی جس سے آپؑ تاب و توانائی کھو بیٹھے۔ لشکر نے آپؑ پر تلواروں سے حملہ کر دیا آپؑ نے اپنے گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈال دیئے اور گھوڑا (جس کی آنکھ میں تیر لگ گیا تھا یا پھر شہزادے کا خون بہہ کر اس کی آنکھوں میں پڑ گیا تھا) دشمن کے لشکر کے درمیان میں لے گیا۔

فَقَطَّعُوْهُ بِسُيُوْفِهِمْ اِرْبًا اِرْبًا

"لشکرِ سعد نے اپنی تلواروں سے آپ کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

جب جان آپ کے گلوئے اقدس میں آن اٹکی تو آپؑ نے فریاد کی:

يَا أَبَتَاهُ هٰذَا جَدِّيْ (رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ قَدْ سَقَانِيْ بِكَاسِهِ الْاَوْفٰى شَرْبَةً لَا أَظْمَأُ بَعْدَهَا أَبَدًا وَهُوَ يَقُوْلُ: اَلْعَجَل اَلْعَجَل فَاِنَّ لَكَ كَاسًا مَذْخُوْرَةً حَتّٰى تَشْرَبَهَا السَّاعَةَ.

"بابا جان! یہ میرے جد رسولؐ خدا ہیں جو مجھے (کوثر کا) لبریز جام پلا رہے ہیں کہ میں دوبارہ کبھی پیاسا نہ ہوں، اور وہ فرماتے ہیں: جلدی کیجئے کہ تمہارے لئے جام شربت تیار ہے، اسے اسی وقت نوش کیجئے"۔

سید ابن طاؤسؒ کی روایت کے مطابق شہزادہ علی اکبرؑ نے آواز دی:

يَا أَبَتَاهُ، عَلَيْكَ السَّلَامُ ، هٰذَا جَدِّي (رَسُوْلُ اللّٰهِ) يُقْرِئُكَ السَّلَامُ وَيَقُوْلُ لَكَ: عَجِّلِ الْقُدُوْمَ عَلَيْنَا

''بابا جان خدا حافظ! یہ میرے جد رسول اللہ ہیں وہ آپؑ کو سلام کہتے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں: جتنی جلدی ممکن ہو میرے پاس آجاؤ''۔

پھر آپؑ نے فریاد بلند فرمائی اور آپ کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔

امام حسینؑ آپ کی لاش پر پہنچے اور آپؑ کے سرہانے بیٹھ کر

وَوَضَعَ خَدَّهُ عَلٰى خَدِّهٖ وَقَالَ قَتَلَ اللّٰهُ قَوْمًا قَتَلُوْكَ مَا أَجْرَأَهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَعَلَى انْتِهَاكِ حُرْمَةِ الرَّسُوْلِ عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفٰى

''اپنے چہرے کو علی اکبرؑ کے چہرے پر رکھا اور فرمایا خدا اس گروہ کو قتل کرے جس نے تمہیں قتل کیا۔ یہ لوگ خداوند قدوس اور اس کے پیغمبر کی حرمت کو توڑنے میں کس قدر بے باک ہیں۔ تمہارے بعد دنیا پر خاک''۔

''روضۃ الصفا'' میں تحریر ہے کہ امام حسینؑ اپنے جوان بیٹے کی لاش پر بلند آواز سے گریہ فرمارہے تھے، یہاں تک کہ کوئی بھی دشمن ایسا نہیں تھا جس نے آپؑ کے گریہ کی آواز نہ سنی ہو۔ (بحار الانوار: ۴۵/۴۳ لہوف/۱۱۳ مقتل خوارزمی: ۲/۳۰ نفس المہموم/۳۰۸)

جب کہ ابو مخنف رقم طراز ہیں: پس آپؑ نے اس قوم مارقین پر حملہ کر دیا اور ایک سو اسی افراد کو واصل جہنم کیا۔ ایک طرف ایک ملعون چھپا بیٹھا تھا، اس نے آپ کے سر مبارک پر آہنی عمود مارا۔ آپؑ سر کے بل زمین پر آگرے اور آپؑ نے آواز دی: بابا جان! خدا حافظ، یہ میرے جد رسول اللہ اور امیر المومنینؑ ہیں اور یہ میری جدہ فاطمۃ الزہراؑ اور خدیجۃ الکبریٰ ہیں کہ فرمارہے ہیں ''اَلْعَجَل'' ہم تمہارے دیدار کے مشتاق ہیں۔ (مقتل ابی مخنف/۱۲۷ وقائع الایام خیابانی/۳۹۸)

مرحوم واعظ قزوینی شیخ عاملی کے مقتل سے نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسینؑ علی اکبرؑ

کی لاش سے چند قدم کے فاصلے پر تھے تو آپ نے خود کو گھوڑے سے گرا دیا۔ اور زانو بہ زانو چلتے ہوئے بیٹے کی لاش پر پہنچے۔ آپؑ کی پہلی نگاہ علی اکبرؑ کی پارہ پارہ لاش پر پڑی۔ آپؑ نے دیکھا کہ ظالموں نے علی اکبرؑ کے کسی عضو بدن کو سالم نہیں چھوڑا، اور تیروں' تلواروں' نیزوں اور خنجروں سے آپ کے جسم اطہر کو چھلنی کر دیا ہے' اس کے بعد:

صَاحَ الْاِمَامُ سَبْعَ مَرَّاتٍ.

امامؑ نے سات مرتبہ فریاد بلند کی:

آہ! وَاوَلَدَاہُ ' آہ وَاعَلِیًّا وَاثَمَرَۃَ فُؤَادَاہُ ' وَلَدِیْ قَتَلُوْكَ

یَاکَوْکَبًا مَا کَانَ أَقْصَرَ عُمْرَہٗ

وَکَذَا تَکُوْنُ کَوَاکِبُ الْاَسْحَارِ

"ہائے میرے بیٹے، ہائے علی (اکبرؑ) ہائے میرے میوۂ دل! اے میرے ستارے! کتنی جلدی! تمہاری عمر ختم ہو گئی' صبح کے ستارے ایسے ہی ہوتے ہیں"۔

علی اکبرؑ اپنے بابا سے بات کیجئے۔

فَجَعَلَ یَمْسَحُ الدَّمَ عَلٰی ثَنَایَاہُ الشَّرِیْفَةِ.

"مولا حسینؑ نے اپنے دستِ مبارک سے بیٹے کے دانتوں سے خون کو صاف کیا اور علی اکبرؑ کے دانتوں کو بوسے دینا شروع کئے"۔ پھر فرمایا:

فَاِذَا نَطَقْتُ فَاَنْتَ مَنْطِقِیْ، وَاِذَا سَکَتُّ فَأَنْتَ فِیْ مِضْمَارِیْ وَلَدِیْ وَلَدِیْ وَلَدِیْ فَوَضَعَ خَدَّہٗ عَلٰی خَدِّہٖ وَقَالَ: أَمَّا أَنْتَ فَقَدِ اسْتَرَحْتَ مِنْ هَمِّ الدُّنْیَا وَغَمِّهَا وَصِرْتَ اِلٰی رَوْحٍ وَرَاحَةٍ وَبَقِیَ أَبُوْكَ فَرِیْدًا وَحِیْدًا وَمَا أَسْرَعَ لُحُوْقِیْ بِكَ.

"جب میں بات کروں گا تو تو میرا وردِ زبان ہوگا اور جب میں سکوت کروں گا تو تو میرا نقشِ دل ہوگا۔ میرے بیٹے! میرے بیٹے! میرے بیٹے

! میرے بیٹے! پھر چہرۂ مبارک کو علی اکبرؑ کے چہرے پر رکھا اور فرمایا:
تمہیں دنیا کے رنج وغم سے راحت مل گئی اور تم رحمتِ خدا کی طرف اور بہشت کی جانب چل دیئے لیکن تمہارا باپ یکہ وتنہا ہے۔ جلد ہی میں بھی تمہارے پاس آنے والا ہوں"۔ (ریاض القدس: ۲/۲۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام آپ کی زیارت میں فرماتے ہیں:

بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ مِنْ مَذْبُوْحٍ وَمَقْتُوْلٍ مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّيْ دَمُكَ الْمُرْتَقٰى بِهٖ إِلٰى حَبِيْبِ اللّٰهِ، بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّي مِنْ مُقَدَّمٍ بَيْنَ يَدَيْ أَبِيْكَ، يَحْتَسِبُكَ وَيَبْكِيْ عَلَيْكَ، مُحْتَرِقاً عَلَيْكَ قَلْبُهٗ، يَرْفَعُ دَمَكَ بِكَفِّهٖ إِلٰى أَعْنَانِ السَّمَاءِ، لَا يَرْجِعُ مِنْهُ قَطْرَةٌ، وَلَا تَسْكُنُ عَلَيْكَ مِنْ أَبِيْكَ زَفْرَةٌ

"اے کٹے سر والے اور بے جرم مقتول میرے ماں باپ آپؑ پر قربان کہ آپؑ کا خون حبیبِ خدا تک بلندی پر پہنچ گیا۔ میرے ماں باپ آپؑ پر قربان کہ آپؑ اپنے باپ کے سامنے میدانِ جنگ میں گئے اور انہوں نے آپؑ کو راہِ خدا میں فدیہ کیا۔ آپؑ پر گریہ فرمایا، دل سوزی کی اور آپؑ کے خون کو خود اپنے ہاتھ سے آسمان کے دل پر چھڑک دیا۔ جس سے ایک قطرہ بھی واپس نہیں آیا اور آپ کے بابا کی آپؑ کے لئے نالہ زاری ختم نہیں ہوئی۔ (کامل الزیارات/۲۳۹ ب ۹۷ اٹھارہویں زیارت سے اقتباس)

روایت میں ہے کہ جب علی بن الحسینؑ کربلا میں شہید ہو گئے تو امام حسینؑ جب پہنے اور دونوں طرف لٹکے ہوئے عمامے کے ساتھ ان کے سرہانے پہنچے اور فرمایا:

أَمَّا أَنْتَ يَا بُنَيَّ فَقَدِ اسْتَرَحْتَ مِنْ كَرْبِ الدُّنْيَا وَغَمِّهَا وَمَا أَسْرَعَ اللُّحُوْقَ بِكَ.

"اے میرے بیٹے! تجھے دنیا کے رنج وغم سے نجات مل گئی اور میں بھی جلد

ہی تجھ سے ملنے والا ہوں''۔(منتخب طریحی:۲/۳۱۵م۹)

چون علی اکبرؑ شہیدِ کربلا
نور چشم انبیاء و اولیاء
دیدگان سلطان اقلیم وجود
خالقِ جان مالکِ غیب و شہود
مانده ہمچون ذات خود فرد و وحید
جملہ اصحابش ز تیغ کین شہید
شستہ دل یکجا ز نقش ماسوئی
دل ندارد باکس غیر خدا

سید بن طاؤس تحریر کرتے ہیں: پس امام حسینؑ نے گھوڑا منگوایا اور تیزی کے ساتھ لشکر کی صفوں کو چیرتے 'لوگوں کو ہٹاتے 'علی اکبر علیؑ اکبرؑ کہتے، جب ان کے سرہانے پہنچے تو گھوڑے سے اتر آئے، بیٹے کو سینے سے چمٹالیا اور اپنا چہرۂ مبارک ان کے چہرے پر رکھا۔علی اکبرؑ نے آنکھ کھولی اور عرض کیا: پدر بزرگوار! میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور حوران جنت نازل ہو رہی ہیں، ان کے ہاتھوں میں شربت سے لبریز جام ہیں اور وہ مجھے اپنی طرف بلا رہی ہیں۔اب جب کہ میں ان کی طرف عازم سفر ہوں 'میں چاہتا ہوں کہ یہ بے یارو مددگار بیبیاں میرے سوگ میں اپنے چہرے نہ نوچیں۔ یہ کہا اور خاموش ہو گئے۔(ناسخ التواریخ:۲/۳۵۵)

امام عالی مقامؑ اس جواں مرگ کے سرہانے بیٹھ گئے۔آپؑ اس داغِ مفارقت سے خاک نشین اور دل سوز تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔آپؑ کا سینہ غم سے لبریز تھا، اعضاء و جوارح شکستہ حال تھے اور استخوان لرزہ براندام تھے۔دل دنیا سے بھر چکا تھا۔روز روشن آپؑ کی نظروں میں شب تار بن چکا تھا۔آپؑ جان سے سیر اور زندگی سے دل برداشتہ ہو چکے تھے۔کبھی صدا بلند کرتے تھے۔کبھی کچھ پوچھتے تھے لیکن کچھ جواب نہ ملتا تھا۔کبھی علی اکبرؑ کے قاتل پر نفرین کرتے تھے، کبھی ان کے لب و دندان سے خون صاف کرتے تھے' کبھی

اپنا چہرہ ان کے زخموں پر ملتے تھے۔ کبھی فرماتے تھے: تو نے بوڑھے باپ کو تنہا چھوڑ دیا، یا کہتے تھے: میں بھی بہت جلدی تم تک پہنچنے والا ہوں۔ جوانانِ بنی ہاشم نے علی اکبرؑ کے گرد حلقہ ماتم باندھ لیا' انہوں نے گریبان چاک کر لئے اور اپنے سینوں کو زخمی کر لیا۔

حمید بن مسلم کہتا ہے: میں نے آفتاب کی طرح روشن چہرے والی ایک خاتون کو دیکھا۔ وہ نہایت بے تابی سے خیمہ سے دوڑتی ہوئی باہر نکلیں اور فریاد و واویلا کرتے ہوئے کہنے لگیں: اے اخیار کی آنکھوں کے نور اور میرے میوۂ دل اور نورِ چشم! پھر اس شہزادہ کے جسدِ مطہر پر گر گئیں۔

میں نے پوچھا: یہ خاتون کون ہیں؟ جواب ملا زینبؑ بنت علیؑ ہیں۔ پس آنحضرتؑ نے بہن کا ہاتھ پکڑا اور انہیں خیمے کی طرف واپس لے کر چلے۔ اس وقت جوانوں پر نگاہ ڈالی اور فرمایا: "اِحْمِلُوْا أَخَاكُمْ"۔ اپنے بھائی کو سنبھالو۔ شہزادہ علی اکبرؑ کی لاش کو قتل گاہ سے اٹھا کر ایک خیمے میں لایا گیا۔ (بحار الانوار: ۴۵/۴۴ جلاء العیون/۴۰۶)

شیخ مفیدؒ نقل فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کی بہن زینبؑ خیمے سے دوڑتی ہوئی باہر آئیں اور فریاد بلند کی:

يَا أُخَيَّاهُ وَابْنَ أُخَيَّاهُ.

"اے میرے بھائی اور اے میرے بھائی کے بیٹے!"

پھر بے تابی سے اپنے آپ کو لاش علی اکبرؑ پر گرا دیا۔

امام حسینؑ نے بہن کے سر کو اٹھایا اور انہیں واپس خیمہ کی طرف لے کر چلے، اور اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کو اٹھا لاؤ۔ جوانانِ بنی ہاشم پہنچے، علی اکبرؑ کو اٹھایا اور جس خیمے کے نزدیک جنگ ہو رہی تھی اس میں لا کر زمین پر لٹا دیا۔ (ارشاد: ۲/۱۱۰)

عمارہ بن واقد کہتا ہے: میں نے اس حال میں ایک بی بی کو دیکھا جو خیام حسینی سے باہر آئی اور ندا کی:

وَا وَلَدَاهُ، وَمُهْجَةَ قَلْبَاهُ، يَا لَيْتَنِي كُنْتُ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ

عَمْيَاءَ، اَوْ كُنْتُ وُسِدْتُ تَحْتَ أَطْبَاقِ الثَّرىٰ۔

''اے میری ماں کے پیارے! کاش میں اس سے پہلے اندھی ہو چکی ہوتی یا مرچکی ہوتی اور آپ کی اس حالت کو نہ دیکھتی''۔

جب وہ اس لاش کے نزدیک پہنچی تو خود کو اس کے اوپر گرا دیا۔ سید الشہداؑ تشریف لائے اپنی عبائے مبارک اس کے سر پر ڈالی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر خیمے کی طرف لے گئے (مہیج الاحزان ۱۰۲/۲۱۵)

بعض معتبر کتابوں میں شیخ مفیدؒ سے روایت ہے اور انہوں نے اپنی اسناد کے ساتھ جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ جب علیؑ بن الحسینؑ شہید ہو گئے تو امامؑ گریہ و نالہ بلند کرتے ہوئے خیمے میں پہنچے۔ آپؑ پر مایوسی کی حالت چھائی ہوئی تھی کہ اتنے میں شہزادی سکینہؑ نے آ کر عرض کیا:

مَالِيْ أَرَاكَ تَنْعىٰ نَفْسَكَ وَتُدِيْرُ طَرْفَكَ أَيْنَ أَخِيْ عَلِيٌّ

''آپؑ کو کیا ہو گیا ہے؟ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپؑ کی روح پرواز کرنے والی ہے اور جان نکلنے والی ہے۔ پھر شہزادی نے ادھر ادھر دیکھا اور فرمایا: میرے بھائی علی اکبرؑ کہاں ہیں''۔

امام عالی مقامؑ نے فرمایا: ان لعینوں نے انہیں قتل کر دیا۔ سکینہؑ یہ خبر سن کر فریاد کرنے لگیں: ''وَاأَخَاهُ وَامُهْجَةَ قَلْبَاهُ'' یہ کہتے ہوئے شہزادی باہر نکلی اور چاہتی تھی کہ خیمے سے باہر چلی جائے لیکن امامؑ نے منع فرمایا اور کہا: اے سکینہ!

اِتَّقِیْ اللّٰهَ وَاسْتَعْمِلِیْ الصَّبْرَ

''تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو''

شہزادی نے کہا:

يَا أَبَتَاهُ كَيْفَ تَصْبِرُ مَنْ قُتِلَ أَخُوْهَا وَشُرِّدَ أَبُوْهَا۔

''بابا جان! وہ کس طرح صبر کرے، جس کے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہو اور

جس کا باپ بے حال ہو گیا ہو"۔

امامؑ نے فرمایا:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (مہیج الاحزان ۳۱۶ وقائع الایام خیابانی ۳۲)

شیخ صدوقؒ حاجب ابن زیاد سے نقل فرماتے ہیں:

کہ جب سرِ حسینؑ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے طلائی طشت میں رکھ کر میرے پاس رکھو۔ پھر اس نے آپؑ کے دندان مبارک پر چھڑی مارتے ہوئے کہا:

"اے ابا عبداللہ! آپ کتنی جلدی بوڑھے ہو گئے"۔ (امالی صدوق/۱۶۵م ۳۱ ح ۳)

اور کہا جاتا ہے کہ حضرت زینب کبریٰؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: اے ابن زیاد! میرا بھائی بوڑھا نہ ہوتا لیکن علی اکبرؑ کے داغِ مفارقت نے اسے بوڑھا کر دیا۔

قَالَ ابْنُ اَبِیْ لَیْلٰی لِلصَّادِقِ عَلَیْهِ السَّلَامُ : أَیُّ شَیْئٍ اَحْلٰی مِمَّا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ؟ فَقَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلْوَلَدُ الشَّابُ فَقَالَ أَیُّ شَیْءٍ أَمَرُّ مِمَّا خَلَقَ اللّٰهُ؟ فَقَالَ : فَقْدُهٗ. فَقَالَ : اَشْهَدُ اَنَّکُمْ حُجَجُ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ.

"ابن ابی لیلیٰ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: خدائے عزوجل کی مخلوقات میں سے کون سی شے سب سے میٹھی ہے؟ امام نے فرمایا: جوان بیٹا۔ اس نے عرض کیا: خدا کی مخلوقات میں سے سب سے تلخ چیز کون سی ہے؟

امامؑ نے فرمایا: اس جوان کو کھو دینا۔ پس اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ لوگوں کے لئے حجتِ خدا ہیں۔ (من لا یحضرہ الفقیہ ۱۷۸/۱ ح ۵۶۹ ا:۵۶۹/۱۸۸)

شیخ محمد مہدی مازندرانی نے شہزادہ علی اکبرؑ کی شہادت کے بارے میں بہت نفیس مطالب بیان فرمائے ہیں، ہم انہیں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

(۱) جب علی اکبرؑ میدانِ جنگ میں جانے لگے تو امام حسینؑ نے عمر سعد سے خطاب فرمایا:

قَطَعَ اللّٰهُ رَحِمَكَ ...... كَمَا قَطَعْتَ رَحِمِي.

"خدا تیرے رحم کو قطع کرے جس طرح تو نے ہم سے قطع رحم کیا"۔

کیونکہ عمر سعد علی اکبرؑ کی والدہ جناب اُم لیلیٰ کی خالہ کا بیٹا تھا اور آپ سے رشتہ داری رکھتا تھا (عمر سعد نے کربلا سے واپسی پر یہی مفہوم ابن زیاد سے بیان کیا)

میں نے اپنے رحم کو قطع کیا اور اپنے دشمن سے مل کر اپنے پروردگار کی مخالفت کی۔

بعض اہلِ منبر کلام امام کا اس طرح ترجمہ کرتے ہیں: چونکہ تو نے میری نسل کو قطع کیا اس لئے تمہاری (ہی) نسل قطع ہوگی۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ امام حسینؑ کی نسل تاابد قطع نہ ہوگی اور آپؑ کی نسل سے انوارِ حسینی، سادات، کثرت کے ساتھ روئے زمین پر آباد ہوں گے۔ جب کہ اس سے (حقیقی) مراد یہ ہے کہ تو نے مجھ سے قطع رحمی کی خدا تجھ سے قطع تعلق کرے۔

(۲) مقاتل میں مذکور ہے:

اِحْتَمَلَهُ الْفَرَسُ اِلٰى مُعَسْكَرِ الْاَعْدَاءِ.

کلمہ "احتمل" چونکہ باب افتعال میں سے ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شہزادہ علی اکبرؑ تلوار کے زخموں کی کثرت کے سبب سکت نہ رکھتے تھے کہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھ سکتے اور گھوڑے نے آپؑ کو بڑی مشکل سے اٹھا رکھا تھا۔ جب آپ کی گردن سے بہنے والا خون گھوڑے کے چہرے اور آنکھوں میں گرا تو وہ آپؑ کو دشمن کے لشکر میں لے گیا، اور ان لعینوں نے اپنی تلواروں سے آپ کو پارہ پارہ کردیا۔ اب گھوڑے میں طاقت نہیں رہی تھی اور اس نے آپ کو زمین پر گرادیا۔

(۳) اس مظلومؑ کی زیارت کی حسب ذیل عبارت ہے:

يَرْفَعُ دَمَكَ بِكَفِّهِ اِلٰى عِنَانِ السَّمَاءِ.

"یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ امام عالی مقامؑ نے آپ کا خون آسمان کی طرف اچھال دیا"۔

(۴) جس وقت عمر سعد نے اپنے لشکر کو شہزادہ علی اکبرؑ سے جنگ کا حکم دیا تو اہل کوفہ میں سے کچھ لوگوں نے اس ملعون کو سرزنش کی اور کہا: تو ہمیں اس شخص سے جنگ کا حکم دے رہا ہے جو ہم شکل رسولؐ ہے اور ان میں سے کچھ نے سید الشہداء کی اس بڑی مصیبت کے لئے آپؑ کے حال زار پر گریہ کیا۔

(۵) بعض تحریر کرتے ہیں کہ حضرت زینبؑ عالیہ شہزادہ علی اکبرؑ کے سرہانے اپنے بھائی کے پاس آئیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اگر امام حسینؑ علی اکبرؑ کو اسی طرح دیکھتے رہے تو روح ان کے بدن سے پرواز کر جائے گی اور علی اکبرؑ کی شہادت کا داغ انہیں مار ڈالے گا لہٰذا حضرت زینبؑ چاہتی تھیں کہ اپنے بھائی کو اپنے ساتھ مشغول گفتگو کریں تا کہ وہ زندہ رہ سکیں۔

(۶) جب سکینہؑ نے دیکھا کہ ان کے بابا کی حالت جان نکلنے کے قریب ہے تو فرمایا: (اَیْنَ اَخِی عَلِی) "میرے بھائی علیؑ کہاں ہیں؟" ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میرے ہم شکل رسولؐ بھائی کہاں ہیں جن پر نگاہ ڈالنے سے میرے بابا کے تمام رنج و غم زائل ہو جاتے ہیں۔ اب وہ کہاں ہیں کہ ان پر بابا کی نظر پڑے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا: ذلیلوں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔

(۷) شیخ جعفر شوشتریؒ کہتے ہیں کہ شہزادہ علی اکبرؑ کی شہادت کے وقت امام حسینؑ تین مرتبہ قریب المرگ ہوئے:

اول: جب شہزادہ علی اکبرؑ اپنے بابا کے سامنے آئے اور اجازت مانگی تو آنحضرت نے آپ کو اجازت دی اور جنگی لباس پہنایا اور مسلح کر کے عقاب نامی گھوڑے پر سوار کرایا۔ مخدرات عصمت خیموں سے باہر آ گئیں اور شہزادے کے گرد جمع ہو گئیں۔ پھوپھیوں اور بہنوں نے علی اکبرؑ کے گھوڑے کی لگاموں کو پکڑ لیا اور انہیں میدانِ جنگ میں جانے سے روکنے لگیں۔ (یہ منظر دیکھ کر) امام مظلومؑ کی حالت دگرگوں ہو گئی، نزدیک تھا کہ آپؑ کی جان نکل جائے۔ آپؑ نے آواز بلند کی: اسے جانے دو:

فَاِنَّهٗ مَمْسُوْسٌ فِیْ اللّٰهِ وَمَقْتُوْلٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

''کہ وہ (عشق) خدا میں غرق ہے اور راہِ خدا میں قتل ہوگا''۔

پس آپ نے شہزادے کے ہاتھ کو پکڑا اور انہیں خواتین کے درمیان سے باہر نکالا' پھر ان پر مایوسانہ نگاہ ڈالی۔

دوم: جس وقت شہزادہ علی اکبرؑ زخموں سے چور چور میدانِ جنگ سے لوٹے تو ان کی زرہ کے حلقوں میں سے خون جاری تھا اور گرمی اور پیاس سے برا حال تھا۔ اس حال میں امامؑ کے پاس پہنچ کر کہا:

يَا أَبَهْ اَلْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِي.

''اے بابا جان! پیاس نے مجھے قتل کر دیا''۔

امامِ مظلومؑ نے اپنے جوان بیٹے کو سینے سے چمٹایا اور گریہ فرمانے لگے: نزدیک تھا کہ رنج وغم کی شدت سے آپؑ کی روح پرواز کر جائے، کیونکہ آپ اپنے بیٹے کی پیاس نہ بجھا سکے تھے۔

سوم: جب شہزادہ علی اکبرؑ فرش زمین پر گرے اور فریاد بلند کی: بابا جان! خداحافظ جناب سکینہؑ فرماتی ہیں: جب میرے بابا نے ان کی آواز سنی تو قریب تھا کہ آپ مرجاتے۔ قریب المرگ شخص کی طرح آپ کی آنکھوں کی پتلیاں پھر گئیں۔ آپ نے اطراف خیمہ پر نگاہ ڈالی اور نزدیک تھا کہ آپ کی روح جسد مبارک سے پرواز کر جائے۔ خیموں میں آواز پہنچی: میرے بیٹے جنہوں نے تجھے قتل کیا خدا انہیں قتل کرے۔ جب حضرت زینبؑ نے یہ آواز سنی تو فریاد کی:

يَا حَبِيبَ قَلْبَاهُ وَاثَمَرَةَ فُؤَادَاهُ

''کاش میں اس دن سے پہلے اندھی ہوگئی ہوتی۔ تمام مستورات مل کر نالہ وفریاد کرنے لگیں''۔

امامؑ نے ان سے فرمایا: خاموش ہو جاؤ' تمہیں ابھی بہت سے مقامات پر رونا ہے۔

(۸) ناسخ التواریخ میں مذکور ہے کہ امام حسینؑ نے گھوڑے کو دوڑایا۔ آپؑ دشمن کے لشکر کی صفوں کو چیرتے ہوئے اور لوگوں کو پراگندہ کرتے ہوئے مسلسل فریاد بلند کر رہے تھے:

"وَلَدِیْ عَلِی" اے میرے بیٹے علی اکبرؑ (اس کے بعد کی روایت قبل ازیں مذکور ہو چکی ہے)۔

(۹) مرحوم شیخ حسین بحرانی اپنی کتاب الفوادح الحسینیہ میں اس طرح رقم طراز ہیں:

جب حضرت علی اکبرؑ نے مبارزہ طلبی فرمائی تو ایک شخص نے بھی ان سے جنگ کرنے کی جرأت نہ کی ابن سعد ملعون نے طارق بن کثیر کو بلایا اور اس سے کہا: ابن زیاد سے انعام وصول کرنے کے لئے اس جوان سے جنگ کرو اور اس کا سر اتار کر میرے پاس لاؤ۔

اس ملعون نے کہا: تو نے ابن زیاد سے "رے" کی سلطنت حاصل کی، میں اس جوان سے اس شرط پر جنگ کروں گا کہ تم اس سے میرے لئے موصل کی امارت طلب کرو۔ عمر سعد نے یہ بات قبول کی اور اپنی انگوٹھی اس کے پاس (بطور ضمانت) گروی رکھ دی۔

طارق آپؑ سے جنگ کے لئے نکلا' دونوں میں مقابلہ ہوا' آپ نے اسے بھرپور وار کا نشانہ بنایا اور قتل کر دیا۔ پھر اس کا بھائی آپ سے جنگ کے لئے آیا شہزادہ علی اکبرؑ نے اس کی آنکھوں پر تلوار کا وار کیا اور اسے بھی قتل کر دیا۔ آپؑ کے مبارزہ پر کسی کو باہر آنے کی جرأت نہ تھی۔ یہاں تک کہ عمر سعد نے بآواز بلند کہا: کیا کوئی بھی نہیں جو اس سے جنگ کرے؟ بکر بن غانم آپؑ کی طرف بڑھا جب وہ ملعون آپؑ سے عازم جنگ ہوا تو امام عالی مقامؑ کے چہرے کا رنگ اتر گیا۔ علی اکبرؑ کی ماں لیلیٰ نے عرض کیا: کیا میرا بیٹا قتل کر دیا گیا۔ امامؑ نے فرمایا: نہیں۔ لیکن جو شخص علی اکبرؑ سے جنگ کے لئے آیا ہے میں اس سے ڈر رہا ہوں۔ جاؤ اپنے بیٹے کے لئے دعا کرو کیونکہ میں نے رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ ماں کی دعا بیٹے کے حق میں مستجاب ہوتی ہے۔

لیلیٰ نے خیمے کے اندر اپنے سر سے چادر اتار دی اور اپنے جوان بیٹے کے لئے دعا کی اور بکر پر لعنت فرمائی۔ حضرت علی اکبرؑ نے نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ بکر کی بغل کے نیچے زرہ میں سوراخ ہے۔ آپؑ نے اس جگہ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کو دو ٹکڑے کر دیا اور وہ واصلِ جہنم ہوا۔

ایک اور روایت میں ملتا ہے کہ جناب لیلیٰ نے اس طرح دعا کی:

یَارَادَّ یُوْسُفَ عَلٰی یَعْقُوْبَ مِنْ بَعْدِ الْفِرَاقِ، وَجَاعِلَهٗ فِی الدَّهْرِ

مَسْرُوْرًا، وَيَارَادَّ اِسْمَاعِيْلَ اِلٰی هَاجَرَ، اِلٰهِی بِعَطَشِ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ، اِلٰهِیْ بِغُرْبَةِ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ، اُمْنُنْ عَلَیَّ بِرَدِّ ابْنِی۔

''اے وہ ہستی کہ جس نے یوسفؑ کو بعد از فراق یعقوبؑ سے ملا دیا اور ان کی زندگی مسرور ہوگئی' اور اے وہ ہستی کہ جس نے اسماعیلؑ کو ہاجرہ کو لوٹا دیا، پروردگار ! ابا عبداللہ الحسینؑ کی غربت اور تشنگی کا واسطہ میرا بیٹا بحفاظت مجھے لوٹا دے''۔

(۱۰) حجۃ الاسلام محمد اشرفی نقل کرتے ہیں کہ جب شہزادہ علی اکبرؑ شہید ہوگئے تو جناب لیلیٰ ننگے پاؤں خیمے سے نکلیں اور فریاد کی ''وَاوَلَدَاہ'' ہائے میرا بیٹا۔

اس کی تائید میں بعض معتبر کتابوں میں ملتا ہے کہ جب شہزادہ علی اکبرؑ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔تو آپ کی والدہ جناب لیلیٰ خیمے کی چوب کو پکڑے۔آپؑ کو دیکھ رہی تھیں۔

(۱۱) کچھ کتابوں میں ایک شخص سے حقائق مذکور ہیں' وہ کہتا ہے: میں اونٹ پر سوار مدینہ کے گلی کوچوں میں پھر رہا تھا' جب میں محلہ بنی ہاشم میں پہنچا تو میں نے ایک گھر سے جاں سوز گریہ و نالہ کی فریاد سنی میں سمجھ گیا کہ ایک عورت اس طرح فریاد کر رہی ہے' جیسے وہ اپنے بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھی ہو۔نالہ و فریاد اس قدر تھے کہ انہیں سن کر میرا اونٹ بھی اپنی تاب و توانائی کھو بیٹھا۔

میں اونٹ سے اُتر آیا اور کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا کہ کوئی گھر سے نکلے تو میں اس سے سوال کروں۔ایک کنیز گھر سے باہر نکلی۔میں نے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے؟اس نے کہا یہ امام حسینؑ کا گھر ہے' جو شہید ہو چکے ہیں۔

میں نے پوچھا: یہ رونے والی عورت کون ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ علی اکبرؑ کی ماں لیلیٰ ہے' جو صبح و شام اپنے بیٹے کے لئے گریہ کناں رہتی ہے۔(معالی السبطین :۱/۲۵۳تا۲۵۶)

کیا علی اکبرؑ کی ماں لیلیٰ کربلا میں موجود تھیں؟

مرحوم محدث قمی تحریر کرتے ہیں: مادر علی اکبرؑ کربلا میں موجود تھیں یا نہیں تھیں، اس بارے

میں کوئی معلومات نہیں ملتیں۔(نفس المہموم/۳۱۵)

یقیناً ان کی مراد یہ ہے کہ کوئی معتبر ثبوت نہیں ملتا۔اسی طرح کا تذکرہ منتہی الآمال میں کیا گیا ہے۔لیکن بعض کتب مقاتل میں یہ وضاحت موجود ہے کہ جناب لیلیٰ کربلا میں موجود تھیں۔ مجھ حقیر کی رائے میں جناب لیلیٰ کی کربلا میں موجودگی کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ چونکہ امام حسینؑ پورے خاندان کو عورتوں اور بچوں کو اپنے ہمراہ مکہ اور وہاں سے کربلا لے گئے تھے' اس بنا پر اگر کہا جائے کہ امامؑ کی ایک بیوی کربلا میں نہیں تھیں تو اس کا ثبوت پیش کرنا ہوگا۔اور اگر لیلیٰ مدینہ یا مکہ میں رہ گئی تھیں تو پھر مورخین اس بات کا تذکرہ کرتے۔لیکن اگر کوئی کہتا ہے کہ لیلیٰ سانحہ کربلا سے پہلے فوت ہو چکی تھیں تو وہ قائل نہیں کر پاتا' اور اگر کسی نے ایسا کہا ہے تو یہ شاذ و نادر قول ہے۔ خطیب عالی قدر مرحوم سید مرتضیٰ جو کہ مقتل میں خصوصی تبحر رکھتے تھے' اس بات کے معتقد تھے کہ جناب لیلیٰ کربلا میں موجود تھیں۔اور انہوں نے اس ضمن میں پچیس معتبر منابع اور مآخذ سے ثبوت پیش کئے ہیں۔ابن شہر آشوب لکھتے ہیں: جب حضرت علی اکبرؑ خیمے میں واپس تشریف لے گئے تو ان کی والدہ نے انہیں دیکھا' لیکن ان کے پاس نہ بیٹھیں۔البتہ انہوں نے آپؑ کی ماں کا نام شہر بانو تحریر کیا(مناقب:۴/۱۰۹)

معالی السبطین میں منقول ہے کہ امام حسینؑ کے کہنے پر جناب لیلیٰ نے علی اکبرؑ کے لئے دعا فرمائی اور خداوند قدوس سے ان کی خیریت سے واپسی کے لئے التجا کی۔اور اس مفہوم کی تائید تمام مورخین اور مقتل نویسوں کے اس اتفاق سے ہوتی ہے کہ جناب علی اکبرؑ جنگ کو چھوڑ کے خیام میں واپس تشریف لائے تھے اور یہ بات آپ کی شہادت کے شوق فراواں سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتی۔ناچار ہمیں کہنا پڑے گا کہ یہ ماں کی دعا ہی تھی جس کے سبب آپ خیام کی طرف لوٹے۔

اور اگر یہ عظیم خاتون کربلا میں موجود تھیں تو جب انہوں نے اپنے بیٹے کو خون میں غلطاں دیکھا ہوگا تو ان کے دل پر کیا گزری ہوگی!

ابو بصیر امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ

maablib.org

انہوں نے فرمایا:

(جس طرح مشہور داستان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر مامور ہوئے اور آپ نے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری رکھی، ابھی گلا کٹا نہیں تھا کہ آپ سے یہ ماموریت اٹھالی گئی)

جب ابراہیم نے سارہ کو اس واقع سے آگاہ کیا تو سارہ اٹھیں تو اور اپنے بیٹے کے زیر گلو چھری کے اثر کو ملاحظہ کیا۔

فَفَزِعَتْ وَاشْتَكَتْ وَكَانَ بَدْءُ مَرَضِهَا الَّذِىْ هَلَكَتْ فِيْهِ

''پس وہ ڈر گئیں اور مریض ہو گئیں' اور یہ اس بیماری کا آغاز تھا جس کے سبب آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئیں''۔ (کافی ۴/۲۰۹ باب حج' ابراہیم اسماعیلؑ ح ۹' بحار الانوار: ۱۲/۱۲۸)

(اس روایت میں شاید ہاجرہ کے بجائے سارہ مذکور ہے۔ مترجم)

یہ بھی منقول ہے کہ جناب عبدالمطلب نے کعبہ کے نزدیک کھڑے ہو کر دعا مانگی کہ اگر خدا انہیں دس بیٹے عطا کرے گا تو وہ ان میں سے ایک کو حج کے موسم میں منیٰ کے مقام پر قربان کر دیں گے۔ جب انہیں اللہ نے دس بیٹے عطا کئے تو انہوں نے چاہا کہ ان میں سے ایک کو راہِ خدا میں قربان کر دیں۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور ان سے فرمایا: اپنی اپنی ماؤں کے پاس جاؤ اور انہیں آگاہ کرو کہ میں نے اس طرح کی منت مانی تھی اور ان سے کہو کہ تمہیں سجائیں' سنواریں' تمہاری آنکھوں میں سرمہ ڈالیں اور تم ان سے وداع کر آؤ' ایسا وداع کہ جس کے بعد کوئی واپس نہیں لوٹتا۔

جب انہوں نے اپنی ماؤں کو اطلاع دی تو ان کے گھروں سے نالہ وشیون کی صدائیں بلند ہوئیں اور صبح ہونے تک گریہ ہوتا رہا۔ اور یہ رات عبدالمطلب کی بیویوں اور بیٹیوں پر بہت بھاری تھی خصوصاً جناب عبداللہ کی ماں نے سب سے زیادہ گریہ کیا۔ کیونکہ وہ اپنے بیٹے سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں اور اس وقت جناب عبداللہ کی عمر گیارہ سال تھی۔

جب صبح نمودار ہوئی تو جناب عبدالمطلب نے حضرت آدم علیہ السلام کی ردا زیب دوش کی۔ جناب شیثؑ کے نعلین پہنے اور حضرت سلمانؑ کی انگوٹھی انگلی میں پہن کر ایک تیز خنجر ہاتھ میں لیا اور اپنے بیٹوں کو طلب کیا۔ وہ تمام کے تمام فاخرہ لباس پہنے آپ کی خدمت میں پہنچے سوائے حضرت عبداللہ کے کہ جن کی ماں فاطمہ اس بات پر راضی نہیں ہوئی تھیں، کیونکہ وہ قربانی کے لئے شائستہ تر سمجھے گئے۔ اور کہا گیا کہ ان کے نام کا قرعہ نکلا ہے۔ جناب عبدالمطلب فاطمہ کے گھر پہنچے اور دیکھا کہ عبداللہ نے اپنا سر اپنی ماں کے سینے پر رکھا ہوا ہے اور ماں نے انہیں سینے سے چمٹا رکھا ہے۔ جناب عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں گھر سے باہر لے آئے۔ ماں نے استغاثہ بلند کیا: اور کہا آپ کس طرح راضی ہو گئے ہیں کہ ایسے فرزند کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنا چاہتے ہیں؟ عبداللہ نے اپنی ماں سے اجازت طلب کی اور باپ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: کاش میں اس سے پہلے مر گیا ہوتا اور یہ حالت نہ دیکھتا۔

جناب عبدالمطلب بے تاب ہو گئے اور زار و قطار گریہ کرنے لگے عبداللہ نے کہا: اے والدہ گرامی اگر خداوند کریم مجھے بطور قربانی قبول کر لیتا ہے تو زہے سعادت اور اگر کسی دوسرے کو ممتاز کرتا ہے تو آپ کو مجھ پر ہزار مرتبہ غم و تاسف کرنا چاہیے۔ ناچار وہ مان گئیں: جب چند قدم چلے تو جناب فاطمہ نے صدا دی: اے میرے بیٹے چونکہ مجھے تمہارے واپس لوٹنے کی کوئی امید نہیں ہے لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ ایک دفعہ پھر تمہیں گلے لگاؤں اور تمہیں وداع کروں۔

دوستو! علی اکبرؑ کے وداع کے وقت امام حسینؑ اور جناب لیلیٰ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ جب علی اکبرؑ نے چاہا کہ میدانِ جنگ میں جائیں تو ماں نے ان کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے اور ان کے چہرے کو چوما۔ ان کی آنکھوں میں سرمہ لگایا، بالوں میں کنگھا کیا اور پھر بے ہوش ہو کر گر گئیں۔

لکھا ہوں سایۂ ہم شکلِ پیغمبرؐ کا روپ
سب جوانوں کی جوانی سایۂ اکبرؑ کے نام
(مظہر عباس)

maablib.org

حمید بن مسلم کہتا ہے: جب جناب علی اکبرؑ میدان کی طرف جانے لگے تو امام حسینؑ حرم سے باہر نکلے۔ اپنے دونوں ہاتھ ان کی کمر میں ڈالے اور فرمایا: ہائے انصاف حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی۔ پھر آپؑ نے اپنے چہرے کو آسمان کی جانب بلند کیا۔ آپؑ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ آپؑ نے ایسی آہ غم بھری کہ زمین لرزہ براندام ہوگئی۔

حمید کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ آنحضرتؑ غم کی شدت سے کبھی بیٹھ جاتے تھے اور کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے فرماتے تھے: خدایا! گواہ رہنا کہ میں نے علیؑ کو اپنے نانا کی امت پر قربان کر دیا۔

جناب عبداللہ اپنے باپ کے ساتھ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے تو قریش کے تمام مرد اور عورتیں مسجد الحرام میں جمع ہو چکے تھے۔ عبدالمطلب نے اپنی اولاد کو کعبے میں جمع کیا اور فرمایا: اے خانہ کعبہ اور حرم کے پروردگار اور اے خداوند مقام و زم زم میں اپنے تمام بیٹوں کو تمہاری بارگاہ میں لے آیا ہوں تو ان میں سے جس کو چاہے قبول فرمالے۔ ان میں سے ہر ایک کا نام ایک تیر پر لکھا اور خانہ کعبہ کے خادم کو دیا' پھر فرمایا: میرے بیٹوں کو خانہ کعبہ میں داخل کرو اور قرعہ اندازی کرو اور جس کا نام نکلے اس کی گردن میں چادر ڈال کر باہر لے آنا۔

حاضرین نے صدائے گریہ وشیون بلند کی۔ جب خادم کعبہ عبداللہ کے گلے میں چادر ڈالے انہیں خانہ کعبہ سے باہر لایا تو عبداللہ کا رنگ زردی مائل ہوگیا تھا اور وہ وفور شوق سے لرز رہے تھے۔

عبدالمطلب یہ خبر سن کر بے ہوش ہوگئے اور حضرت عبداللہ کے بھائی بھی گریہ کرتے ہوئے خانہ کعبہ سے باہر نکلے۔ جناب ابو طالبؑ "جو حضرت عبداللہ کے مادری بھائی تھے' سب سے زیادہ گریہ فرما رہے تھے۔

جب حضرت عبدالمطلب کو ہوش آیا تو ان کے کانوں میں قریش کے مردوں اور عورتوں کے گریہ کی آواز پہنچی۔ جناب عبداللہ کی ماں فاطمہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر میں خاک ڈال رہی تھیں اور اپنے چہرے کو نوچ رہی تھیں۔ جب عبدالمطلب نے عبداللہ کو قربان کرنا چاہا تو

قریش کے بزرگوں نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا۔ابو طالب نے عبداللہ کا دامن تھام لیا اور کہا:
اے بابا جان! میرے بھائی کو چھوڑ دیں اور مجھے ان کی جگہ ذبح کر دیں۔ پس بہت اصرار کے بعد عبدالمطلب مان گئے کہ دوبارہ قرعہ اندازی کی جائے لیکن پھر بھی عبداللہ کا نام نکلا۔

عکرمہ بن عامر جو کہ بزرگوں میں سے تھا' نے تدبیر پیش کی کہ قرعہ عبداللہ اور اونٹوں کے نام ڈالا جائے۔دوسرے دن عبداللہ کو لباس فاخرہ پہنا کر طرح طرح کی زیب و زینت سے آراستہ کر کے کعبہ میں لایا گیا۔سات مرتبہ طواف کعبہ کے بعد دس اونٹ حاضر کئے گئے اور قرعہ ڈالا گیا (اس طرح بڑھتے بڑھتے) جب نوے اونٹ ہو گئے تو بھی قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا۔

عبدالمطلب چاہتے تھے کہ عبداللہ کو ذبح کر دیں' لیکن مکہ کی عورتیں ننگے پاؤں' اپنے بال کھولے، شیر خوار بچوں کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے جناب عبدالمطلب کے پاس آئیں اور کہا:
اے سردار قریش! اگر تم ہم پر رحم نہیں کرتے تو ہمارے ان چھوٹے چھوٹے بچوں پر رحم کھاؤ اور عبداللہ کے بدلے میں ہمارے ان بچوں کو ذبح کر دو۔ جب جناب عبدالمطلب نے ان بچوں کو دیکھا تو آپ نے دوسری مرتبہ عبداللہ اور سو اونٹوں کے نام قرعہ ڈالا (کثیر روایات کی بنا پر قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا اسی وجہ سے ہر مرد کی دیت سو اونٹ ہے)۔

جناب عبداللہ نے فرمایا: بابا جان میں کچھ وصیتیں کرتا ہوں:

① میرے دست و پا مضبوطی سے باندھ دینا کہ کہیں حرکت نہ کروں۔

② میرے چہرے کو چھپائے رکھنا کہ کہیں آپ پر محبت پدری غالب نہ آ جائے اور آپ امر خدا کو بجا نہ لا سکیں۔

③ اپنے کپڑوں کو سمیٹ لینا کہ وہ خون آلودہ نہ ہوں تا کہ جس وقت آپ کی نظر ان پر پڑے تو آپ کا داغ تازہ نہ ہو جائے۔

④ اے بابا جان! میری مصیبت پر صبر کرنا اور زیادہ رنجیدہ خاطر نہ ہونا۔جناب عبدالمطلب نے کہا: اے میرے بیٹے! خدا کی قسم میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں نہیں باندھوں گا کیونکہ میں تمہیں اس حال میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا (امام مظلومؑ نے شہزادہ علی اکبرؑ کے بارہ

پارہ جسم کو جو شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح سوراخ سوراخ ہو گیا تھا کس طرح دیکھا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے؟ جب جناب علی اکبرؑ آخری مرتبہ جہاد کے لئے گئے تو بنی امیہ نے انہیں چاروں جانب سے گھیر لیا۔

فَقَطَّعُوْهُ بِسُيُوْفِهِمْ اِرْبًا اِرْبًا

"تلواروں کے ساتھ ان کا جسم پارہ پارہ کر دیا گیا"۔

ایک دیگر روایت کے مطابق آپ کے جسم اطہر پر اس قدر زخم لگے کہ کوئی آپ کو پہچان نہیں پاتا تھا' چنانچہ جب آپ کو خیمہ میں لایا گیا تو جناب سکینہؑ نے عرض کیا: یہ کس کی لاش ہے؟ امامؑ نے فرمایا: یہ تمہارے بھائی علی اکبرؑ کی لاش ہے' پس وہ اپنے بھیا کی لاش پر گریں اور بے ہوش ہو گئیں۔

⑤ اے بابا جان! میری ماں کی حالت سے غافل نہ ہونا اور ان کی دلداری کرنا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے بعد زیادہ زندہ نہیں رہ سکیں گی۔

⑥ اے بابا جان! میرے بھائیوں سے کہیں کہ جب بھی وہ دسترخوان پر بیٹھیں مجھے یاد رکھیں۔

⑦ اے بابا جان! میری ماں سے کہیں کہ وہ میری قبر پر آئیں اور میری غربت پر آنسو بہایا کریں۔ (بطور خلاصہ از انوار الشہادۃ ۱۳۵/تا۱۵۸ف ۳ وحیات القلوب علامہ مجلسی: ۲/۲۹ طبع اسلامیہ)

ملعون گھات میں تھے کہ اکبرؑ پہ وار ہو ہم طرز و ہم صدائے پیمبرؐ پہ وار ہو
اس دودمانِ حیدرؑ صفدر پہ وار ہو یعنی اصیلِ شیر ببر نر پہ وار ہو
برچھی لگی تو لیلیٰ کا لختِ جگر چھٹا
سبطِ رسولِؐ پاک کا نورِ نظر چھٹا

(مرثیہ شہادتِ عظمیٰ)

شہزادہ قاسمؑ ابن حسنؑ

ناگاہ فوج شام سے تیرِ ستم چلے تیر و سنان و خنجر و نیزہ بہم چلے
قاسمؑ بھی یاں سے کھینچ کے تیغ دودھم چلے اعدا یہ چھیڑ کر فرشِ خوش قدم چلے
پیدل تو اس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

(میر انیسؔ)

آپ کی والدۂ ماجدہ رملہ اُم ولد تھیں جو کربلا میں موجود تھیں۔

(کربلا میں تو شہید ایسے ہیں کہ جن کی مائیں خیموں میں کھڑی ہو کر انہیں دیکھتی رہیں)

① عبداللہ بن الحسینؑ یعنی علی اصغرؑ جن کی ماں رباب تھیں۔

② عون بن عبداللہ بن جعفر جن کی ماں جناب زینب کبریٰؑ تھیں۔

③ قاسم بن الحسنؑ جن کی ماں رملہ انہیں دیکھتی رہیں۔

④ عبداللہ بن الحسن جن کی ماں مشلیل بجلیہ کی بیٹی تھیں۔

⑤ عبداللہ بن مسلم آپ کی ماں رقیہ بنت امیر المومنینؑ تھیں۔

⑥ محمد بن ابی سعید بن عقیل کہ جن کی ماں خیمہ کی چوب کا سہارا لے کر دیکھتی رہیں۔

⑦ عمر بن جنادہ کہ جن کی ماں نے انہیں جنگ کی اجازت دی اور میدانِ مبارزہ میں ان کو جنگ کرتے دیکھتی رہیں۔

⑧ عبداللہ کلبی کہ جن کی بیوی اور ماں انہیں دیکھتی رہیں۔

⑨ علی بن الحسینؑ کہ جن کی ماں خیمے میں ان کے لئے دعا کرتی رہیں۔

(ابصار العین ۱۳۰)

قاسمؑ ابھی حد بلوغت تک نہ پہنچے تھے۔ (بحارالانوار: ۴۵/۳۴ مقتل خوارزمی ۲/ ۲۷) اور ابومخنف اپنے مقتل میں رقم طراز ہیں: آپ کی عمر چودہ سال تھی۔ (مقتل ابی مخنف/ ۱۲۵ منتخب التواریخ ۲۶۶)

مرحوم سید بن طاؤسؒ ابن نما، شیخ مفیدؒ اور علامہ مجلسیؒ تحریر فرماتے ہیں: آپ جوانی چڑھ رہے تھے اور آپ کا چہرہ چاند کے ٹکڑے کی مانند تھا۔ (لہوف/ ۱۱۵ مثیر الاحزان/ ۶۹، ارشاد: ۱۱۳ بحارالانوار: ۴۵/ ۳۵)

شب عاشور میں آپ کی اپنے چچا جان سے گفتگو گزر چکی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: ''موت مجھے شہد سے بھی زیادہ میٹھی محسوس ہوتی ہے''۔

شہزادہ قاسمؑ کی شہادت

تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر   پڑتی تھیں وہ قریب سے اس ناتوان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر   بلہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر

یوں برچھیاں تھیں چاروں طرف اُس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے
(میر انیسؔ)

زیارت ناحیہ میں مذکور ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَى الْقَاسِمِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ الْمَضْرُوْبِ هَامَتُهُ الْمَسْلُوْبِ لَامَتُهُ حِيْنَ نَادَى الْحُسَيْنَ عَمَّهُ فَجَلَّى عَلَيْهِ عَمُّهُ كَالصَّقْرِ وَهُوَ يَفْحَصُ بِرِجْلَيْهِ التُّرَابَ.

لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَكَ عَمْرَوبْنَ سَعْدِ بْنِ نُفَيْلِ الْاَزْدِيِّ وَاَصْلَاهُ جَحِيْمًا اَعَدَّلَهُ وَعَذَابًا اَلِيْمًا

جناب حسن بن علیؑ کے بیٹے قاسمؑ پر سلام کہ جن کا جسم اطہر زخموں سے چور

چور تھا اور جنہیں جنگی سامان سے تاراج کردیا گیا۔ جب انہوں نے اپنے چچا حسینؑ کو آواز دی تو ان کے چچا تیز پرواز عقاب کی طرح ان کی طرف گئے' لوگوں کو ان سے دور ہٹایا اور خود کو ان تک پہنچایا' اس حالت میں کہ قاسم زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔

خدا ان کے قاتل عمر بن سعد بن نفیل ازدی پر لعنت کرے اور اسے واصلِ جہنم کرے اور اسے دردناک عذاب سے دوچار کرے"۔ (بحارالانوار ۴۵/۶۷)

قاسمؑ اپنے چچا جان کے پاس آئے اور جہاد کی اجازت مانگی۔ امامؑ نے جونہی قاسمؑ پر نگاہ ڈالی اپنے ہاتھ ان کے گلے میں ڈال دیئے اور انہیں آغوش میں لے لیا اور چچا بھتیجا اس قدر روئے:

حَتّٰی غُشِیَ عَلَیْہِمَا

"کہ دونوں غش کر گئے"۔

جب ہوش میں آئے تو قاسمؑ نے امامؑ سے جہاد کی اجازت مانگی لیکن انہوں نے اجازت نہ دی۔ شہزادہ قاسمؑ نے چچا کے ہاتھ اور پاؤں چومے تاکہ انہیں میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دے دیں۔ اور جب آپ میدانِ جنگ کی طرف چلے تو آپ کے رخساروں پر آنسو رواں تھے اور آپ فرما رہے تھے:

اِنْ تَنْکِرُوْنِیْ فَاَنَا بْنُ الْحَسَنِ
سِبْطُ النَّبِیِّ الْمُصْطَفَی الْمُؤْتَمَنِ
ھٰذَا حُسَیْنٌ کَالْاَسِیْرِ الْمُرْتَھَنِ
بَیْنَ اُنَاسٍ لَا سُقُوْا صَوْبَ الْمُزْنِ

"اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو پہچان لو کہ میں امام حسنؑ کا بیٹا ہوں اور محمد مصطفیٰؐ کی دختر کا فرزند ہوں اور یہ میرے چچا حسینؑ ہیں کہ جو قیدیوں کی

طرح تمہارے ہاتھوں گرفتار ہیں اور تم لوگ کبھی رحمتِ الٰہی سے سیراب نہیں ہوگے"۔ (بحار الانوار: ۴۵/۳۴ مقتل خوارزمی ۲/۲۷ وغیرہ)

بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

یَا وَلَدِیْ أَتَمْشِیْ بِرِجْلِكَ اِلَی الْمَوْتِ

"اے میرے بیٹے! تم اپنے پاؤں پر چل کر موت کی جانب جارہے ہو؟"

شہزادے نے عرض کیا:

وَكَيْفَ يَا عَمِّ وَأَنْتَ بَيْنَ الْاَعْدَاءِ وَحِيْدًا غَرِيْبًا

"اے چچا جان! میں کیسے نہ جاؤں جب کہ آپؑ کو تنہائی اور غربت کی حالت میں دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ نہ کوئی آپ کا دوست ہے اور نہ کوئی یار و مددگار"۔

رُوْحِیْ لِرُوْحِكَ الْفِدَاءُ وَنَفْسِیْ لِنَفْسِكَ الْوِقَاءُ

"میری روح آپ کی روح پر قربان۔ آپ نے بہت اصرار کیا تاکہ اجازت حاصل کرسکیں"۔ (مہیج الاحزان/۱۶۴ م ۷)

یکی در یتیم از رشتۂ عشق
برآمد تا کہ گردد کشتۂ عشق
بچرخِ دلبری بدرِ اولین ماہ
بملکِ عشق با بش دومین شاہ
بہ عجز و لابہ و نیکو بیانی
یتیم آسا بہ صد شیرین زبانی
بخاکِ پای آں شہ سود رخسار
بگفت ای از تو پیدا عرش دادار
غم بی یاریت ای داورِ داد
مرا درد یتیمی بردہ از یاد

جب قاسمؑ اپنے چچا جان سے جہاد کی اجازت مانگتے تھے تو آپ انہیں اجازت عطا نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے: تم میرے بھائی کی نشانی ہو۔ میری خواہش ہے کہ تم زندہ رہو تاکہ میں تمہارے وسیلے سے اپنے آپ کو تسلی دیتا رہوں۔

قاسمؑ اپنے خیمے میں پہنچے۔ سر اپنے زانوؤں پر رکھا اور غم زدہ حالت میں آنکھوں سے آنسو بہا رہے تھے۔ اس حزن و ملال کی حالت میں اچانک یاد آیا کہ میرے بابا نے میرے بازو پر ایک تعویز باندھا تھا اور فرمایا تھا کہ جب بھی غم و آلام تجھ پر غالب آ جائیں تو اس تعویذ کو کھول کر پڑھنا اور جو کچھ اس پر لکھا ہو اس پر عمل کرنا۔ قاسمؑ نے اپنے آپ سے کہا: میں آج تک اس قدر رنجیدہ خاطر نہیں ہوا لہذا اپنے بازو سے تعویز کو کھولا تو اس میں لکھا تھا:

اے میرے بیٹے! میں تم سے سفارش کرتا ہوں کہ جب کربلا میں میرے بھائی اور تمہارے چچا حسینؑ دشمنوں کے درمیان گھر جائیں تو تم خدا کے دشمنوں سے جہاد اور مبارزہ ترک نہ کرنا اور جان فشانی سے گریز نہ کرنا اور اگر وہ (حسینؑ) تمہیں جہاد سے روکیں تو تم اصرار کرنا یہاں تک کہ تمہیں اجازت مل جائے اور تم (شہادت کی) سعادت حاصل کر سکو۔

قاسمؑ یہ تحریر لیے اپنے چچا کے پاس آئے۔ جب امام مظلومؑ نے اس تحریر کو دیکھا تو بہت روئے اور ان کے دل سے ایک سوزناک آہ اٹھی۔ (روضۃ الشہداء/۳۲۱ معالی السبطین ۱/۹۷ ، مدینۃ المعاجز ۳/۳۶۶ باب معجزات الحسن ح ۹۳)

جب قاسمؑ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو امام مظلومؑ نے آپ کے گریبان کو پھاڑ دیا اور آپ کے عمامے کو آپ کے اوپر آدھا ادھر آدھا ادھر لٹکا دیا اور آپ کو کفن جیسا لباس پہنا دیا۔ اپنی تلوار آپ کی کمر سے باندھی اور آپ کو میدان کی طرف روانہ کیا۔ (مھیج الاحزان ۲۶۳ وقائع الایام خیابانی/۳۰۹ ریاض القدس: ۲/۵۵)

قاسمؑ نے خوب جنگ کی، اس کم سنی کے باوجود پینتیس افراد کو واصلِ جہنم کیا۔ (بحار الانوار: ۴۵/۳۵ مقتل خوارزمی: ۲/۲۷)

شرح شافیہ میں منقول ہے: ایک ایسا جنگجو جس کو ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا

تھا۔ جناب قاسمؑ نے بار شدید اور برق خاطف کی طرح اس پر حملہ کیا اور اس کو شمشیر کے وار سے گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ پھر اپنے آپ کو دشمن کے لشکر کے انبوہ میں لے گئے اور کم سنی کے باوجود پینتیس افراد اور ایک اور روایت کے مطابق ستر (۷۰) افراد کو ان کی ستم گری کا مزہ چکھایا۔ (ناسخ التواریخ: ۲/۳۲۷)

حمید بن مسلم کہتا ہے: میں عمر سعد کے لشکر میں موجود تھا۔ میں نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ جس کا چہرہ چاند کے ٹکڑے کی طرح تھا' جس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور جو ایک پیراہن زائد پہنے ہوئے تھا اس کے پاؤں میں جو جوتا تھا اس کا ایک بند ٹوٹا ہوا تھا اور مجھے یہ بات نہیں بھولتی کہ یہ بائیں پاؤں کے جوتے کا بند تھا۔

عمرو بن سعد ازدی نے کہا: خدا کی قسم! میں اس لڑکے پر حملہ کروں گا۔ میں نے کہا: سبحان اللہ یہ کیسا ارادہ ہے اور تم اس کی جانے سے کیا چاہتے ہو؟ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، یہ گروہ جو اسے گھیرے ہوئے ہے اس کے لئے (یہی) کافی ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم میں اس پر حملہ کروں گا۔ پس اس نے حملہ کیا ناگاہ اس کی تلوار اس شہزادے کے سر پر لگی اور اس نے فریاد کی: اے چچا جان!

امام حسینؑ شکاری باز کی طرح لشکر کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور غضب ناک شیر کی طرح ان لعینوں پر حملہ آور ہوئے۔ قاسمؑ کے قاتل پر تلوار سے حملہ کیا۔ اس ملعون نے اپنے ہاتھ کی سپر سے آپ کے وار کو روکا۔ آپ کی تلوار کے وار نے اس کے ہاتھ کو کہنی سے جدا کر دیا۔ اس ملعون نے فریاد کی' جو اس کے ساتھی سپاہیوں نے سنی۔ امامؑ اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ کوفی سواروں نے ہجوم کر دیا کہ عمرو کو آپ سے نجات دلائیں۔ جونہی سواروں نے دھاوا بولا اس کا نجس بدن گھوڑوں کے پاؤں کے نیچے کچلا گیا اور وہ لقمۂ دوزخ بن گیا۔

جب گرد و غبار بیٹھ گیا تو میں نے امام حسینؑ کو اس شہزادے کے سرہانے دیکھا' اس حال میں کہ قاسمؑ کی جان نکلنے والی تھی اور پاؤں زمین پر رگڑ رہے تھے۔ امامؑ نے فرمایا:

يَعِزُّ وَاللّٰهِ عَلٰى عَمِّكَ أَنْ تَدْعُوْهُ فَلَا يُجِيْبُكَ ،أَوْ يُجِيْبُكَ فَلَا

يُعِينُكَ أَوْ يُعِينُكَ فَلَا يُغْنِيْ عَنكَ بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُوْكَ

"خدا کی قسم تمہارے چچا پر یہ بات بہت دشوار ہے کہ تو اسے بلائے اور وہ تجھ تک نہ پہنچے لیکن جب تو نے اجابت کی ہے تو میں تمہاری کچھ مدد نہیں کرسکتا۔ اور اگر کچھ کروں بھی تو تمہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔ خدا اس قوم کو اپنی رحمت سے دور رکھے کہ جس نے تجھے قتل کیا"۔

پھر آپ نے قاسمؑ کی لاش کو اٹھایا اور ان کے سینے کو اپنے سینے سے لگایا اور خیموں کی طرف لے کے چلے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس لڑکے کے دونوں پاؤں زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔ آپ اسے لائے تاکہ اپنے بیٹے علیؑ بن حسینؑ اور دیگر مقتولینِ اہل بیتؑ کے ساتھ زمین پر لٹائیں۔ روایت میں ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِم عَدَدًا ، وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا وَلَا تُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا وَلَا تَغْفِرْ لَهُمْ أَبَدًا ء

"خداوندا! اس گروہ کو نابود کردے اور انہیں ہلاک اور پراگندہ حال کردے۔ اور ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ اور انہیں ہرگز نہ بخش"۔

اس کے بعد فرمایا:

صَبْرًا يَا بَنِيْ عُمُوْمَتِيْ صَبْرًا يَا أَهْلَ بَيْتِيْ لَا رَأَيْتُمْ هَوَانًا بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ أَبَدًا ء۔

"اے میرے چچا کے بیٹو! صبر کرو۔ اے میری اہل بیت شکیبائی سے کام لو۔ اور جان لو کہ اس دن کے بعد تم کبھی ذلت وخواری نہیں دیکھو گے۔

(بحار الانوار: ۴۵/۳۵، ارشاد: ۲/۱۱۱، نفس المھموم)

جناب قاسمؑ کی مصیبت جاں سوز ہے اور ان کی شہادت کی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں:

① آپ کی کم سنی

② آپ نے لباس جنگ نہیں پہن رکھا تھا۔

۳ آپ نے قلب لشکر پر حملہ کیا اور چاہتے تھے کہ دشمن کے پرچم کو سرنگوں کردیں جیسا کہ بعض مقاتل میں مذکور ہے کہ آپ لشکر کوفہ کے علم دار تک پہنچ گئے۔

۴ جب سید الشہداؑ آپ کے بالین پر پہنچے تو آپ لشکر سے جنگ فرمانے لگے اور شہزادہ قاسمؑ گھوڑوں کے ٹاپوں کے نیچے کچلے گئے۔

اسی لئے سید الشہداؑ نے شب عاشور کو جناب قاسمؑ کے جواب میں فرمایا تھا:

ہاں خدا کی قسم! تمہارا چچا تم پر قربان تم ان مردوں میں سے ایک ہو جو میرے ساتھ قتل ہوں گے اور اس کے بعد تم سخت مصیبت میں گرفتار ہو گے (مدینۃ المعاجز ۴/۲۱۴ باب معاجز الحسین شمارہ ۲۹۵ میں شب عاشورہ کی تمام احادیث نقل ہیں)۔

قاسمؑ تھے ہر لحاظ سے تصویرِ پنجتنؑ
محبوب تھے چچا کو یہ شہزادۂ حسنؑ
(مظہر)

maablib.org

حضرت عباس علمدارؑ

کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے　　رَن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے　　ہر قصرِ سلاطینِ زمن کانپ رہا ہے

شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے تھے سمیٹے ہوئے پَر کو

(مرزا دبیر)

ولادتِ باسعادت

حضرت ابوالفضل العباسؑ چار شعبان ۲۶ھ کو اس دنیا میں تشریف لائے۔ (العباسؑ مقرم ۱۳۶، انیس الشیعہ سے منقول ہے)

مرحوم بیر جندی اپنی کتاب وقایع الشھور والایام میں اپنے معاصرین سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ چار شعبان کی رات کو اس دنیامیں تشریف لائے۔(زندگانی قمر بنی ہاشمؑ عمادزادہ ۵۳/)

آپ کی عمر مبارک بتیس سے اتالیس سال تک لکھی گئی ہے اور جنگ صفین میں آپؑ کی عمر چندرہ سے سترہ سال کے درمیان تھی اور حضرت زینبؑ آپ سے بیس سال بڑی تھیں۔ اس حساب سے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ حضرت عباسؑ کی عمر پینتیس سال سے کم اور اڑتیس سال سے زیادہ نہ تھی اور آپ کی مادر گرامی کا حضرت علیؑ سے رشتہ ازدواج ۲۲ ہجری سے قبل قائم نہیں ہوا تھا۔

اس بنا پر والد گرامی کی شہادت کے وقت آپ اٹھارہ سال کے تھے اور کربلا میں سینتیس

(۳۷) سال کے تھے۔روایت سے بھی ہماری اس تحقیق کی تائید ہوتی ہے۔(قمر بنی ہاشم/۴۹)

سید محسن عاملی اپنی کتاب مجالس السنیہ میں رقم طراز ہیں: حضرت عباس ۲۹ ہجری میں اس دنیا میں تشریف لائے۔بعض جنگوں میں بھی آپ موجود تھے لیکن آپ کے والد گرامی نے آپ کو جنگ کی اجازت نہ دی اور شہادت کے وقت آپ کی عمر چونتیس سال ہوگئی تھی۔(فرسان الھیجا:۱/۸۷)

بیر جندی مرحوم کہتے ہیں :اکثر روایات دلالت کرتی ہیں کہ شہادت کے وقت جناب ابوالفضل کی عمر پینتیس سال تھی اس حساب سے آپ کی ولادت ۲۵ ہجری میں ہوئی ہوگی۔(کبریت احمر/۳۷۶)

نام کنیت اور لقب

(۱) عباسؑ آپ کا مشہور نام ہے۔آپ کا یہ نام شجاعت اور صولت کی شدت کے سبب صیغۂ مبالغہ کی وجہ سے ہے۔عباس کے معنی شیر بیشہ اور چیر پھاڑ کرنے والے شیر کے ہیں۔آپ بہت بہادر تھے اور جنگ کے میدان میں غضب ناک شیر کی طرح حملہ آور ہوتے تھے لہٰذا آپ کو عباس کہتے ہیں۔

(۲)''ابوالفضل'' کا سبب یہ ہے کہ آپ کے بیٹے کا نام فضل تھا۔اس کنیت میں صوری و معنوی کمالات پوشیدہ ہیں۔

(۳)ابوالقربہ:یعنی ملازمِ مشک: آپ کا یہ نام اس وجہ سے مشہور ہوا کہ آپ نے کربلا کے میدان میں پانی کی مشک کی حفاظت کے لئے بہت کوشش کی تاکہ اسے پیاسوں تک پہنچا سکیں حتیٰ کہ اس کوشش میں آپ کے ہاتھ کٹ گئے اور جان تک فدا ہوگئی۔(کبریت احمر/۳۹۵)

(۴)آپ کو قمر بنی ہاشم اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کا چہرہ مبارک روشن چاند کی طرح خوبصورت تھا اور تاریک رات میں چاند کی طرح چمکتا تھا اور اس لئے بھی کہ آپ کے جسمانی و

نفسانی فضائل درخشاں چاند کی طرح تھے۔(زندگانی قمر بنی ہاشم/۵۴)

(۵) ''باب الحوائج'' چونکہ اپنی اکثر کرامات کے مطابق آپ لوگوں کی حاجات کو بر لاتے ہیں لہٰذا شیعہ اور سنی حضرات میں باب الحوائج کے نام سے مشہور ہیں۔(العباس از مقرم /۱۴۸)

بزرگ عالم شیخ مرتضیٰ آشتیانی اپنے استاد میرزا خلیل تہرانی مرحوم سے اور وہ ایک شیخ جلیل سے کہ جس کے ساتھ وہ صاحب جواہر کے درس میں جایا کرتے تھے نقل کرتے ہیں: ایک تاجر جو کہ آل کبہ کا رئیس تھا اس کا ایک خوبصورت بیٹا تھا اور اسی پر اس کی نسل کا انحصار تھا جس کی ماں علویہ تھی۔ یہ نوجوان مرضِ حصبہ (ٹائیفائیڈ) میں مبتلا ہوگیا اور اس کی حالت سخت خراب تھی۔ وہ قریب المرگ تھا۔ اس کی آنکھیں اور پاؤں باندھ دیئے گئے۔ اس کا باپ باہر دوڑا وہ اپنے سر اور سینے کو پیٹ رہا تھا اور اس کی ماں حضرت عباسؑ کے حرم میں پہنچی اور کلید بردار سے درخواست کی کہ اسے رات حرم میں بسر کرنے دے۔ پہلے تو وہ نہ مانا لیکن جب اس عورت نے اپنا تعارف کروایا اور کہا کہ میرا بیٹا قریب المرگ ہے۔ تو کلید بردار نے اس کی بات مان لی۔ وہ عالم کہتا ہے: اس رات میں کربلا پہنچا اور مجھے اس بات کی کوئی خبر نہ تھی اور نہ ہی میں اس تاجر کو پہچانتا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت حبیب ابن مظاہرؓ کی قبر کی طرف سے مزار سید الشہداءؑ میں داخل ہوا ہوں۔

آپ کے سر مبارک کے اوپر کی فضا اور زمین ملائکہ سے پُر تھی۔ مسجد بالا سر میں رسول خدا اور حضرت علیؑ ایک تخت پر تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں ایک فرشتہ آیا اور بعد از سلام عرض کیا کہ حضرت عباسؑ کہتے ہیں: یا رسولؐ اللہ! آل کبہ کے ایک حاجی کی بیوی اپنے بیٹے کے لئے شفا چاہتی ہے اللہ رب العزت سے اس کے لئے شفاء طلب فرمائیں۔ رسولؐ خدا نے دست دعا بلند فرمائے لیکن ایک لحظے کے بعد فرمایا: موت اس جوان کا مقدر ہوچکی ہے۔

ایک لحظے کے بعد ایک اور فرشتہ آیا اس نے سلام کیا اور وہی پیغام پہنچایا۔ رسول خداؐ نے دوبارہ دعا کے لئے ہاتھ بلند فرمائے اور دعا کے بعد فرمایا: موت اس جوان کا مقدر ہوچکی ہے۔

فرشتہ واپس چلا گیا۔ شیخ کہتا ہے: اچانک میں نے دیکھا کہ حرم میں موجود فرشتے حرکت میں آ گئے اور ان کے درمیان شور و غوغا ہونے لگا۔ میں نے کہا: کیا خبر ہے؟

دیکھا تو حضرت ابوالفضلؑ اس حال میں جس میں ان کی شہادت ہوئی تھی آئے اور رسولؐ خدا کی خدمت میں عرض کیا: علویہ نے مجھ سے توسل کیا اور اپنے بیٹے کی شفاء چاہی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے التجاء کریں کہ اس جوان کو شفا مل جائے یا پھر مجھے باب الحوائج نہ کہا جائے اور اس لقب کو مجھ سے اٹھالیا جائے۔

جب رسول خداؐ نے یہ بات سنی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کی طرف رخ کر کے فرمایا: یا علیؑ آپ بھی اس دعا میں میرا ساتھ دیں۔ دونوں ہستیوں نے دعا فرمائی تو آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا اس نے آنحضرتؐ کو سلام کیا اور اللہ کا سلام پہنچانے کے بعد کہا: اللہ فرماتا ہے کہ ہم عباسؑ سے باب الحوائج کا لقب نہیں اٹھاتے اور اس (بیمار) جوان کو شفاعت بخشتے ہیں۔

شیخ کا کہنا ہے: میں خواب سے بیدار ہوا تو مجھے اس قضیہ کی کوئی خبر نہ تھی۔ لہذا بہت متعجب ہوا۔ صبح ہونے میں ابھی ایک ساعت باقی تھی کہ میں وہاں سے چل دیا اور پوچھتے پوچھتے اس گھر میں پہنچا۔ جب میں اس گھر میں داخل ہوا تو میں نے اس جوان کے باپ کو دیکھا جو اپنے سر اور چہرے کو پیٹتا پھر رہا تھا اور اس جوان کو کمرے میں تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔

میں نے اس حاجی سے کہا: آرام کیجئے تمہارے بیٹے کو شفا مل چکی ہے۔ وہ بہت حیران ہوا اور مجھے اس جوان کے کمرے میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ جوان بیٹھا ہوا ہے اور اس نے اپنے منہ کو کھول رکھا ہے۔ باپ اس سے بغل گیر ہوا تو جوان اس سے کہنے لگا: مجھے بھوک لگی ہے۔ پس علویہ کمرے میں آ پہنچی اور بولی: میں اپنے بیٹے کے لئے شفا لے آئی ہوں۔ (مقتل مقرم: ۳/۹۱' چہرہ درخشان قمر بنی ہاشم :۱/۳۰۲ در کنار علقمہ/۲۹)

(۶) عبد صالح

آپ کی زیارت میں آتا ہے:

السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْمُطِيْعُ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِهٖ

ہم جانتے ہیں کہ انسان کے بزرگ ترین مراتب میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگار کا صالح بندہ بن جائے۔

(۷) سقا

کیونکہ حضرت عباسؑ نے اہلِ بیتؑ کی سقائی کی۔ اس لئے آپ کو سقا کا نام دے دیا گیا۔ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام حسینؑ نے ساتویں محرم کو حضرت عباسؑ کو پچاس اصحاب کے ساتھ فرات سے پانی لینے کے لئے بھیجا۔

روز عاشور امام حسینؑ نے آپ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ دشمنوں سے جنگ کرو بلکہ یہ فرمایا تھا کہ میرے بچوں کے لئے پانی لے آؤ۔ لہذا آپ سقا کہلائے۔

اور مرحوم مقرم نے بہت سے مورخین اور شیعہ سنی بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ سقا آپ کا لقب ہے۔ (العباس/۱۶۴)

(۸) علم دار

چونکہ سید الشہداءؑ نے روز عاشور کو اپنے بھائی عباسؑ کو پرچم سپرد فرمایا' چنانچہ پرچم دینے کے لئے ہمیشہ شجاع ترین افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

ابجد کے حساب سے عباس کے عدد ایک سو تینتیس (۱۳۳) ہیں جو کہ باب الحسین کے مطابق ہیں اور مجرب ختموں میں سے ہے کہ اگر کسی کی کوئی حاجت ہو تو وہ اس حاجت براری کے لئے) ایک ہی نشست میں ۱۳۳ مرتبہ پڑھے:

يَا كَاشِفَ الْكَرْبِ عَنْ وَجْهِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِكْشِفْ كَرْبِيْ بِحَقِّ اَخِيْكَ الْحُسَيْنِ

اللہ رب العزت اس کی دعا کو قبول فرمائے گا۔ (منتخب التواریخ /۲۶۱ مرحوم آیت اللہ صدیقین نے مرحوم آیت اللہ کاشف الغطاء اسی ختم کو نقل کیا ہے سوا اس کہ کے "بِحَقِّ" کی جگہ "بِجَاهِ" نقل کیا ہے)۔

حضرت ابوالفضلؑ کی ماں ام البنینؑ

آپ کی ماں جناب فاطمہ بنت حزام کلابیہ خاندان سے تھیں جو کہ بعد میں ام البنین کے نام سے معروف ہوئیں۔

مؤرخین تحریر کرتے ہیں کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت عقیل سے فرمایا: کہ آپ انساب عرب سے واقف ہیں لہٰذا میرے لئے بہادر خاندان کی ایک عورت تلاش کریں تاکہ اس سے شجاع اور دلیر فرزند دنیا میں آئے (جو کہ حسینؑ کی کربلا میں مدد کر سکے)

حضرت عقیل نے آنحضرتؑ کے لئے جناب فاطمہ کلابیہ کا نام لیا جن کا خاندان شجاعت وشہامت کا نمونہ جانا جاتا تھا۔ آنحضرتؑ نے ان سے شادی کرلی اور ان سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں حضرت عباسؑ سب سے بڑے تھے اور بعد میں عبداللہ' جعفر اور عثمان پیدا ہوئے۔ (نفس المہموم/۳۳۲ عمدۃ الطالب/۳۲۳)

لہٰذا جب شمر ملعون کربلا میں آیا تو اس نے کہا: میری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟ (میں ان کے لئے امان نامہ لایا ہوں) آپ نے اس کو جواب نہ دیا۔

حضرت سید الشہداءؑ نے فرمایا: اسے جواب دو' اگرچہ یہ فاسق ہے لیکن آپ کا رشتہ دار ہے۔ یہ واقعہ روز تاسوعا (نو محرم الحرام) میں نقل ہو چکا ہے۔

اُم البنینؑ جو کہ مضبوط ایمان اور نیک اعمال کی مالکہ تھیں اور اہل بیت کے بلند مقام سے آگاہ تھیں اور ان سے نہایت انس ومحبت رکھتی تھیں' نے اپنے چار بیٹے امام حسینؑ کے دفاع کے لئے کربلا میں بھیجے اور ان کے مصائب کو فرزند زہراؑ کے مقابلہ میں آسان جانا۔ ان کی جلالت اور بزرگی کے بارے میں کہا گیا ہے:

جس وقت بشیر مدینہ پہنچا اور آپ کو چار بیٹوں میں سے ایک کی شہادت سے آگاہ کیا تو ام البنین نے فرمایا:

مَا مَعْنَاهُ ؟أَخْبِرْنِیْ عَنْ أَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ

فَلَمَّا نَعٰی اِلَیْهَا الْاَرْبَعَةَ قَالَتْ قَدْ قَطَعْتَ نِیَاطَ قَلْبِیْ اَوْلَادِیْ وَمَنْ تَحْتَ الْخَضْرَاءِ کُلُّهُمْ فِدَاءٌ لِاَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ

"یہ خبر سنانے کا کیا مقصد ہے؟ مجھے ابا عبداللہ الحسینؑ (کے حالات) سے آگاہ کرو۔ جب بشیر نے انہیں ان کے چار بیٹوں کی شہادت سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا: تو نے میری رگ دل کو پارہ پارہ کر دیا۔ اپنے بیٹے اور جو کچھ اس نیلے آسمان کے تلے موجود ہے میں اسے امام حسینؑ پر فدا کرتی ہوں۔ مجھے امام حسینؑ کے حالات سے آگاہ کرو"۔ (خاتون دوسرا مرحوم فیض الاسلام/۸۹)

شمائلِ عباسؑ

اس سج کا جواں غرب سے تا چرخ نہیں ہے
حیدرؑ میں اور اس میں سر مو فرق نہیں ہے
(میر انیسؔ)

حضرت عباسؑ اس قدر حسین اور خوبصورت تھے کہ آپ کو قمر بنی ہاشم کہا جاتا ہے۔ آپؑ کا قد و قامت اس قدر تھا کہ بڑے بڑے گھوڑوں پر بیٹھتے تو بھی آپؑ کے پائے مبارک زمین سے آلگتے تھے۔

میرزا رضا قلی خاں نے اپنی کتاب مظاہر الانوار میں تحریر کیا ہے: حضرت عباسؑ کا قد لمبا اور بازو دراز تھے۔ فرماتے ہیں: جب آپ مضبوط گھوڑوں پر بیٹھتے تھے اور پاؤں رکاب پر رکھتے تھے تو آپ کے زانوں گھوڑے کی گردن تک پہنچ جاتے۔ آپ کردگار کے جلال و جبروت کے مظہر تھے اور شجاعت و شہامت میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے بعد امیر المومنینؑ کی اولاد میں سے سب سے بڑھ کر تھے۔ آپ مظلوم کربلاؑ کے سپہ سالار اور علمدار تھے۔ (وقائع الایام خیابانی/۴۳۲)

طاقت ہے ہماری اسداللہ کی طاقت
پنجہ میں ہمارے ہے یداللہ کی طاقت

فضائلِ عباسؑ

حضرت عباسؑ فضل و دانش تقویٰ و یقین' اطاعت و عبادت اور دیگر آداب و اخلاق میں بلند مقام کے حامل تھے۔ آپ حضرت امام حسینؑ اور حضرت زینبؑ سے گہری عقیدت رکھتے تھے اور حسنین شریفینؑ کے بعد حضرت علیؑ کے بیٹوں میں سے اشرف و اعظم تھے۔

حضرت عباسؑ کے بلند مقام کے بارے میں ہم کئی مثالیں بیان کر چکے ہیں۔ امام حسینؑ کے کربلا کے سفر کے دوران (مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک) امام عالی مقامؑ نے حضرت عباسؑ پر خصوصی توجہ فرمائی جسے ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں' مثلاً:

۹ محرم الحرام کی عصر کو جب امامؑ نے حضرت عباسؑ کو دشمن کے لشکر کے پاس بھیجا تو فرمایا:

یَا عَبَّاسُ اِرْکَبْ بِنَفْسِیْ اَنْتَ یَا اَخِیْ حَتّٰی تَلْقَاهُمْ۔

''اے عباسؑ میری جان تم پر قربان' میرے بھائی سوار ہو جاؤ اور جا کے ان سے ملاقات کرو''۔ (تاریخ طبری ۵/۴۱۶)

لیکن آپ کی عنایات سے توسل کے لئے آپ کے فضائل کے دریائے بے کراں میں سے چند ایک کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

شیخ صدوقؒ اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جب امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کے بیٹے عبداللہ پر نگاہ ڈالی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ نے فرمایا: رسولؐ خدا پر روزِ اُحد سے زیادہ کوئی دن سخت نہ تھا کہ اس میں آپ کے چچا حضرت حمزہ شہید ہو گئے اور اس کے بعد جنگ موتہ میں آپ کے چچازاد جعفر بن ابی طالب شہید ہوئے۔ پھر فرمایا:

وَلَا یَوْمَ کَیَوْمِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ

''لیکن کوئی دن یوم حسینؑ کی طرح نہ تھا''۔

امتیوں کے تیس ہزار کے لشکر نے آپ کو گھیرا ہوا تھا اور ان میں سے ہر کوئی آپ کے قتل سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہتا تھا اور جب آپؑ انہیں خدا کی یاد دلاتے تھے تو یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے تھے اور آپ کو ظلم وستم اور عدوان سے شہید کرتے تھے۔

پھر فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ الْعَبَّاسَ فَلَقَدْ آثَرَوا بَلٰى وَفَدٰى أَخَاهُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى قُطِعَتْ يَدَاهُ

''اللہ رب العزت حضرت عباس پر رحمت فرما کہ انہوں نے جان کی بازی لگا دی اور خوب امتحان دیا (یعنی اپنے بھائی کے راستے میں مصیبتوں کو برداشت کیا) اور خود کو اپنے بھائی پر قربان کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ کے دونوں بازو قطع ہو گئے۔ اللہ نے انہیں ان کے بدلے میں دو پر عطا کر دیے ہیں کہ جن کے ساتھ وہ فرشتوں کے ہمراہ جنت میں پرواز کرتے ہیں جیسے کہ جعفر بن ابی طالب کو پر عطا کئے گئے تھے''۔

وَاِنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْزِلَةً يَغْبِطُهُ بِهَا جَمِيْعُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

''حضرت عباسؑ خدائے متعال کے نزدیک ایسا بلند مقام رکھتے ہیں کہ تمام شہداء (اولین وآخرین) قیامت کے روز آپ کا مقام حاصل کرنے کی تمنا کریں گے''۔ (امالی صدوق ۴۶۲م ۷۰ ح ۱۰ خصائل ۱/۶۸ بحار ۴۴/۲۹۸ ب ۳۵ ح ۴)

(شیخ صدوق خصائل جلد اول صفحہ ۶۸ باب الاثنین ح ۱۰۱ کے ذیل میں فرماتے ہیں) وہ تمام حدیثیں جو کتاب ''مقتل الحسینؑ بن علیؑ'' میں سے جمع کی ہیں، معلوم ہوا کہ یہ تمام مقتل کی حدیثیں ہیں اور وہ حدیثیں جن میں حضرت عباسؑ کے فضائل تھے وہ ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔

مفضل بن عمر روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے فرمایا:

كَانَ عَمُّنَا الْعَبَّاسُ نَافِذَ الْبَصِيْرَةِ صُلْبَ الْاِيْمَانِ جَاهَدَ مَعَ أَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَبْلٰى بَلَاءً حَسَنًا وَ مَضٰى شَهِيْدًا

"میرے چچا عباسؑ گہری بصیرت اور مضبوط ایمان کے مالک تھے انہوں نے امام حسینؑ کے حضور میں جہاد کیا اور اس نیک راستے پر گامزن ہوکر شرف شہادت حاصل کیا"۔

اور خونِ عباس قبیلہ بنی حنیفہ میں ہے۔آپ شہادت کے وقت چونتیس سال کے تھے۔ (نفس المہموم/۳۳۲ عمدۃ الطالب/۳۲۲ اعیان الشیعہ ۷/ ۴۳۰)

شہید ثانی کے مجموعہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے بیٹے عباسؑ سے فرمایا: کہو: ایک انہوں نے کہا: ایک دوبارہ فرمایا: کہو: دو، حضرت عباسؑ نے حیا محسوس کی اور کہا مجھے حیا محسوس ہوتی ہے کہ جس زبان سے میں نے ایک کہا ہے اسی سے دو کہوں (یعنی جس زبان کے ساتھ میں نے خدا کو یگانہ تسلیم کیا ہے اسی کے ساتھ دو کہوں۔دوئی تو توحید کے خلاف ہے۔

امیر المومنینؑ نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے چوما۔ (مستدرک: ۱۵/ ۲۱۵ ب ۷۹ از احکام الاولاد ح ۶ مقتل خوارزمی: ۱/۱۲۲ف ۶)

اور شہداء کی تدفین کے بیان میں آتا ہے کہ امام سجادؑ نے اپنے چچا کا جسم اطہر اپنے والد گرامی کے جسم اطہر کی طرح خود سپرد خاک کیا۔

اور اس پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کا جسدِ مطہر معصومینؑ کے اجسادِ مقدسہ کی طرح اس کا سزاوار نہیں تھا کہ معصوم کے علاوہ کوئی شخص اس کو ہاتھ لگائے۔

ملا علی تبریزی خیابانی مرحوم نقل کرتے ہیں: سید فاضلی نے علمائے عرب سے نقل کیا ہے کہ جب الحاج محمد رضا ازری اپنے قصیدہ میں اس مصرع پر پہنچے:

يَوْمٌ اَبُوالْفَضْلِ اِسْتَجَارَبِهِ الْهُدٰى

"روزِ عاشور وہ دن تھا کہ جس دن ہدایت نے (یعنی حضرت امام حسینؑ

نے) حضرت عباسؑ کی پناہ لی"۔

شعر مکمل نہ ہوا اور اسی حال میں رہ گیا۔ رات کو انہوں نے امام حسینؑ کو خواب میں دیکھا کہ امام تشریف لائے اور فرمایا: جو کچھ تم نے کہا ہے، وہ صحیح ہے کہ میں نے اپنے بھائی عباسؑ کی پناہ لی۔ اور دوسرے مصرعے کو امامؑ نے خود انشاء فرمایا۔

وَالشَّمْسُ مِنْ كَدَرِ الْعَجَاجِ لِثَامُهَا

"یعنی میں نے اس وقت پناہ لی کہ جس وقت سورج نے معرکہ کربلا کی تیرگی غبار کی نقاب اوڑھ رکھی تھی"۔ (وقائع الایام خیابانی ۶۱۸)

حضرت عباسؑ کا علم

آیۃ اللہ جندی مرحوم اپنی کتاب "کبریت احمر" میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؑ خاندانِ عصمت کے اہل فضل وبصیرت بزرگوں میں سے تھے۔ آپ عالمِ غیر معلم تھے اور آپ کے علم کا منبع فیضِ الٰہی تھا۔ جب کہ ظاہراً آپ اپنے والد بزرگوار کے علوم سے بہرہ مند تھے۔

مرحوم مقرم تحریر کرتے ہیں: امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بعض اصحاب کی پرورش اس طرح سے فرمائی تھی کہ وہ عالم ہستی کے اسرار رموز اور جملہ علم منایا والبلایا سے آگاہ تھے۔ مثلاً حضرت حبیب ابن مظاہر میثم تمار اور حضرت رُشید وغیرہ۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ باب العلم نے اپنے جگر گوشے کو اپنے علوم سے بے بہرہ رکھا؟ جب کہ اس کی قابلیت اور استعداد ان اصحاب سے کہیں زیادہ تھی!

مختصراً حضرت عباس علمدارؑ اپنی بہن حضرت زینب کبریٰؑ کی مانند ہیں جو کہ حضرت امام سجادؑ کی تصریح کے مطابق عالمہ غیر معلمہ تھیں۔ اس کے علاوہ آپ اپنے صفائے باطن پاکیزہ طینت اور شدید اخلاص کے سبب اس حدیث مبارکہ کے کامل مصداق تھے:

مَا أَخْلَصَ عَبْدُاللهِ عَزَّوَجَلَّ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا اِلَّا جَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلٰى لِسَانِهِ۔

''جو شخص چالیس دن تک اللہ رب العزت کے لئے اپنے اعمال کو اخلاص کے ساتھ سبب دیتا ہے۔ اس کے دل اور زبان سے حکمت کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں''۔ (عیون الاخبار: ۲/ ۶۸ ب ۳۱ ح ۳۲۱)

اس صورت میں کہ اپنی عمر کے تمام امور اور مراحل خدا تعالیٰ کی رضا میں گزرے ہوں اور ہر رذالت سے مبرا اور ہر فضیلت سے آراستہ ہو۔ کیا اس کے بارے میں اس کے علاوہ کچھ در تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کی ذات شریف معارف ربوبیت کے انوار سے متجلی ہو اور اس کا علم علم لدنی ہو؟

قمر بنی ہاشم کے علم کے وجدانی ہونے کے بارے میں دوسری دلیل معصوم کا یہ فرمان ہے:

إِنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَلِيٍّ زُقَّ الْعِلْمَ زَقًّا

''تحقیق عباسؑ بن علیؑ نے اپنے بچپن میں علم کو دودھ کے ساتھ پیا (اور شیر خوارگی کے دوران میں علم و کمال سے آراستہ تھے)''۔

امام علیہ السلام کی یہ تشبیہ نہایت بدیع استعارہ ہے کیونکہ ''زق'' کے معنی پرندے کے بچے کا اپنی ماں کے توسط سے غذا حاصل کرنا ہے۔ اس وقت کہ جب وہ اپنے آپ تغذیہ پر قادر نہیں ہوتا۔ ہم اس استعار کی طرف متوجہ ہوئے ہیں کہ ساقی کربلا اپنے زمانہ بچپن سے حتیٰ کہ شیر خوارگی کے زمانے سے علوم و معارف کے حصول کی طاقت رکھتے تھے۔ (العباس مرحوم مکرم/ ۱۶۹ خلاصہ نقل ہے)

مرحوم مقرم نے حضرت عباسؑ کی امام جعفر صادقؑ سے منقول زیارت میں چند کلمات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر فضیلت آپ کو زیبا ہے اور ہم اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں:

(۱) حضرت عباسؑ کے روضے کے اذن دخول میں ہم پڑھتے ہیں:

سَلَامُ اللهِ وَسَلَامُ مَلَائِكَتِهِ الْمُقَرَّبِينَ وَأَنْبِيَائِهِ الْمُرْسَلِينَ وَعِبَادِهِ الصَّالِحِينَ وَجَمِيعِ الشُّهَدَاءِ والصِّدِّيقِينَ وَالزَّاكِيَاتُ الطَّيِّبَاتُ فِيمَا تَغْتَدِي وَتَرُوحُ عَلَيْكَ يَا بْنَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ

''اے فرزند امیر المومنینؑ! آپ پر خدا کا، اس کے مقرب فرشتوں کا، اس

کے پیغمبروں کا' اس کے نیک اور صالح بندوں کا' تمام شہداء کا' صدیقین کا"
اور پاک اور طیب لوگوں کا صبح وشام سلام ہو"۔

دوسری طرف امام جعفر صادق امام مظلوم حسین علیہ السلام کی زیارت میں فرماتے ہیں:

سَلَامُ اللّٰهِ وَسَلَامُ مَلَائِكَتِهِ فِيْمَا تَرُوْحُ وَتَغْدُوْ ' وَالزَّكِيَاتُ الطَّاهِرَاتُ لَكَ ' وَعَلَيْكَ سَلَامُ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ –

"آپؑ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا صبح وشام سلام ہو اور آپؑ پر پاکیزہ ومطاہر ہستیوں کا نیز ملائکہ مقربین کا سلام ہو"۔

ان دونوں زیارتوں کی مشابہت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم پر روشن ہو جاتا ہے کہ قمر بنی ہاشم کا مقام ومرتبہ امام عالی مقام سے مشابہ تھا کیونکہ ان دونوں ہستیوں کے لئے خدائے متعال اور ملائکہ مقربین کا صبح وشام سلام ہے۔ اور اس ضمن میں اَلزَّاكِيَاتُ الطَّيِّبَاتُ اور اَلزَّاكِيَاتُ الطَّاهِرَاتُ جیسی عبارت آئی ہے

(۳) اللہ تعالیٰ کا سلام (کہ جس ذات کی رحمت بے پایاں اور عنایت بے انتہا ہے) اور مقرب فرشتوں کا سلام اور پیغمبروں کا سلام (جن کے تمام افعال واعمال حق تعالیٰ کی رضا کے لئے اور وحی الٰہی کے تابع ہوتے ہیں) اور شہداء وصدیقین کا سلام (جو کہ انبیاءؑ اور اوصیاءؑ کے سچے پیرو ہوتے ہیں) اور پاک ومطاہر سلام اس ہستی بزرگوار پر بھیجے گئے ہیں۔

(۴) سردار کربلا کے روضہ مطاہر میں داخل ہونے کی اجازت میں آتا ہے:

اَشْهَدُ لَكَ بِالتَّسْلِيْمِ وَالتَّصْدِيْقِ وَالْوَفَاءِ وَالنَّصِيْحَةِ لِخَلَفِ النَّبِيِّ الْمُرْسَلِ

"میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؑ جانشین پیغمبر اکرمؐ (امام حسینؑ) سے مقام تسلیم میں نسبت رکھتے تھے۔ آپ نے آں حضرت کی تصدیق کی' اپنا عہد وفا کیا اور امام کی خیر خواہی کی"۔

اس جگہ پر مقام تسلیم جو کہ سالکین اور محجوب کے کوچے کے راہیوں کے لئے بلند ترین

مقامات میں سے ہے (اور رضا و توکل کے مرتبے سے بالاتر مقام ہے) یہ مقام آں حضرت کے لئے تسلیم کیا گیا ہے۔ امام عالی مقامؑ نے جملہ شہداء میں سے تنہا حضرت عباس علیہ السلام کو اس خطاب سے مخاطب فرمایا کہ:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ جَهِلَ حَقَّكَ وَاسْتَخَفَّ بِحُرْمَتِكَ

''خدا اس شخص پر لعنت کرے جو تمہارا حق نہ پہچانے اور تمہاری حرمت کو کم تر خیال کرے''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہداء میں سے کسی اور کو یہ فضیلت میسر نہیں ہوئی، ہر کسی کے لئے جائز حق ثابت ہے۔

(۵) زیارت کا یہ فقرہ

وَرَفَعَ ذِكْرَكَ فِي الْعِلِّيِّيْنَ

''خداوند قدوس نے آپ کے ذکر کو ملائے اعلا میں بلند فرمایا''۔

آپ کے لئے عظیم درجہ اور بلند مقام بیان کرتا ہے اور اس مجلس میں اس بلند مقام تک قدسیوں کو بھی رسائی حاصل نہیں اور دوسری زیارت کی عبارت جس میں سردار کربلا کے مقامات عالیہ کو بیان کیا گیا ہے اور بھی دقت طلب ہے۔

(۶) امام جعفر صادق علیہ السلام ایک اور زیارت میں حضرت عباسؑ سے یوں خطاب فرماتے ہیں:

لَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً اِسْتَحَلَّتْ مِنْكَ الْمَحَارِمَ وَانْتَهَكَتْ فِيْكَ حُرْمَةَ الْاِسْلَامِ

''خدا اس قوم پر لعنت کرے جس نے آپ کا خون بہایا اور آپ کے بارے میں حرام الٰہی کو حلال جانا اور آپ کو قتل کر کے حرمت اسلام کو برباد کیا''۔

حالانکہ تمام شہدائے کربلا بلند ترین مرتبۂ فضیلت پر فائز ہیں کہ دیگر شہداء کے لئے وہ

کچھ نہیں ہے جو ہم نیمہ رجب کی زیارت میں پڑھتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا مَہْدِیُّوْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَاطَاھِرُوْنَ مِنَ الدَّنَسِ

یا پھر یہ کہ:

طِبْتُمْ وَطَابَتِ الْاَرْضُ الَّتِیْ فِیْھَا دُفِنْتُمْ

"آپ پاک اور طیب ہیں اور جس زمین پر آپ لوگوں کو دفن کیا گیا وہ بھی پاکیزہ ہوگئی"۔

لیکن یہ عبارت کہ تمہاری شہادت سے حرمت دین پامال ہوگئی۔فقط سردار کربلا کے بارے میں مذکور ہے۔(العباس مقرم/۲۰۹ ترجمہ سردار کربلا/۲۲۸)

ادبِ عباسؑ

جناب عباسؑ کے ادب میں صرف یہی کافی ہے کہ کوئی بھی شخص امام حسینؑ کے حکم کے بغیر ان کے پاس نہیں بیٹھ سکتا تھا اور وہ اپنے مولاؑ و آقا کے پاس ایک غلام بن کر حاضر رہتے تھے اور امام عالی مقام کے اوامر و نواہی کی اطاعت کرتے تھے۔اور جب بھی امامؑ سے مخاطب ہوتے تھے تو انہیں "یا ابا عبداللہ"، "یا بن رسول اللہ"، "یا سیدی" کہہ کر پکارتے تھے۔

اور تمام عمر آپ نے امام حسین علیہ السلام کو بھائی نہ کہا' سوائے روز عاشور کے کہ جب آہنی گرز کی ضربت سے آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔(معالی السبطین ۱/۲۷۱)

اور منقول ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؑ نے اس گھڑی حضرت فاطمہ زہراؑ کو دیکھا جو فرما رہی تھیں۔"وَلَدِیْ عَبَّاس" "میرے بیٹے عباس"۔

شجاعتِ عباسؑ

عباسؑ آئے رن میں تو منظر لرز گئے
جبریلؑ بھی سمیٹ کے شہپر لرز گئے
دیکھا جلال میں تو دلاور لرز گئے
حیدرؑ کی چال ڈھال سے لشکر لرز گئے

عباسؑ کو تو نہر سے پانی لے جانا ہے
سہما ہوا یہ کس لیے سارا زمانہ ہے
(مرثیہ شہادتِ عظمٰی)

حضرت عباسؑ نے اپنے والد بزرگوار امیر المومنین علی علیہ السلام سے ہاشمی شجاعت اور اپنی ماں کی طرف سے قلابی و عامیر شجاعت ورثہ میں پائی تھیں اور آپ کی اس قدر تربیت ہوئی تھی کہ آپ قہرمان قرار پائے۔

قبل ازیں تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے ایک بہادر خاتون کا انتخاب فرمایا تا کہ اس سے ایک دلیر بیٹا جنم لے سکے' جس کا زور بازو حسین علیہ السلام کے کام آ سکے۔ جیسا کہ ہارونؑ اپنے بھائی موسیٰؑ کا اور خود آپؑ اپنے برادر محترم اور چچازاد رسولؐ خدا کا زور بازو بنے۔

بعض کا کہنا ہے کہ حضرت عباسؑ نے اپنے والد گرامی کے ساتھ کئی جنگوں میں شرکت فرمائی اور شجاعانِ عرب کے ساتھ جنگیں لڑیں۔ آپؑ شیر غضب ناک کی طرح ان پر حملہ آور ہوتے تھے' انہیں خاکِ ہلاکت میں ملا دیتے تھے۔

بیرجندی مرحوم لکھتے ہیں: روز صفین آپؑ نے اپنے بھائی کی مدد کی اور امام حسینؑ کے دست و بازو بن کر لشکر معاویہ کو فرات سے دور کرنے میں معاونت کی اور نہر فرات کو دشمن کے قبضہ سے چھڑا کر امیر المومنین کے تصرف میں لائے۔ (کبریت احمر/۳۸۵)

شب عاشور امام حسین کے اصحاب میں سے اکثر مشغولِ عبادت تھے۔ بہت سے قیام میں اور کئی ایک رکوع و سجود میں تھے۔ لیکن مرحوم طریحی نقل کرتے ہیں کہ قمر بنی ہاشم اپنے گھوڑے پر سوار تھے اور تلوار حمائل کیے خیام کے اطراف میں گشت کرنے میں مصروف تھے اور خیام کی حفاظت فرما رہے تھے۔ (معالی السبطین :۱/۲۷۰)

شاعر عرب عالم بزرگوار ازری امام حسین علیہ السلام کی زبان حال سے' اپنے بھائی (عباسؑ) کے سرہانے کہتے ہیں:

اَلْيَوْمَ نَامَتْ اَعْيُنٌ بِكَ لَمْ تَنَمْ
وَتَسَهَّدَتْ اُخْرىٰ فَعَزَّ مَنَامُهَا

"آج وہ آنکھیں جو آپ کے خوف سے نہیں سوتی تھیں سو گئیں اور دوسری آنکھیں بیدار ہو گئیں اور ان کے لئے نیند دشوار ہو گئی۔(نفس المہموم/۳۴۵)

روز عاشور چار ہزار افراد اور ایک روایت کے مطابق دس ہزار افراد نہر فرات پر متعین تھے تا کہ کسی کو دریا تک نہ پہنچنے دیں اور پانی نہ لے جانے دیں۔اور تمام شیعہ و سنی مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عباس تن تنہا نہر فرات پر جا پہنچے اور ہزاروں افراد پر مشتمل شجاعانِ عرب کے اس لشکر کو تتر بتر کر دیا یہاں تک کہ چھ مرتبہ اس لشکر نے ہجوم کیا تا کہ آپ کو دریا تک پہنچنے سے روک سکیں۔

اور اس وقت دشمن جان گئے کہ جب تک حضرت عباسؑ امام حسینؑ کے لشکر میں ہیں ہم ان پر غالب نہیں آسکتے لہٰذا وہ لوگ آپ کے لئے امان نامہ لائے جسے قمر بنی ہاشمؑ نے رد کر دیا۔

اور کسی شخص کی جرأت نہیں تھی کہ حضرت عباسؑ سے جنگ کے لئے باہر نکلے۔

نیز کسی کو احتمال نہیں تھا کہ آپؑ کو شہید کیا جاسکتا ہے۔لہٰذا حیلوں بہانوں اور بزدلانہ طریقوں سے آپؑ کو شہید کیا گیا۔دشمن نے کھجور کے درختوں کے پیچھے کمین گاہ بنائی اور چھپ کر پہلے آپؑ کے دائیں ہاتھ کو اور پھر بائیں ہاتھ کو قطع کیا،اور بعد میں آپ کے فرق مبارک پر آہنی گرز سے ضربت لگا کر شہید کر دیا۔

روز عاشور امام عالی مقامؑ نے حضرت عباسؑ کو جہاد کی اجازت مرحمت نہ فرمائی وگرنہ دشمن کے لشکر سے ایک شخص بھی باقی نہ بچتا یا پھر دشمن قتل ہو جاتے یا بھاگ جاتے اور واقع کچھ اور ہی ہوتا۔امامؑ نے اپنے بھائی سے صرف یہ فرمایا: میرے بچوں کے لئے پانی لے آیئے۔آپؑ کی شجاعت و شہامت کا نمونہ ہم آپؑ کی شہادت کے باب میں ذکر کریں گے اور ان تمام باتوں سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ حیدر کرار اسد اللہ الغالب کی شجاعت کا مظہر تھے اور باپ کی یہ صفتِ شجاعت آپ میں عیاں تھی۔

جنگِ صفین میں ایک روز نقاب پہنے ہوئے ایک جوان حضرت علیؑ کے لشکر سے نکلا اور اپنے گھوڑے کو میدانِ جنگ میں دوڑاتے ہوئے مبارزہ طلب کیا۔معاویہ کے ساتھی اس کے

مبارزہ سے خوف زدہ تھے۔ معاویہ نے ابن شعثاء کو حکم دیا کہ اس جوان سے جنگ کرو۔ ابن شعثاء نے کہا: اہل شام مجھے دس ہزار سوار کے برابر سمجھتے ہیں (اور تم مجھے اس (ایک) نوجوان کے ساتھ جنگ میں بھیج رہے ہو؟ میرے سات بیٹے ہیں میں ایک کو بھیجتا ہوں کہ اس کو قتل کر دے۔

اس نے اپنے بیٹوں میں سے ایک کو میدانِ جنگ میں بھیجا اور وہ قتل ہوگیا۔ پھر بالترتیب اس کے ساتوں بیٹے یکے بعد دیگرے میدان میں اُترے اور اس نقاب والے ہاشمی جوان نے تمام کو واصلِ جہنم کر دیا۔

سات بیٹوں کے قتل نے ابن شعثا کو بوکھلا دیا اور وہ خود شیر غضب ناک کی طرح میدانِ جنگ میں اُترا۔ (تمام لشکری چشم تماشا اس پر جمائے ہوئے تھے کہ) ہاشمی جوان نے اس پر حملہ کیا اور ایسا وار کیا کہ جس سے وہ دو ٹکڑے ہوگیا اور اپنے بیٹوں سے جا ملا۔ حاضرین نے اس کی شجاعت پر تعجب کیا اور لشکر معاویہ میں سے کسی کی جرأت نہ تھی کہ تنہا میدان میں اُترے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب بھی اس کی شجاعت سے سخت حیران تھے اور ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے یہ نقاب والا جوان کون ہے؟

امیر المومنینؑ نے اس جوان کو آواز دی اور اپنے نزدیک بلایا (اور فرمایا: بیٹا مجھے خوف ہے کہ تمھیں نظر نہ لگے جائے) جب وہ واپس لوٹا تو اس کے چہرے سے نقاب اٹھایا (اور دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا)، اصحاب نے دیکھا کہ وہ حضرت عباسؑ ہیں۔

اس تاریخی واقعہ کے وقت آپ کا سن مبارک پندرہ (۱۵) سے سترہ (۱۷) سال تک تحریر کیا گیا ہے۔ (معالی السبطین: ۱/ ۲۶۷، کبریت احمر ۳۸۵ م ۳ زندگانی قمر بنی ہاشم/ ۱۴۳)

کامل التواریخ کی روایت کے مطابق حضرت عباسؑ نے روزِ عاشور کی ابتداء میں دیکھا کہ خیموں کے اطراف انصار سے خالی ہو گئے ہیں۔ جب نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ ان میں سے بیس افراد کو عمر سعد کے ساتھیوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ آپ نے ان پر شیر کی طرح حملہ کیا اور ان بیس افراد کو آزاد کرا لیا۔ دوسری روایت میں منقول ہے کہ جناب زہیر عبداللہ بن جعفر بن عقیل

کے پاس آئے اور کہا:

یَا اَخِیْ نَاوِلْنِیْ الرَّایَۃَ

"بھائی پرچم مجھے دے دیجئے"

عبداللہؓ نے کہا: کیا تم پرچم کے اٹھانے میں مجھے ضعیف و عاجز محسوس کر رہے ہو۔

زہیرؓ نے کہا: نہیں! لیکن مجھے ضرور پرچم لینا ہے۔ انہوں نے پرچم کو اٹھایا اور جناب عباسؑ کے نزدیک پہنچ کر عرض کیا: اے فرزند امیر المومنینؑ! میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ایک حدیث نقل کروں۔ حضرت عباسؑ نے فرمایا: آپ اپنی بات بیان کیجیے کہ وقت بہت کم ہے۔

زہیرؓ نے کہا: اے ابوالفضلؑ! جب آپ کے باپ نے آپ کی ماں ام البنینؓ سے شادی کا ارادہ کیا تو اپنے بھائی عقیل کو بلا کر فرمایا: میرے لئے کسی بہادر قبیلے کی عورت کی خواستگاری کرو تاکہ خدا اس میں سے مجھے بہادر فرزند عطا فرمائے جو میرے بیٹے حسینؑ کا ناصر و مددگار ثابت ہو اور کربلا میں اپنی جان دے کر اس کی حفاظت کرے۔ آپ کے باپ نے آپ کو اس دن کے لئے بچا کر رکھا ہے پس اپنے بھائی کے حرم اور بہنوں کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرنا۔

یہ کلام سن کر حضرت عباسؑ کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا اور آپ نے رکاب میں اس طرح پاؤں رکھا کہ اس کا تسمہ ٹوٹ گیا اور فرمایا: اے زہیرؓ!

تُشَجِّعُنِیْ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا الْیَوْمِ وَاللّٰہِ لَاُرِیَنَّکَ شَیْئًا مَا رَاَیْتَہٗ قَطُّ

"کیا تو ایسے دن کے لئے مجھے جوشِ شجاعت دلا رہا ہے؟ خدا کی قسم! میں تمہارے لئے نشان راہ چھوڑ جاؤں گا (اور اس قدر فداکاری کروں گا) کہ جسے تم نے ہرگز نہ دیکھا ہوگا"۔

آپ نے یہ کہا اور اپنے گھوڑے کو لشکر اشقیاء کی طرف دوڑایا۔ اور میدان کے وسط تک جا پہنچے۔

مقاتل کی بعض دوسری روایات کے مطابق آپ نے اپنی تلوار سے دس ہزار افراد پر مشتمل اس لشکر پر اس طرح حملہ کیا کہ گویا آپ کی تلوار آگ تھی۔ جوان پر گزری رہی تھی' آپ نے

نے رجز پڑھا اوران کے سورماؤں میں سے سو افراد کو قتل کردیا۔ (کبریت احمر/۳۸۶)

ایک زیارت میں ابوحمزہ ثمالی نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ جس میں آپ کی شجاعت کا وصف یوں بیان کیا گیا ہے:

أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَالَغْتَ فِي النَّصِيحَةِ وَأَعْطَيْتَ غَايَةَ الْمَجْهُودِ
اَشْهَدُ اَنَّكَ لَمْ تَهِنْ وَلَمْ تَنْكُلْ وَاَنَّكَ مَضَيْتَ عَلٰى بَصِيْرَةٍ
مِنْ اَمْرِكَ مُقْتَدِيًا بِالصَّالِحِيْنَ وَمُتَّبِعًا لِلنَّبِيِّيْنَ

"میں گواہی دیتا ہوں (کہ اے ابوالفضل!) آپؑ نے خیر خواہی میں بہت کوشش کی اور اس راستے میں کمال کی تلاش اور اہتمام کیا"۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے (دین کے دفاع میں) کسی قسم کی کوتاہی اور سستی نہیں کی۔ بصیرت و حجت کے ساتھ زندگی بسر کی اور اپنے اعمال میں ہمیشہ صالحین کی اقتداء کی اور خدا کے رسولوںؑ کی پیروی کی۔ (کامل الزیارات/۲۵۷ ب ۸۵)

مواساتِ عباسؑ

زیارت ناحیہ مقدسہ میں ہم پڑھتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِي الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ بْنِ اَمِيْرِالْمُؤْمِنِيْنَ اَلْمُوَاسِيْ
أَخَاهُ بِنَفْسِهِ اَلْآخِذِ لِغَدِهٖ مِنْ اَمْسِهٖ اَلْفَادِيْ لَهٗ اَلْوَاقِيْ السَّاعِيْ
اِلَيْهِ بِمَائِهٖ اَلْمَقْطُوْعَةِ يَدَاهُ

"فرزند امیر المومنین ابوالفضل العباسؑ پر سلام ہو کہ جنہوں نے اپنی جان راہ مواسات میں اپنے بھائی کے لئے قربان کردی اور دنیا سے آخرت کے لئے فائدہ اٹھایا۔ جس نے اپنے بھائی پر جان نثار کرکے ان کے فرمان کی بجا آوری کرتے ہوئے پانی لانے کی کوشش کی اور اپنے ہاتھ

تک کٹوا دیئے۔(بحار الانوار: ۴۵/۲۶)

امام جعفر صادقؑ اس بزرگوار کی زیارت میں فرماتے ہیں:

اَشْهَدُ لَقَدْ نَصَحْتَ اللّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلَاَ خِيْكَ فَنِعْمَ الْاَخُ الْمُوَاسِی

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے خدا اور رسولؐ کے راستے میں اپنے بھائی حسینؑ کی خیر خواہی کی اور وفاداری میں کوتاہی نہ کی''۔

پس آپ کس قدر اچھے اور ایثار کرنے والے بھائی تھے کہ حسینؑ کے ساتھ (مصائب وشدائد کے برداشت کرنے میں) مساوات' مواسات اور فداکاری کا مظاہرہ کیا۔ (مفاتیح الجنان' حضرت عباسؑ کی زیارت کا آخری حصّہ)۔

آپ کے والد محترم امیر المومنینؑ نے خود کو رسول خداؐ پر قربان کردیا اور آنحضورؐ کو اپنے سے مقدم جانا اور حضرت عباسؑ نے اپنے باپ سے یہ صفت ورثہ میں حاصل کی اور اس خصلت کے مظہر تام بن کر سامنے آئے۔

آپ نے خود کو اپنے بھائی پر قربان کردیا اور اس عظیم ہستی کو خود پر مقدم رکھا۔ اور اس قدر مواسات کا مظاہرہ کیا کہ جب دریا کے کنارے پہنچ گئے تو بھی پانی نہ پیا اور اپنے نفس سے خطاب فرمایا: عباسؑ! تم پانی پیتے ہوئے جب کہ حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ پیاسے ہیں۔

یوں آپ تشنہ لب دریا سے باہر نکل آئے۔ تاریخ عالم مواسات کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ (بقول انیسؔ:)

لڑتا ہوا پہنچا لب ساحل جو وہ صفدر　　یاد آگئی بس تشنگیٔ آلِ پیمبرؐ

رہوار نے دیکھا رُخ عباسؑ کو مڑ کر　　سمجھے کہ ہے گھوڑا بھی بہت پیاس سے مضطر

آنکھوں سے رواں ہوں گے وہاں اشکِ سکینہؑ

بہتر ہے کہ اب جلد بھرو مشکِ سکینہؑ

شفاعت و مقامِ عباسؑ

منقول ہے کہ قیامت کے دن رسولِؐ خدا' حضرت علیؑ سے فرمائیں گے فاطمہؑ سے پوچھو کہ امت کی شفاعت و نجات کے لئے اس سخت وقت میں آپ کے پاس کیا ہے؟

حضرت علیؑ یہ پیغام حضرت فاطمہؑ کو دیں گے اور جناب فاطمہؑ جواب میں فرمائیں گی:

یَا أَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ کَفَانَا لِأَجْلِ هٰذَا الْمَقَامِ الْیَدَانِ الْمَقْطُوعَتَانِ مِنِ ابْنِیَ الْعَبَّاسِ

"اے امیر المومنین! ہمارے پاس (امت کی) شفاعت کے لیے میرے بیٹے عباسؑ کے دو کٹے ہوئے ہاتھ کافی ہیں" (معالی السبطین:۱/۲۷۶)

معجزاتِ عباسؑ

حضرت عباسؑ کے معجزات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے بیان کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے اور شائد ہی کوئی شیعہ ایسا ہو جسے قمر بنی ہاشمؑ باب الحوائج حضرت عباسؑ کا کوئی معجزہ یاد نہ ہو

صرف کتاب "چہرہ درخشان قمر بنی ہاشم" کی جلد اول میں آپ جناب کے چوبیس (۲۴) معجزے درج ہیں۔ ہم بطور تبرک حضرت عباسؑ کی چند کرامات نقل کرتے ہیں تا کہ کتاب ان حقائق سے خالی نہ رہے۔

① عالم جلیل القدر شیخ حسن جو کہ علامہ شیخ محسن کے فرزند ارجمند تھے۔ شیخ حسن کے پوتوں سے اور وہ الحاج منیشد بن سلمان سے اور وہ اہل فالحیہ سے' جو صاحب بصارت عارف اور لائق اعتماد شخص تھے، اور جنہوں نے خود اس کرامت کا مشاہدہ کیا' نقل کرتے ہیں:

خرم شہر کے براجعہ میں سے ایک شخص' جس کا نام تخلیف تھا، پاؤں کے ایک مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے پاؤں یکسر ناکارہ ہو گئے اور وہ باآسانی حرکت نہیں کر سکتا تھا وہ تیس سال تک اس حالت میں رہا اور خرم شہر کے اکثر لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا کہ وہ بازار اور مجالس عزا میں

اپنے دست و پا کے بل گھسٹتا ہوا لوگوں کی مدد سے آتا جاتا تھا۔ شیخ خزعل کعبی کا خرم شہر میں ایک امام بارگاہ تھی کہ جس میں محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں عزاداری کی مجالس برپا ہوتی تھیں جن میں کثیر تعداد میں لوگ شرکت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اوپر کی منزل میں خواتین بھی بیٹھی ہوتی تھیں۔ اس شہر میں رسم تھی کہ جب مدح خواں اپنے نوحے میں ذکرِ شہادت پر پہنچتا تھا تو اہلِ مجلس کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور مختلف انداز سے اپنے سر اور سینے پیٹتے تھے۔ تخیلف بھی ان مجالس میں شریک ہوتا تھا اور چونکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکتا تھا لہٰذا منبر کے نیچے ہی بیٹھا رہتا تھا۔

سات محرم کا دن حضرت عباسؑ کے مصائب کے لئے مخصوص تھا۔ جب خطیب نے قمرِ بنی ہاشم کے مصائب پڑھنا شروع کئے تو حاضرین میں سے مرد و زن کھڑے ہو گئے اور معمول کی گرم جوشی کے مطابق عزاداری کرنے لگے۔ اس حال میں اچانک تخیلف کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہے اور اپنے سر اور چہرے پر ماتم کر رہا تھا۔ وہ اس طرح نوحہ خوانی کر رہا تھا:

أَنَا مَخِيلُفْ قَيَّمَنِي الْعَبَّاسُ

"میں تخیلف ہوں کہ جسے عباسؑ علمدار نے پاؤں پر کھڑا کر دیا"۔

جب لوگوں نے حضرت عباسؑ کا یہ معجزہ دیکھا تو تخیلف کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے اسے آغوش میں لے لیا اور چومنے لگے۔ یہاں تک کہ اس کے لباس کو بھی بطور تبرک حاصل کرنے کے لئے پارہ پارہ کر دیا گیا۔ جب شیخ خزعل کعبی نے یہ حالت دیکھی تو اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا کہ اسے ان لوگوں کے ہجوم سے نکالو اور کسی کمرے میں لے جاؤ۔ اس روز خرم شہر روزِ عاشور کی طرح ہو گیا اور مردوں اور عورتوں کے گریہ و فریاد نے پورے شہر کو لرزا دیا۔

علامہ شیخ حسن مذکور کہتے ہیں:

جب تخیلف سے ماجرہ دریافت کیا گیا تو اس نے کہا: جس وقت لوگ عزائے عباسؑ میں اپنا سر پیٹ رہے تھے۔ میں منبر کے نیچے نیم خوابیدہ حالت میں بیٹھا تھا۔ میں نے ایک بلند قامت نیکوکار مرد کو سفید رنگ کے مضبوط گھوڑے پر مجلس میں آتے ہوئے دیکھا۔ جس نے مجھ سے فرمایا: اے تخیلف! تم عزائے عباسؑ میں چہرہ اور سر کیوں نہیں پیٹ رہے؟

میں نے عرض کیا: اے میرے آقا! اس حال میں مجھ میں سکت نہیں ہے۔

فرمایا: اٹھو! عرض کیا: میرے مولا! میں اٹھ نہیں سکتا! فرمایا: اٹھو! اور اپنے سر اور چہرے پر ماتم کرو۔ میں نے کہا: میرے آقا! مجھے اپنے ہاتھ کا سہارا دے دیں تا کہ میں اٹھ سکوں۔

فرمایا: میرے ہاتھ نہیں ہیں۔

میں نے کہا: تو پھر میں کیسے اٹھوں؟

فرمایا: میرے گھوڑے کی رکاب کو پکڑو اور اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔

پس میں نے گھوڑے کی رکاب کو پکڑا۔ گھوڑے نے مجھے اٹھایا اور مجھے منبر کے نیچے سے باہر کھینچ کر غائب ہو گیا۔ میں نے دیکھا تو مجھے صحت و سلامتی مل چکی تھی۔ (العباس مرحوم مقرم /۲۵۸، سردار کربلا ۲۶۲ ہدایت پنجم)

④ آیۃ اللہ عراقی مرحوم، جو کہ بزرگانِ نجف میں سے اور آیت اللہ شیخ مرتضیٰ انصاری کے شاگردوں میں سے تھے، نقل کرتے ہیں کہ شیخ نبیل، فاضل جلیل عبدالرحیم دزفولی (شوشتری) جو کہ شیخ انصاری مرحوم ہی کے شاگرد تھے۔ ہمارے لئے نقل فرماتے ہیں:

میری دو حاجات ایسی تھیں کہ جن کے پورا ہونے کے لئے میں بہت بے چین تھا۔ میں ان کا ذکر کسی سے نہیں کرتا تھا۔ میں نے بار بار ان حاجات کے برلانے کے لئے امیرالمومنینؑ، امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ سے درخواست کی اور ان کو اپنا شفیع قرار دیا، لیکن اثرِ قبولیت ظاہر نہ ہوا۔

اس دوران میں مَیں ایک مخصوص زیارت کے اوقات میں نجف سے کربلا گیا۔ میں نے حرمین شریفین میں دوبارہ عرضِ حاجت کی لیکن وہ قبول ہوتی دکھائی نہ دی۔ ایک دن میں حضرت عباسؑ کے حرم میں گیا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ روضہ مبارک میں جمع تھے۔ عورتوں کا شور برپا تھا اور لوگ آ جا رہے تھے۔ ان سب نے ایک شخص کو گھیر رکھا تھا۔ جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ صحرا کے بدوؤں کا ایک بچہ طویل عرصہ سے فالج زدہ تھا۔ اس کے اقرباء اسے حضرت عباسؑ کے حرم کے پاس لائے۔ وہ بچہ حضرت عباسؑ کی نظر کیمیا اثر کا متمنی ہوا

اور شفایاب ہو گیا۔ اب وہ صحیح وسلامت ہے۔

جب میں نے اسے دیکھا تو میری حالت منقلب ہو گئی۔ میں نے ایک سرد آہ بھری اور ضریح مطہر کے نزدیک پہنچ کر عرض کیا: یا اباالفضلؑ! میری دو شرعی اور آسان سی حاجتیں ہیں۔ جنہیں میں بار بار آپ کے والد گرامی اور بھائیوں کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں، لیکن انہوں نے ابھی تک نظر عنایت نہیں فرمائی' جب کہ یہ صحرائی عرب بچہ محض داخل حرم ہونے سے شفایاب ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس سالہ' زیارت ومجاورت اور علمی مشغولیت کے باوجود آپ کی نظر میں میری قدر ایک عرب بچے کے برابر بھی نہیں۔ میری ساری محنت ومشقت بے اثر رہی ہے سو میں اس کے بعد ان شہروں میں نہیں رہوں گا بلکہ ایران چلا جاؤں گا۔

میں نے یہ بات کہی اور حرم سے باہر نکل آیا۔ امام حسینؑ کے روضہ مبارک پر مختصر سا سلام کیا۔ اور ایک قہر زدہ شخص کی طرح اپنی منزل کی طرف مراجعت کی۔ میں نجف اشرف کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ شوشتر واپس جاسکوں۔

جب میں نجف اشرف میں داخل ہوا تو صحن مطہر کے راستے سے اپنے گھر گیا۔ وہاں میری ملاقات شیخ انصاری کے ملازم ملا رحمت اللہ سے ہو گئی۔ اس نے مصافحہ ومعانقہ کے بعد مجھ سے کہا کہ شیخ مرتضیٰ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا: شیخ کو کیسے علم ہوا' میں تو ابھی ابھی یہاں پہنچا ہوں؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتا انہوں نے مجھے فرمایا ہے کہ جاؤ صحن میں شیخ عبدالرحیم کربلا سے واپس پہنچا ہے اسے میرے پاس لے آؤ۔

میں نے اپنے آپ سے کہا: شاید اس ملاحظہ کا سبب مجاوروں کی عادت ہو کہ روز زیارت سے ایک دن بعد باہر نکلتے ہیں اور غالباً میں بھی صحن کے راستے سے داخل ہوا ہوں۔ پس ہم شیخ انصاری کے گھر کی جانب چل دیے۔ جب دروازے پر دستک دی تو شیخ نے پوچھا کون ہو؟ ملازم نے عرض کیا: شیخ عبدالرحیم کو لے کر آیا ہوں۔

شیخ مرتضیٰ باہر تشریف لائے اور ملا رحمت اللہ سے فرمایا کہ تم چلے جاؤ۔ جب وہ چلا گیا تو شیخ نے مجھ سے فرمایا: تمہاری حاجات یہ یہ ہیں!

میں نے عرض کیا: ہاں!

فرمایا: تمہاری ایک حاجت تو میں پوری کروں گا۔ البتہ دوسری حاجت کے لئے استخارہ کرتا ہوں' اگر ہاں میں ہوا تو وہ بھی پوری کردوں گا (پھر شیخ انصاری وہاں سے چلے گئے' واپس آئے تو فرمایا! میں نے جا کر استخارہ کیا ہے۔ جو ہاں میں ہے۔ اس اعلان کے بعد وہ حاجت بھی پوری کردی (دارالسلام عراقی /۵۳۹ ف ۵)۔ اسی داستان کو آیۃ اللہ بہجت نے نقل کیا ہے' لیکن وہ فرماتے ہیں:

شیخ عبدالرحیم کی تین حاجات تھیں: مکان خریدنا' سفر حج کرنا اور شادی کرنا۔ اور جب وہ شیخ انصاری کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا: یہ رقم لیں اور فلاں گھر خرید لیں، اور فلاں شخص آپ کو حج کے لئے بھیج دے گا' اور میں فلاں شخص کی بیٹی کے لئے استخارہ کرتا ہوں اگر استخارہ منظور ہوا تو اسے آپ سے رشتہ ازدواج میں باندھ دیا جائے گا۔ استخارہ قبول ہوا اور اس طرح (شیخ عبدالرحیم کی) تینوں حاجات پوری ہوگئیں۔

③ آل کبہ کے تاجر کی داستان۔ جس کا ذکر آپؑ کے لقب کے باب میں کیا جا چکا ہے۔

حضرت عباسؑ کی شہادت

حضرت عباسؑ نے جب دیکھا کہ اہل بیتؑ میں سے آپ کے متعدد بھائی شہید ہو چکے ہیں تو اپنی ماں ام البنینؑ کے پیٹ سے امیرالمومنینؑ کے فرزندوں یعنی اپنے مادری بھائیوں عبداللہ' جعفر اور عثمان سے فرمایا:

اے میرے بھائیو! میں آپ پر قربان' آگے بڑھو اور اپنی جانیں اپنے سید و سردار کے سپرد کردو۔ اور آنحضرتؑ کی حمایت میں استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے سامنے شہید ہو جاؤ۔ حضرت کے بھائیوں نے آپ کی اطاعت کی اور امام حسین علیہ السلام کے سامنے

کھڑے ہو گئے اور اپنی جانیں امام عالی مقام پر قربان کر دیں۔ (منتہی الآمال: ۱/ ۳۸۱)

جب حضرت عباسؑ نے امام حسینؑ کو تنہا دیکھا تو ان کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: مجھے رخصت عطا کیجئے کہ اپنی جان آپ پر قربان کر سکوں۔ آنحضرتؑ نے یہ بات سن کر شدید گریہ کیا۔ پھر فرمایا: اے بھائی! آپ تو میرے علم بردار ہیں۔ اگر آپ شہید ہو گئے تو لشکر بکھر جائے گا۔

حضرت عباسؑ نے عرض کیا: اے بھائی (اے آقا! رنج والم برداشت کرتے کرتے) میرا سینہ تنگ ہو گیا ہے اور میں دنیا کی زندگی سے اکتا گیا ہوں اور ان منافقوں سے جنگ کرنا چاہتا ہوں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: فی الحال ان بچوں کی زندگی کے لئے پانی طلب کیجئے۔ حضرت عباسؑ نے لشکر کی طرف حرکت کی اور انہیں وعظ اور نصیحت کی۔ لیکن ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔

بعض روایات کے مطابق' بلند آواز میں فرمایا: اے عمر سعد! یہ رسول خداؐ کے بیٹے حسینؑ ہیں کہ جن کے اصحاب اور اہل بیت کو قتل کیا گیا۔ اور یہ ان کے عیال واولاد ہیں کہ جو پیاسے ہیں۔ انہیں پانی دیجئے کہ ان کے دل پیاس سے جل رہے ہیں۔ اور فرمایا: مجھے جانے دو کہ حجاز و عراق کو تمہارے لئے چھوڑ دوں۔

ان اشقیاء میں سے بعض کے دل پر کلام عباسؑ نے اثر کیا اور وہ گریہ کرنے لگے۔ لیکن شمر نے با آواز بلند کہا: اے ابوترابؑ کے بیٹے! اگر تمام زمین پانی ہو جائے تو بھی ہم اس میں سے ایک قطرہ تمہیں نہیں دیں گے جب تک کہ تم لوگ یزید کی بیعت نہ کر لو۔ (مقتل مقرم/ ۳۳۵)

ناچار آپ واپس اپنے بھائی کی خدمت میں پہنچے اور جو کچھ سنا تھا ان سے عرض کیا: آپ نے بھائی کے بچوں کی صدائے العطش کو سنا تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، نیزہ ہاتھ میں لیا' مشکیزہ اٹھایا اور دریائے فرات کی طرف جانے کا ارادہ کیا (کہ شاید پانی لاسکیں) دشمن کے چار ہزار لشکری فرات پر متعین تھے، انہوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور آپؑ پر تیروں کی بارش کر دی۔ آپ کے بدنِ مطہر پر اتنے تیر لگے کہ آپ کی زرہ خارپشت (سیہ) کی مانند دکھائی

دینے لگی۔

بیشہ شجاعت کے اس شیر ببر نے دشمن پر حملہ کیا۔ آپؑ اس وقت رجز پڑھ رہے تھے اور اپنے اردگرد سے دشمنوں کو بھگا رہے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے اسی (۸۰) افراد کو واصل جہنم کیا اور خود آب فرات تک پہنچے۔ (زحمتِ جنگ اور پیاس کی شدت سے آپؑ کا جگر کباب ہو رہا تھا) آپ نے چاہا کہ پانی پئیں۔ لیکن ایک چلو پانی لیا تو حسینؑ اور اہل بیت حسینؑ کی پیاس یاد آ گئی۔ آپؑ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ لَا أَذُوْقُ الْمَاءَ وَسَيِّدِيَ الْحُسَيْنُ عطْشَانَ

"خدا کی قسم! میں اپنے ہونٹوں سے پانی کو نہیں چھوؤں گا جب تک کہ میرے آقا حسینؑ تشنہ کام ہیں"۔

آپ نے چلو سے پانی گرا دیا۔ مشکیزہ پانی سے بھرا اور دائیں کاندھے پر لٹکا کر نہر سے باہر نکلے۔ آپ کی توجہ خیموں کی طرف تھی۔

اشقیاء کے لشکر نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو آپ کا رستہ روک لیا اور چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ آپ شیر خشمناک کی طرح ان پر حملہ آور ہوئے اور انہیں راستے سے ہٹاتے ہوئے آگے بڑھے۔ اچانک نوفل ازدق اور دوسری روایت کے مطابق زید بن ورقا کہ جو کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا، درخت کی اوٹ سے برآمد ہوا۔ حکیم بن طفیل نے اس کی کمک کی اور ایک ضربت سے آپ کے دائیں ہاتھ کو بدن سے جدا کر دیا۔

آپؑ نے بائیں شانے پر مشکیزہ اٹھایا اور بائیں ہاتھ ہی میں تلوار لئے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ آپ اس وقت یہ رجز پڑھ رہے تھے:

وَاللّٰهِ اِنْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِي
اِنِّي اُحَامِيْ أَبَدًا عَنْ دِيْنِي
وَعَنْ اِمَامٍ صَادِقِ الْيَقِيْنِ
نَجْلِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الْاَمِيْنِ

"خدا کی قسم! اگر چہ تم نے میرا دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے، لیکن میں پھر بھی اپنے دین دار طاہر و امین پیغمبرؐ کی بیٹی کے بیٹے اور اپنے سچے پیشوا (حسین علیہ السلام) کی حمایت کروں گا"

چو دستِ راست جدا شد ز پیکر عباسؑ
گریست عرش بہ حال برادرِ عباسؑ
شکست پشتِ رسولؐ از شکست بازو یش
خمید قد علیؑ چون ہلال ابرویش
جہان بہ دیدہ مظلوم کربلا شب شد
سپہر گفت: اسیری نصیب زینبؑ شد

"جب عباسؑ کا دایاں بازو بدن سے جدا ہوا تو عباسؑ وفادار کے بھائی (حسینؑ) کے حالِ زار پر عرش نے گریہ کیا۔ عباسؑ کا بازو کٹنے سے رسول معظم کی کمر ٹوٹ گئی اور علی مرتضیٰؑ کا قدِ راست ہلالِ ابرو کی مانند خمیدہ ہو گیا۔ مظلوم کربلاؑ آنکھوں میں (پورا) جہان شب تاریک کی صورت اختیار کر گیا۔ آسمان نے ندا دی زینبؑ کو قیدی بنایا جائے گا"۔

آپ جہاد کرتے ہوئے خیام کی طرف بڑھے۔ نوفل ایک اور روایت کے مطابق حکیم بن طفیل جو کہ کمین گاہ میں چھپا بیٹھا تھا نے آپ کے بائیں ہاتھ کو بھی بدن سے جدا کر دیا۔ دریں اثناء حضرت عباسؑ نے یہ رجز پڑھا:

يَا نَفْسُ لَا تَخْشَىْ مِنَ الْكُفَّارِ
وَابْشِرِىْ بِرَحْمَةِ الْجَبَّارِ
مَعَ النَّبِيِّ السَّيِّدِ الْمُخْتَارِ
مَعَ جُمْلَةِ السَّادَاتِ وَالْاَطْهَارِ

قَدْ قَطَعُوا بِبَغْيِهِمْ يَسَارِیْ

فَاَصْلِهِمْ یَارَبِّ حَرَّ النَّارِ

"اے نفس! کفار کے اس ہجوم اور حملے سے نہ ڈر کہ تو خداوند جبار کی رحمت سے شاد و خرسند ہوگا۔ اور پیغمبر بزرگوار سید ابرار احمد مختارؐ اور جملہ سادات و (آئمہؑ) اطہارؑ کے جوار میں جگہ پائے گا۔

پروردگار! ان اشرار نے میرا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا ہے۔ تو انہیں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈال"۔

آپ نے مشک کو اپنے دندانِ مبارک میں لیا تا کہ پیاسوں تک پانی پہنچا سکیں کہ اچانک یک تیر مشک کو آ کر لگا۔ جس سے پانی زمین پر بہہ گیا۔ دوسرا تیر آپؑ کے سینہ مبارک پر لگا۔ آپ گھوڑے سے زمین پر گرے اور یہ فریاد بلند کی: بھائی اپنے بھائی کی مدد کو پہنچیے۔

کتب مناقب اور دیگر کتب کی روایات کے مطابق 'نوفل بن ازرق نے ایک آہنی گرز آپ کے سر مبارک پر مارا۔ بعض روایات کے مطابق اس گرز کے اثر سے آپ کا سر شگافتہ ہوگیا اور شگاف دماغ تک جا پہنچا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ (بقول انیسؔ:)

حضرتؑ کو پکارا مرے آقا! مرے آقا! دوڑو مجھے مارا مرے آقا! مرے آقا!

تن زخمی ہے سارا مرے آقا! مرے آقا! بندہ ہوں تمہارا مرے آقا! مرے آقا!

سقے کی بہشتی کی فدائی کی خبر لو

خدام کی نمک خوار کی بھائی کی خبر لو

مظلوم کربلاؑ نے جب بھائی کی صدا سنی تو آپ کے پاس پہنچے۔ جب اپنے بھائی کو اس حال میں دیکھا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا:

اَلْاٰنَ اِنْكَسَرَ ظَهْرِیْ وَقَلَّتْ حِيْلَتِیْ

(بحار الانوار: ۴۵/۴۱ منتہی الآمال: ۱/۳۸۴ وغیرہ)

"آج میری کمر ٹوٹ گئی اور میرا چارۂ تدبیر ختم ہوگیا"۔

(کتاب العباس مصنفہ مرحوم مقرم[1])

"وَشَمِتَ بِیْ عَدُوِّیْ"، اور دشمن نے میری سرزنش کے لئے زبان کھولی۔

یہاں بھی میر انیسؔ نے شاعرانہ منظر کشی کی خوب داد دی ہے:

چلّا کے شہ دیں نے کہا ہائے برادر — تم بھائی سے ہوتے ہو جدا ہائے برادر
بھائی ہوا تم پہ فدا ہائے برادر — لکھی تھی جوانی میں قضا ہائے برادر
افسوس کہ وقفہ نہ کیا چند نفس کا
ساتھ آج چھٹا جاتا ہے بتیس برس کا

بسمل سے تڑپتے ہوئے جب نہر پہ آئے — عباسؑ کوئی آن کے مہمان نظر آئے
سر پیٹتے شبیرؑ جو بالائے سر آئے — اشک آنکھوں میں عباسِ دلاور بھر آئے
زخمی کو جو اٹھنے کی نہ طاقت تھی زمیں سے
ملنے لگے آنکھیں قدمِ سرورِ دیں سے

شیعہ مورخین اور محدثین سے مروی روایات پر مبنی کتاب "مقتل ابی مخنف" میں ہے کہ حضرت عباسؑ نے قوم اشقیاء پر حملہ کیا۔ اس کے بعد بارش کے قطروں کی طرح بے شمار تیر چاروں طرف سے آپ پر برسے جن کی کثرت سے آپ کی زرہ خار پشت (سیہی) کے جسم کی مانند ہوگئی۔ اور باوجود اس کے کہ مشک آپ کی پشت مبارک پر تھی۔ اور آپ بائیں ہاتھ سے جنگ

1- مرحوم مقرم شیخ کاظم سبتی رحمۃ اللہ جو کہ ایک عالم و فاضل ہستی تھے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک قابل اعتماد عالم میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا: میں تمہاری طرف حضرت عباسؑ کا فرستادہ ہوں۔ میں نے مولا کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ ہم پر ناراض ہو رہے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ شیخ کاظم میری مصیبت کا ذکر کیوں نہیں کرتا۔ میں نے آقا سے عرض کیا: میں نے ہمیشہ ان سے آپ کے مصائب سنے ہیں۔ مولاؑ نے فرمایا! اسے کہو کہ اس مصیبت کا ذکر کیا کرے کہ جب بھی کوئی سوار گھوڑے سے گرتا ہے تو وہ اپنے دونوں بازوؤں کے بل زمین پر آتا ہے، لیکن اگر اس کے سینے پر تیر پیوست ہوں اور اس کے دونوں بازو کاٹ دیئے گئے ہوں تو وہ کس چیز کا سہارا لے گا اور کس طرح زمین پر آئے گا۔ (مقتل مقرم/۳۳۷)

(کیونکہ آپ کا دایاں ہاتھ کٹ چکا تھا) پھر بھی آپ نے بہت سے سورماؤں کو قتل کیا اور انہیں واصلِ جہنم کیا۔ ابن سعد نے (یہ حالت دیکھ کر) آواز دی:

وَیلَکُمْ اِرْشَقُوا الْقِرْبَۃَ بِالنَّبلِ فَوَاللّٰہِ اِنْ شَرِبَ الْحُسَیْنُ الْمَاءَ أَفْنَاکُمْ عَنْ آخِرِکُمْ. اَمَا ھُوَ الْفَارِسُ وَالْبَطَلُ الْمُدَاعِسُ

"وائے ہو تم پر! تیر سے مشک کا پانی بہا دو۔ خدا کی قسم اگر حسینؑ نے پانی پی لیا تو ہم سب کو نابود کر دیں گے۔ خبردار ہو جاؤ کہ وہ جنگجو اور نیزہ باز اور شمشیر زن بہادر ہیں"۔ (کبریت احمر/۳۸۹ مقتل ابی مخنف/۹۱)

پس دفعتاً اشقیا نے حضرت عباسؑ پر ہجوم کر دیا۔ آپ دفاع فرما رہے تھے اور اس اثنا میں آپ نے ایک سو اسی (۱۸۰) سواروں کو تہ تیغ کیا۔

"عدۃ الشھور" نامی کتاب میں منقول ہے کہ سن ۴۰ ہجری کے رمضان کی اکیسویں شب کو (جو شہادت امیر المومنینؑ کی شب تھی) امیر المومنین علی علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو اپنی گود میں بٹھا کر سینے سے لگایا اور آپ کی آنکھیں چوم کر فرمایا:

"وَلَدِی، سَتَقِرُّ عَیْنِی بِکَ فِی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَلَدِیْ اِذَا کَانَ یَوْمُ عَاشُوْرَا وَدَخَلْتَ الْمَشْرَعَۃَ اِیَّاکَ اَنْ تَشْرَبَ الْمَاءَ وَاَخُوکَ الْحُسَیْنُ عَطْشَانُ"

"میرے بیٹے! جلد ہی روز قیامت کو میری آنکھیں تیرے وسیلے سے روشن ہو جائیں گی۔ میرے بیٹے! جب روز عاشور آ پہنچے اور تم نہر فرات میں داخل ہو تو کہیں اپنے بھائی حسینؑ کی پیاس کی حالت میں تم پانی نہ پی لینا۔ (معالی السبطین: ۱/۲۷۷ اور اسی کی نظیر: العباس/۲۰۰ باب مواسات)

"محرق الفواد" نامی کتاب اور "مقتل ابن عربی" میں مذکور ہے کہ جس وقت حضرت عباسؑ کے بازو قطع کیے گئے اور آپؑ مظلومیت کی حالت میں زمین پر گرے تو اپنے بھائی کو صدا دی:

یَا اَخَا اَدْرِکْ اَخَاکَ "اے بھائی اپنے بھائی کی مدد کو پہنچیے"۔

امام مظلوم اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور حضرت عباسؑ کی مدد کے لئے میدانِ جنگ کا رخ کیا۔ آپ عباسؑ کی صدائے نالہ وفریاد کی طرف بڑھے۔ اچانک ذوالجناح رک گیا اور قدم نہ اٹھاتے ہوئے اپنے سر کو امام مظلومؑ کی طرف بلند کر کے گریہ ونوحہ زاری کرتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کیا۔ امام سمجھ گئے کہ کوئی بات ہے:

فَلَمَّا نَظَرَ الْحُسَيْنُ اِلَى الْاَرْضِ رَأَى اَيْدِىْ اَخِيْهِ الْعَبَّاسِ مَقْطُوعَةً وَفِى التُّرَابِ مَوْضُوعَةً

''جب نگاہ کی تو اپنے بھائی عباسؑ کے کٹے ہوئے ہاتھ خاک پر پڑے دیکھے۔ امامؑ جھکے! بھائی کے کٹے ہاتھوں کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا''۔ اور فرمایا:

اَلْاٰنَ انْكَسَرَ ظَهْرِىْ وَقَلَّتْ حِيْلَتِىْ

''آج میری کمر ٹوٹ گئی اور میرا چارہ کار ختم ہو گیا''۔ (انوار الشہادۃ ۹۸ ف ۸)

مرحوم شیخ جعفر شوشتری امام کے اپنے بھائی کے ہاتھوں کے دیکھنے کی بات کو بعید از امکان تصور کرتے ہیں اور مجالس المواعظ (ص ۸ ۷ م ۸) میں فرماتے ہیں: یہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نہر فرات کا حضرت عباسؑ کی شہادت گاہ سے راستہ' خیمہ گاہ سے آپ کی شہادت گاہ کے راستے کے علاوہ ہے۔ اور حضرت عباسؑ کے دست ہائے بریدہ نہر سے شہادت گاہ کے راستے میں گرے تھے۔ اس بنا پر ممکن نہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کی لاش پر پہنچتے ہوئے ان کے کٹے ہاتھوں کو دیکھا ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک تیر آپ کے سینہ اقدس میں لگا' جس سے آپ زمین پر آ گرے۔ آپ نے اپنے خون میں لوٹتے پوٹتے آواز دی:

وَاَخَاهُ وَاحُسَيْنَاهُ وَااَبَتَاهُ وَعَلِيَّاهُ

''اور فریاد کی اے ابا عبداللہ آپ پر میرا سلام ہو (خدا حافظ)''

جواباً امامؑ نے فرمایا:

وَآخاهُ واعبّاساهُ مُهجَةَ قَلْباهُ

"ہائے میرے بھائی! ہائے میرے عباسؑ! ہائے میرے سرورِ دل و جان"۔

اور پھر شکاری باز کی مانند آپ کی طرف بڑھے۔ لشکرِ اشقیاء کو اپنے بھائی سے دور ہٹایا اور اس کارگزاری میں دشمن کے ستر (۷۰) افراد کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ حضرت زینبؑ نے فریاد کی اور کہا:

"وَآخاهُ ، واعبّاساهُ واقِلّةَ ناصِراهُ وا ضَيّعتاهُ مِنْ بَعْدِكَ"

"ہائے میرے بھائی' ہائے عباس' ہائے آپ کے بعد ہم بے یار و مدد گار ہوئے اور مصیبت میں گرفتار ہوں گے"۔

امام مظلومؑ نے فرمایا! ہاں خدا کی قسم! عباسؑ کی شہادت کے بعد ہمارے برباد ہونے پروائے' ہمارے چارہ کار کے ختم ہو جانے پروائے ، اور شہادتِ عباسؑ کے بعد میری کمر ٹوٹ جانے پروائے۔

پس اہلِ حرم نے گریہ و زاری شروع کر دی اور امام مظلوم بھی ان کے ہمراہ گریہ فرما رہے تھے اور آپ اس وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

أَخِيْ يَا نُوْرَ عَيْنِي يَا شَقِيْقِي

فَلِيْ قَدْ كُنْتَ كَالرُّكْنِ الْوَثِيْقِ

أَيَا ابْنَ أَبِيْ نَصَحْتَ أَخَاكَ حَتّٰى

سَقَاكَ اللّٰهُ كَاْسًا مِنْ رَحِيْقِ

أَيَا قَمَرًا مُنِيْرًا كُنْتَ عَوْنِيْ

عَلٰى كُلِّ النَّوَائِبِ فِيْ الْمَضِيْقِ

فَبَعْدَكَ لَا تَطِيْبُ لَنَا حَيَاةٌ

سَنَجْمَعُ خِنِّي فِی الْخَدَاةِ عَلٰی الْحَقِیْقِ

أَلَا لِلّٰهِ شَکْوَائِی وَصَبْرِی

وَمَا أَلْقَاهُ مِنْ ظَلْمَاءِ وَضِیْقِ

''اے میرے بھائی! ہائے میری آنکھوں کے نور اور بدن کے ٹکڑے' تم میرے لئے ایک استوار ستون کی مانند تھے۔ اے میرے باپ کے فرزند! تم نے اپنے بھائی کی مدد اور نصرت کی' حتیٰ کہ خدائے متعال نے تمہیں بہشت کی خوشگوار شراب سے بھرپور جام پلا دیا۔

اے درخشندہ اور عالمتاب ماہتاب! تم سختیوں اور تنگیوں میں ہمارے یار ومددگار تھے پس تمہارے بعد ہمارے لئے زندگی ناگوار ہے۔ اور لاریب کل (بہشت میں) ہم اکٹھے ہوں گے۔ جو کچھ میں نے تشنگی اور سختی میں دیکھا ہے! اس کی صرف بارگاہِ الٰہی میں شکایت کرتا ہوں اور اس پر صبر کرتا ہوں''۔

''منتخب'' میں ہے کہ امام مظلومؑ نے صدا بلند کی:

وَاَخَاهُ وَاعَبَّاسَاهُ وَامُهْجَةَ قَلْبَاهُ وَاقُرَّةَ عَيْنَاهُ وَاقِلَّةَ نَاصِرَاهُ

''ہائے میرے بھائی! ہائے میرے عباسؑ! ہائے میرے سرورِ قلب وجان! ہائے میرے نورِ چشم! ہائے مددگاروں کی کمی''۔

خدا کی قسم! آپ کی جدائی میرے لئے بہت سخت ہے۔ اس کے بعد شدید گریہ فرمایا۔

مرحوم دربندی قدس سرہ نے ''اسرار الشہادۃ'' میں نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے آپؑ کے جسد کو اٹھانے کا ارادہ کیا' حضرت عباسؑ نے آنکھیں کھولیں اور اپنے بھائی حسینؑ کو دیکھا کہ آپ کو اٹھا کر خیمے میں لے جانا چاہتے ہیں۔ تو عرض کیا! آپ کو اپنے نانا رسولؐ خدا کی قسم! مجھے خیموں میں نہ لے جایئے' بلکہ اسی جگہ رہنے دیجئے۔

امام نے فرمایا: وہ کس لئے؟

عباسؑ نے عرض کیا: مجھے آپ کی بیٹی سکینہؑ سے نے شرم محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ میں نے اس سے پانی لا کر دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن پانی نہیں لا سکا۔ اور چونکہ میں آپ کے لشکر کا سردار اور علم بردار بھی تھا لہٰذا جب آپ کے ساتھی مجھے مقتول دیکھیں گے تو ان کا عزم و صبر کم ہو جائے گا۔

امامؑ نے فرمایا: خداوند قدوس آپ کے بھائی کی طرف سے آپؑ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے اپنی زندگی اور موت میں میری مدد کی۔ (معالی السبطین: ۱/۴/۲۷)

اور بعض دوسری معتبر کتب میں مرقوم ہے کہ حضرت عباسؑ کو لگنے والے زخموں کی کثرت کے سبب امامؑ نے آپؑ کو گنج شہداء سے نہ اٹھایا۔ پس آپ کو گنج شہیداں میں چھوڑ کر گریہ فرماتے ہوئے غم زدہ حالت میں خیام کی طرف واپس لوٹ گئے۔ (وقائع الایام خیابانی/۴۳۲)

مرحوم مقرم رقم طراز ہیں کہ حضرت عباسؑ کو قتل گاہ میں چھوڑ آنے میں بہت سے اسرار اور حقائق پنہاں ہیں جو ہر تیز بین پر آشکار ہیں۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو امام ہر قیمت پر انہیں اٹھا لاتے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ راز آشکار ہو گیا ہے کہ مقصد یہ تھا کہ ارباب حوائج عازم سفر ہوں اور جناب عباسؑ کے حرم مطہر سے دنیا و آخرت کے لئے توشہ حاصل کریں' تاکہ سب پر آنحضرت کے معجزات و کرامات ظاہر ہو سکیں اور امت (محمدی) خدا کے حضور ان کی قدر و منزلت سے آگاہ ہو۔ اور ان کی حقیقی قدر و قیمت سے واقف ہو کر اپنے دلوں میں قمر بنی ہاشم کی محبت کی جوت جگائیں۔ خداوند متعال اور (لوگ) اس کے ولی و حجت کا ارادہ تھا کہ حضرت عباسؑ کی ظاہری منزلت بھی ان کی معنوی اور اُخروی منزلت کی مانند ہو جائے یہ اسی طرح ممکن تھا' کیونکہ اگر امامؑ انہیں حائر مقدس میں اٹھا لاتے تو امام کا نور فضل و برتری غالب آ جاتا اور ان کی منزلت جو کہ آئمہ اطہارؑ کی مانند ہے، ظاہر نہ ہو پاتی۔

جب شہداء کی قبریں تعمیر کی گئیں تو مرحوم سید بحر العلوم سے سوال کیا گیا: ہر شہید کی قبر اس کے قد و قامت کے برابر ہے۔ مگر حضرت عباسؑ کی قبر اس قدر چھوٹی کیوں ہے حالانکہ

كَانَ الْعَبَّاسُ رَجُلاً طَوِيْلاً جَمِيْلاً وَسِيْمًا جَسِيْمًا يَرْكَبُ الْفَرَسَ الْمُطَهَّمَ وَرِجْلَاهُ يَخُطَّانِ فِي الْاَرْضِ

"حضرت عباسؑ بلند قامت' خوبصورت اور وسیم وجسیم تھے اور جب تنومند گھوڑے پر سوار ہوتے تھے (اگر پاؤں رکابوں میں رکھتے تو آپ کے زانوئے مبارک گھوڑے کے سر تک بلند ہوتے اور اگر پاؤں رکابوں میں نہ رکھتے) تو آپ کے پاؤں زمین پر خط کھینچتے تھے"۔

مرحوم سید بحرالعلوم یہ سوال سن کر اس قدر روئے کہ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا: ۱۳ محرم کو جب امام زین العابدینؑ نے تمام شہداء کے لاشے دفن کر لئے تو نہر علقمہ کے کنارے پہنچے اور ہر ممکن کوشش کی کہ اپنے چچا عباس کو اٹھا کر دوسرے شہیدوں کے پاس لے جائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ جب امام نے دیکھا کہ آپ کا بدنِ اطہر گوشت کی طرح کوبیدہ اور پارہ پارہ ہو چکا ہے تو اسی جگہ سپرد خاک کر دیا۔ امامؑ نے آپؑ کے کٹے ہوئے اعضا کو اکٹھا کیا اور قبر بنادی۔ (ریاض القدس: ۲/۳۱۹)

منقول ہے کہ:

لَمَّا قُتِلَ الْعَبَّاسُ بَانَ الْاِنْكِسَارُ فِيْ وَجْهِ الْحُسَيْنِ (عَلَيْهِ السَّلَامُ)

"جب حضرت عباسؑ شہید ہوئے تو امام حسینؑ کے چہرے پر آثارِ شکستگی نمودار ہو گئے"۔ (منہاج الدموع/ ۳۲۹)

امام خیام میں واپس تشریف لے گئے۔ آپ شکستہ حال رنجیدہ خاطر اور گریہ کناں تھے۔ اور اپنی آستین سے آنسو پونچھ رہے تھے۔ لشکر آپ کے خیمے کے قریب جمع تھا۔ پس آپ نے ندا بلند کی:

أَمَا مِنْ مُغِيْثٍ يُغِيْثُنَا أَمَا مِنْ مُجِيْرٍ يُجِيْرُنَا أَمَا مِنْ طَالِبِ حَقٍّ يَنْصُرُنَا أَمَا مِنْ خَائِفٍ مِنَ النَّارِ فَيَذُبَّ عَنَّا

"ہے کوئی فریادرس کہ جو میری فریادرسی کرے؟ ہے کوئی پناہ دینے والا کہ ہمیں پناہ دے؟ ہے کوئی طالب حق کہ ہماری مدد کرے؟ ہے کوئی جہنم

سے ڈرنے والا کہ ہمارے ذریعے جہنم سے بچ سکے؟"

بی بی سکینہؑ نے امامؑ سے اپنے چچا کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے اسے چچا کی شہادت کی خبر دی۔ جب حضرت زینبؑ نے یہ سنا تو فریاد بلند کی: ہائے میرے بھائی' ہائے عباسؑ ہائے تمہارے بعد ہماری بربادی۔ خواتین رو رہی تھیں اور امامؑ بھی ان کے ہمراہ گریہ کناں تھے اور فرما رہے تھے: اے بھائی! ہائے تیرے بعد ہم برباد ہو گئے۔ (مقتل مقرم/۳۳۹)

احادیث کی کتب میں منقول ہے کہ مسجد مدینہ کے منبر پر بیٹھ کر پیغمبر اکرمؐ نے اپنے اصحاب کو جنگ موتہ میں حصہ لینے والے مسلمانوں سے آگاہ کیا اور انہیں حضرت جعفر بن ابو طالب کی شہادت کی خبر دی۔

اس وقت حضرت علیؑ مسجد میں نہیں تھے۔ جب آپؑ مسجد میں تشریف لائے تو مسلمانوں کے چہروں پر حزن و ملال کے آثار دیکھے۔ آپ نہایت اضطراب سے خدمت پیغمبرؐ میں پہنچے اور عرض کیا: آیا آپ تک جنگ موتہ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں کی کوئی خبر پہنچی ہے؟ رسول معظمؐ نے حضرت علیؑ کو جناب جعفر کی شہادت کی خبر سنائی۔

جب آپؑ نے اپنے بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو صدائے گریہ بلند کی اور فرمایا: "اَلْآنَ اِنْفَصَمَ ظَهْرِی" (لغت میں انفصام سے مراد جدا ہو جانا ہے) جعفر کی موت کی خبر سن کر علیؑ کی پشت کی ہڈیاں جدا ہو گئیں۔ لیکن امام حسینؑ نے اپنے بھائی (عباسؑ) کی شہادت کے وقت فرمایا تھا:

"اَلْآنَ اِنْكَسَرَ ظَهْرِیْ" (منہاج الدموع/۳۳۰)

آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی مرحوم فرماتے ہیں:

وَبَانَ اَلْاِنْكِسَارُ جَبِيْنَهُ

فَانْدَكَّتِ الْجِبَالُ مِنْ حَنِيْنِهِ

وَكَيْفَ لَا وَهُوَ جَمَالُ بَهْجَتِهِ

وَفِيْ مُحَيَّاهُ سُرُوْرُ مُهْجَتِهِ

كَافِلُ أَهلِهِ وَسَاقِيْ صِبْيَتِهِ
وَحَامِلُ اللِوَاءِ بِغَالِي هِمَّتِهِ

"امام حسینؑ کے چہرے پر آثار شکستگی نمایاں ہو گئے اور آپ کے نالہ وفریاد سے پہاڑ پاش پاش ہو گئے۔ اس طرح کیوں نہ ہوتا وہ آپؑ کے سرور و شادمانی کا سبب' زندگی کا سرمایہ خوشی اور سرور قلب وجاں تھے۔ آپؑ کے اہل بیتؑ کے نگہبان' بچوں کے ساقی اور علمبردار (عباسؑ) نے اپنے تمام تر قوئی اسے امام عالی مقام کی حمایت کی"۔ (فرسان الھیجا:۱/ ۲۱۷)

واعظ محترم حاج سید مرتضیٰ برقعی مرحوم جو کہ قم کے مشہور واعظوں میں سے تھے۔ اور مراجع عظام کے گھروں میں زینت منبر بنتے تھے، اور تاریخ ومقتل کے تتبع میں معروف تھے، اپنی ایک مجلس میں یوں نقل کرتے ہیں:

جب جناب عباسؑ کے ہاتھ قطع کر دیئے گئے تو ایک تیر آپ کی چشم مبارک پر لگا۔ چونکہ ہاتھ نہیں تھے۔ اس لئے آپ اپنے زانو کو اُوپر لائے (اور سر کو نیچے کیا) تاکہ زانو کے ذریعے چشم مبارک سے تیر کو نکال سکیں۔ جب آپؑ نیچے جھکے تو ایک ظالم نے آہنی گرز آپ کے سر پر مارا جس سے آپ زمین پر آ گرے۔

میں حقیر متاسف ہوں کہ میں نے اس بیان کا مدرک (حوالہ) مرحوم سے کیوں نہ پوچھا۔ البتہ وہ اس سلسلے میں ایک خواب ہمارے لئے نقل کرتے ہیں کہ جس کا مطلب اس کی تائید کرتا ہے اور وہ خواب یہ ہے۔

مرحوم (سید ابراہیم) سید محمد ابراہیم قزوینی (متوفی ۱۳۶۰ ہجری) حضرت عباس کے مزار کے صحن مطہر میں امام جماعت تھے۔ اور آقا شیخ محمد علی خراسانی (متوفی سال ۱۳۸۳) جو کہ ایک بے نظیر واعظ تھے نماز کے بعد منبر نشین ہوتے تھے۔

ایک رات خراسانی مرحوم حضرت عباسؑ کے مصائب پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے آپ کی چشم مبارک میں تیر کے لگنے کا تذکرہ کیا۔

مرحوم قزوینی جو کہ سخت متاثر ہوئے اور بہت گریہ کر رہے تھے' نے ان سے پوچھا آپ نے اتنی سخت مصیبت کو کیوں پڑھا کہ جس کی کوئی مضبوط سند موجود نہیں ہے؟

رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت عباسؑ کے حضور مشرف ہیں۔ حضرت عباس نے ان سے فرمایا: سید ابراہیم! کیا تم کربلا میں موجود تھے اور تمہیں معلوم ہے کہ روز عاشور میرے ساتھ کیا ہوا؟ جب میرے دونوں ہاتھ بدن سے جدا کردیئے گئے تو دشمن کی سپاہ نے مجھ پر تیروں کی بارش کردی۔ اس وقت ایک تیر میری آنکھ میں لگا (شاید یہ فرمایا کہ میری دائیں آنکھ میں لگا) میں نے سر کو ہر ممکن جنبش دی کہ تیر باہر نکل آئے لیکن تیر نہ نکلا جب کہ میرے سر سے عمامہ بھی گر گیا۔ میں نے اپنے زانو کو بلند کیا اور خود نیچے جھکا کہ زانو کے وسیلے سے آنکھ سے تیر نکال سکوں۔ اتنے میں دشمن نے میرے سر پر آہنی گرز مارا (سردار کربلا/۲۸۹ چہرہ درخشان قمر بنی ہاشم ۱/۲۳۵ آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی کے فرزند سے منقول ہے)

رثائے عباس میں چند شعر پیش ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَیُّ بَدْرٍ خَرَّ عَنْ
اُفُقِ الْهِدَايَةِ فَاسْتَشَاطَ ظَلَامُهَا

فَمَنِ الْمُعَزِّیْ السِّبْطَ سِبْطَ مُحَمَّدٍ
بِفَتًى لَهُ الْاَشْرَافُ طَأْطَأَ هَامُهَا

وَأَخٍ كَرِيْمٍ لَمْ يَخُنْهُ بِمَشْهَدٍ
حَيْثُ السُّرَاةُ كَبَا بِهَا أَقْدَامُهَا

تَاللّٰهِ لَا أَنْسَى ابْنَ فَاطِمَ اِذْ جَلَا
عَنْهُ الْعَجَاجَةَ يَسْتَكِرُّ قُتَامُهَا

مِنْ بَعْدِ أَنْ حُطِمَ الْوَاشِيْجُ وَثُلِّمَتْ
بِيْضُ الصِّفَاحِ وَنُكِّسَتْ اَعْلَامُهَا

حَتّٰى اِذَا حُمَّ الْبَلَاءُ اِنَّمَا

أَبْدَىٰ لَقضَاءُ جَرَتْ بِهِ أَقْلاَمُهَا

وَأتٰى بِهِ نَحْوَ الْمُخَيَّمِ حَامِلًا

مِنْ شَاهِقِیْ عُلْیَاءَ عَزَّ مَرَامُهَا

وَهَوىٰ عَلَیْهِ مَا هُنَالِكَ قَائِدٌ

اَلْیَوْمَ بَانَ عَنِ الْیَمِیْنِ حُسَامُهَا

اَلْیَوْمَ سَارَ عَنِ الْکَتَائِبِ کَبْشُهَا

اَلْیَوْمَ غَابَ عَنِ الصَّلٰوةِ إمَامُهَا

اَلْیَوْمَ آلَ اِلٰی التَّفَرُّقِ جَمْعُنَا

اَلْیَوْمَ حَلَّ عَلٰی الْبُنُوْدِ نِظَامُهَا

اَلْیَوْمَ نَامَتْ أَعْیُنٌ بِكَ لَمْ تَنَمْ

وَتَسَهَّدَتْ أُخْرىٰ فَعَزَّ مَنَامُهَا

أَشَقِیْقَ رُوْحِیْ هَلْ تَرَاكَ عَلِمْتَ اِذْ

غُوْدِرْتَ وَانْثَالَتْ عَلَیْكَ لِئَامُهَا

اِنْ خِلْتُ طَبَقَتِ السَّمَاءُ عَلَی الثَّرٰی

أَوْ دُکْدِکَتْ فَوْقَ الرَّبٰی أَعْلاَمُهَا

لٰکِنْ أَهَانَ الْخَطْبَ عِنْدَكَ أَنَّنِیْ

بِكَ لاَحِقٌ أَمْرٌ قَضٰی عَلاَّمُهَا

- اللہ اکبر! یہ کیسا ماہ تمام اُفقِ ہدایت پر نمودار ہوا اور تاریکی عالم پر چھا گیا۔
- یہ کون ہے کہ جس نے نواسۂ رسولؐ سے دلداری وفاداری کرتے ہوئے جواں مردوں کی سی موت پائی کہ تمام اہلِ شرف اس کے سامنے سرنگوں ہیں۔
- وہ عظیم و کریم بھائی جس نے کسی میدانِ جنگ میں بے وفائی نہ کی حتیٰ کہ ایسے مقام پر بھی جہاں بڑے بڑے جنگجوؤں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔

- خدا کی قسم میں اس وقت تک فاطمہؑ کے بیٹے کو فراموش نہیں کروں گا جب تک کہ اس معرکہ حق و باطل کا غبار چھٹ نہیں جاتا۔
- جب نیزہ ٹوٹ گیا' چمکتی ہوئی تلواریں ختم گئیں اور پرچم سرنگوں ہو گئے۔
- جس وقت بلا نازل ہوئی۔اور قلم قضا جاری ہوا یعنی حضرت عباسؑ شہید ہو گئے۔
- (امام حسینؑ) اسے خرگاہ میں لے آئے اور ایک بلند جگہ پر پہنچے ان کی آواز بمشکل نکل رہی تھی۔
- آپؑ نے فرمایا: آج میرے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔
- آج پہلوان لشکر لشکر سے جدا ہو گیا اور آج امام نماز نماز میں موجود نہیں رہا۔
- آج ہماری جمعیت بکھر گئی اور نظام فوج بدنظمی کا شکار ہو گیا۔
- آج وہ آنکھیں سو گئیں جو تمہارے خوف سے کبھی نہ سوتی تھیں جب کہ دوسری (سونے والی) آنکھیں بے خواب ہو گئیں اور نیند ان کے لئے دشوار ہو گئی۔
- اے میری روح کے پیوند میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یہ وقت بھی آئے گا۔
- مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آسمان زمین پر آ گرا ہے اور پہاڑ زمین پر گر پڑے ہیں۔
- لیکن مشکل کام کو آسان سمجھنے کیونکہ میں بہت جلدی آپ سے آ ملنے والا ہوں اور یہی امر ربی ہے (نفس المہموم ۳۳۵)

حضرت عباسؑ کی شہادت پر بی بی ام البنین کا گریہ

معاویہ بن عمار امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتا ہے کہ حضرت ام البنین بقیع میں جا کر اپنے بیٹوں پر رویا کرتی تھیں۔ وہ اس قدر غم انگیز اور پرسوز انداز سے نالہ وشیون کیا کرتیں کہ لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے ان کا گریہ سنتے (اور خود بھی گریہ کرتے)۔حتی کہ مروان (جو خاندان اہل بیتؑ کا بہت بڑا دشمن تھا بھی وہاں آ کر بی بی کا گریہ سنتا اور (اپنی سنگدلی کے باوجود) رونے پر مجبور ہو جاتا۔(نفس المہموم/۳۳۴)

بی بی ام البنینؑ کے اپنے بیٹے ابو الفضل عباسؑ اور دیگر بیٹوں کے مرثیے میں حسب ذیل اشعار نقل ہوئے ہیں:

يَامَنْ رَأَى الْعَبَّاسَ كَرَّ عَلٰى جَمَاهِيْرِ النَّقَدْ

وَوَرَاهُ مِنْ أَبْنَاءِ حَيْدَرٍ كُلُّ لَيْثٍ ذِيْ لَبَدْ

أُنْبِئْتُ أَنَّ ابْنِيْ أُصِيْبَ بِرَأْسِهِ مَقْطُوْعَ يَدٍ

وَيْلِيْ عَلٰى شِبْلِيْ أَمَالَ بِرَأْسِهِ ضَرْبَ الْعَمَدِ

لَوْكَانَ سَيْفُكَ فِيْ يَدَيْكَ لَمَا دَنٰى مِنْكَ اَحَدْ

- "اے وہ شخص کہ جس نے عباسؑ کو میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے دیکھا وہ جنگ آوروں کی طرح حملہ کر رہے تھے اور ان کے بھائی 'فرزندانِ حیدرؑ شیروں کی طرح ان کے پیچھے پیچھے تھے"۔
- "مجھے معلوم ہوا کہ میرے بیٹے (عباسؑ) کے سر پر اس حال میں ضربت لگی کہ ان کے بازو بھی کٹ چکے تھے۔ ہائے افسوس کہ میرے شیر بیٹے پر کیا مصیبت گزری۔ اس کے سر پر گرز سے ضربت لگائی گئی۔ (میرے عباسؑ! میں تجھے جانتی ہوں) اگر تلوار تمہارے ہاتھ میں ہوتی تو کوئی شخص تمہارے نزدیک آنے کی جرأت بھی نہ کرتا"۔

ام البنینؑ نے یوں بھی مرثیہ خوانی کی:

لَا تَدْعُوِنِّي وَيْكِ أُمَّ الْبَنِيْنَ

تُذَكِّرِيْنِيْ بِلُيُوْثِ الْعَرِيْنِ

كَانَتْ بَنُوْنَ لِيْ أُدْعٰى بِهِمْ

وَالْيَوْمَ أَصْبَحْتُ وَلَا مِنْ بَنِيْنَ

اَرْبَعَةٌ مِثْلُ نُسُوْرِ الرُّبٰى

قَدْ وَاصَلُوا الْمَوْتَ بِقَطْعِ الْوَتِيْنِ

تَنَازَعَ الْخِرصَانُ أَشلَائَهُمْ
فَكُلُّهُمْ أَمسٰی صَرِیْعًا طَعِیْنُ
یَالَیتَ شِعرِی أَکَمَا أَخبَرُوا
بِأَنَّ عَبَّاسًا قَطِیْعُ الْیَمِیْنِ

- اے مدینے کی عورتو! اب مجھے ام البنین (بیٹوں کی ماں) نہ کہنا کہ اس سے میرے دل میں اپنے بیٹوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔
- جن بیٹوں کے سبب مجھے ام البنین کہا جاتا تھا (وہ نہیں رہے) اب تو میں بے فرزند ہو چکی ہوں۔
- میرے شکاری عقابوں جیسے چار بیٹے تھے کہ جن کو تیروں کا نشانہ بنایا گیا اور ان کی گردن کی رگیں کاٹ دی گئیں۔
- ان کی لاشوں پر نیزے بھی مارے گئے اور وہ سب نیزوں کی ضربوں سے زمین پر گرے۔
- اے کاش میں سمجھ سکتی کہ جو مجھے خبر دی گئی ہے یعنی کیا میرے عباسؑ کا دایاں بازو قطع ہوا تھا؟ (منتہی الآمال ۱/۳۸۵)

ولادتِ عباسؑ کے وقت امیر المومنینؑ کا گریہ

جس دن حضرت عباسؑ پیدا ہوئے، حضرت علیؑ نے ان کے دائیں کان میں اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت، اور عباسؑ نام رکھا۔ کبھی آپؑ عباس کے قنداقہ (وہ کپڑا جس میں بچے کو لپیٹتے ہیں) کو پکڑتے تھے تو اس شیر خوار کی چھوٹی چھوٹی آستینوں کو اوپر اٹھا کر ان کے بازوؤں کو چومتے تھے اور ساتھ ساتھ گریہ فرماتے تھے۔

اُم البنینؑ نے اس گریہ کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس کے ہاتھ اس کے بھائی حسینؑ کی نصرت میں قطع کر دیئے جائیں گے۔ میں اس دن کو یاد کر کے رو رہا ہوں (زندگانی قمر بنی ہاشم عمادزادہ/۵۳)

یہاں شاعر کا تخیل ملاحظہ کیجیے:

اے وقت مجھے بازوئے حیدرؑ کی قسم ہے

عباسؑ کو میں دست بُریدہ نہ لکھوں گا

اولادِ عباسؑ

''عمدۃ الطالب'' میں ہے کہ آپؑ کے دو فرزند تھے' ایک کا نام عبداللہ اور دوسرے کا نام فضل تھا۔ ان دونوں بیٹوں کی والدہ محترمہ کا نام لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب تھا۔ بعض مورخین مثلاً مرحوم مقرم نے جناب لبابہ کو عبداللہ بن عباس کی دختر لکھا ہے۔ (العباس/۳۵۰) جناب عبداللہ عالم اور دانش مند تھے۔ اور حضرت عباسؑ کی نسل انہی سے آگے بڑھی۔ کیونکہ حضرت فضل کی اولاد نہ تھی اور جناب عبداللہ کے دو بیٹے تھے۔ جن کے نام عبداللہ اور حسن تھے۔ ان دونوں بھائیوں میں سے عبداللہ بھی بے اولاد تھے۔ لہٰذا حضرت عباس کی نسل حضرت حسن سے آگے بڑھی۔ جن کی والدہ محترمہ عبداللہ بن عباس بن سعید بن عباس بن عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔

حضرت عباسؑ کی برکت کے سبب آپ کے تمام اولاد و احفاد (پوتے دو ہتے) مقامات عالیہ کے حامل عالم' زاہد' شاعر اور آئمہ طاہرینؑ کی احادیث کو عام کرنے والے تھے۔ (منتخب التواریخ/۲۶۱ کے ساتھ ساتھ کبریت احمر/۳۸۰' منتہی الآمال وغیرہ سے رجوع کیا جائے)

بعض (مورخین) مثلاً مرحوم مقرمؒ نے لبابہ کا عبداللہ بن عباس کی دختر کے طور پر ذکر کیا ہے۔ (العباس/۳۵۰)

عباسؑ کربلا میں وہ جوہر دکھا گئے

بوڑھے بہادروں کو علیؑ یاد آ گئے

شہزادہ علی اصغرؑ

حُسنِ رُخِ اصغرؑ سے خجل نیرِ اکبر   خورشید تو ذرّہ ہے ستارہ مہِ انور
گرمی سے جو قطرے ہیں پسینے کے جبیں پر   ہیں صانعِ قدرت نے جڑے چاند پہ اختر

بالوں کے تلے لوح میں نور فشاں ہے
ہے نصف قمر ابر میں اور نصف عیاں ہے
(میر انیس)

ولادت باسعادت

آقا علی اکبر تبریزی' جو تہران کے رہنے والے قابلِ اعتماد شخص ہیں، نقل کرتے ہیں کہ میں ایک سفر کے دوران مشہد مقدس میں مولا علی رضاؑ کے صحن حرم کے نچلی جانب اپنے کچھ رفقاء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے امام رضاؑ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسی چیز عطا فرمایئے جو آج تک کسی کو عطا نہ ہوئی ہو اور جس سے میں لوگوں کو فیض پہنچا سکوں۔ میرے دوست ہنسنے لگے اور انہوں نے کہا: تو بزرگی کا دعویٰ کر رہا ہے۔

میں نے کہا: اولاً تو میں کسی بری چیز کی خواہش نہیں کر رہا اور ثانیاً میں نے جو چیز چاہی ہے اس سے سب کا فائدہ مقصود ہے۔ میں نے توسل کا آغاز کیا۔ اس حالت میں ایک جلیل القدر اور بہت نورانی چہرے والے خوبصورت بزرگ تشریف لائے اور بڑے آرام سے میرے سامنے بیٹھ گئے۔ انہوں نے میرا نام لے کر مجھے آواز دی اور فرمایا: علی اکبر ماہ رجب کی 9 تاریخ کو جو کہ شہزادہ علی اصغرؑ کی ولادت کا دن ہے' جشن مناؤ۔ تاکہ سب کو اس کی خیر و خوبی سے فائدہ پہنچے اور اس واقعہ کی کسی کو خبر نہ کرنا۔ میں نے اپنی غفلت پر غور کیا کہ وہ میرا نام کس طرح جانتے ہیں۔

اور انہیں میری درخواست کی خبر کس طرح ہوئی۔ چند لمحوں کے بعد وہ تشریف لے گئے۔ اس وقت میں نے سوچا یہ صاحب کون تھے۔ انہیں میرے نام کا کیسے پتہ چلا اور کس نے میری حاجت کی خبر دی؟ میں نے اپنے دوستوں سے کہا: آ قا نے میرا جواب دے دیا ہے۔ یہ کہہ کر میں نے رونا شروع کر دیا۔ میں بے خود گیا اور مجھ پر عجیب حالت طاری تھی۔

میں اس عطا سے خوش ہو گیا اور جب میں نے یہ واقعہ تہران کے علما آیۃ اللہ اثنا عشری اور آقائے سقازادہ سے نقل کیا: تو آقائے سقازادہ نے تحقیق کے بعد مدرک فراہم کیا (افسوس کہ آقا سقازادہ وفات پا گئے اور میں ان سے ماخذ حاصل نہ کر سکا) اگرچہ اس بارے میں کوئی تاریخی یا حدیثی مدرک معلوم نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال کرتے ہوئے کہ شہزادے کی عمر مبارک چھ ماہ لکھی گئی ہے اس سے مندرجہ بالا مفہوم کی تائید ہوتی ہے اور یہی مناسب ہے کہ اہل بیتؑ کے چاہنے والے اس روز حضرت کی یاد میں مجالس سرور منعقد کریں۔ جب شہزادے کی ولادت کی رات آ پہنچی تو اس نے اپنے گھر میں ایک جشن منعقد کیا۔ اسی رات میری بیوی نے جناب فاطمہ زہراؑ کو خواب میں دیکھا، گویا مخدومہ کونین میری بیوی کا شکریہ ادا کر رہی تھیں اور فرماتی تھیں:

دلی شکستہ تراز من در آن زمانہ نبود

در این زمان دل فرزند من شکستہ تراست

"اس زمانے میں میرے دل سے زیادہ شکستہ تر کوئی دل نہیں تھا اور اس زمانے میں میرے بیٹے (مہدیؑ) کے دل سے کوئی دل شکستہ تر نہیں ہے"۔

اور فرمایا: اس جملے کو حرز جاں بنا لو۔

یہ قول مشہور ہے اور متعدد (مورخین) نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی اصغرؑ ششماہے تھے، جو کہ اس واقعہ کے موافق ہے۔ ابی مخنف رقم طراز ہے:

وَلَهُ مِنَ الْعُمْرِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ

"اس بچے کی عمر چھ ماہ تھی" (مقتل ابی مخنف/۱۲۹)

مرحوم سپہر بھی تحریر کرتے ہیں کہ علی اصغرؑ کا سن ابھی چھے ماہ سے زیادہ نہ تھا (ناسخ

التواریخ ۲/۲۶۳)۔ بہرحال لاریب اس شہزادے کی ولادت سن ساٹھ (۶۰) ہجری میں ہوئی چونکہ سن اکسٹھ (۶۱) میں آپ کی شہادت ہوگئی تھی اور آپ کی جائے ولادت مدینہ منورہ تھی۔

اسم گرامی

ابن شہرآشوب (مناقب ۴/۱۰۹) اور دوسروں نے آپ کا اسم گرامی علی اصغر تحریر کیا ہے جب کہ آپ کا دوسرا نام عبداللہ ہے جو کہ بعض دوسری کتب اور عبارات میں مذکور ہے۔اور زیارت ناحیہ مقدسہ میں بھی موجود ہے:

اَلسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِاللّٰهِ بِنِ الْحُسَيْنِ ، اَلطِّفْلِ الرَّضِيْعِ،الْمَرْمِيِّ الصَّرِيْعِ الْمُتَشَحِّطِ دَماً اَلْمُصَعَّدِ دَمُهُ فِیْ السَّمَاءِ الْمَذْبُوْحِ بِالسَّهْمِ فِیْ حِجْرِ أَبِيْهِ. لَعَنَ اللّٰهُ رَامِيَهُ حَرْمَلَةَ بْنَ كَاهِلِ الْأَسَدِيِّ وَذَوِيْهِ

''امام حسینؑ کے بیٹے عبداللہؑ پر سلام ہو جس طفل شیر خوار کو تیر کا نشانہ بنایا گیا اور وہ خون میں غلطاں ہوگئے۔باپ نے اس خون کو آسمان کی جانب اچھال دیا اور وہ باپ کی آغوش میں تیر سے ذبح ہوگئے۔خدایا! اس تیر انداز حرملہ بن کاہل' آپ کے قاتل پر لعنت فرما''۔(بحار الانوار:۴۵/۶۶)

ظاہر یہ عبداللہ وہی علی اصغرؑ ہیں کہ جو اپنے باپ کی آغوش میں حرملہ کے تیر سے شہید ہوئے چونکہ شہزادہ علی اصغرؑ ہی وہ بچے تھے جو اپنے باپ کی گود میں ذبح ہوئے اور جن کے خون کو باپ نے آسمان کی طرف اچھال دیا اور انہی کے قاتل کا نام حرملہ تھا۔

والدہ علی اصغرؑ

کنیز فاطمہ زہراؑ سلام آپ کے نام ۔۔۔ مرے امامؑ کی زوجہ سلام آپ کے نام
زمانے بھر سے شجاعت میں جو نرالا ہے ۔۔۔ وہ آپ ہی کا ہے بیٹا سلام آپ کے نام

یہ پانیوں کے ذخائر یہ سایہ ہائے شجر
کہیں حسینؑ کی ملکہ سلام آپ کے نام
(مظہر عباس)

آپ کی والدہ گرامی امراء القیس کی بیٹی جناب رباب تھیں۔

فہاد میرزا ابوالفرج اصفہانی سے نقل کرتا ہے: خلافتِ عمر کے زمانے میں ایک شخص مسجد میں آیا۔ وہ لوگوں کے سروں اور کاندھوں پر پاؤں رکھتا ہوا عمر کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور اسے بطور خلیفہ سلام کیا۔

عمر نے پوچھا: تم کون ہو کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو اور کس کام کے سلسلے میں آئے ہو؟ اس نے کہا میں ایک نصرانی ہوں اور میرا نام امراء القیس بن عدی کلبی ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں۔ عمر نے اس کو نہ پہچانا اور دوبارہ اس سے حال احوال پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا۔ بالآخر وہ مسلمان ہو گئے۔ عمر نے ان کا نیزہ طلب کیا اور اس پر پرچم باندھ دیا۔ اور انہیں قبیلہ قضاعہ کے مسلمانوں کا امیر بنا دیا۔

راوی کہتا ہے: میں نے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ جس نے ابھی ایک رکعت نماز نہ پڑھی ہو اور اسے مسلمانوں کا امیر بنا دیا جائے سوائے امراء القیس کے۔ جب وہ مسجد سے باہر نکلے تو امیر المومنینؑ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ امام حسنؑ اور حسینؑ بھی امیر المومنینؑ کے ہمراہ تھے۔ جب وہ امراء القیس تک پہنچے تو فرمایا: میں رسولؐ خدا کا چچا زاد علیؑ ابن ابی طالب ہوں، اور یہ دونوں بیٹے رسولؐ معظم کی بیٹی سے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ سے رشتہ داری کر لیں۔

القیس نے کہا: اے ابوالحسن! میری تین بیٹیاں ہیں میں محیاۃ کی آپ سے، سلمیٰ کی حسنؑ سے اور ربابؑ کی حسینؑ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔

رباب حضرت سکینہؑ اور حضرت علی اصغرؑ کی والدہ بنیں۔ (تمقام زخار: ۲/۶۵۳ نفس المہموم/۵۲۷ الاغانی: ۱/۱۱۴ اور ینابیع المودۃ آخری حصہ/۳۱۸ ب ۶۰)

ہشام کلبی کا کہنا ہے۔

وَكَانَتِ الرُّبَابُ مِنْ خِيَارِ النِّسَاءِ وَأَفْضَلِهِنَّ

''رباب بہترین اور افضل ترین عورتوں میں سے تھیں''۔

اور رباب کے والد گرامی عرب کے ایک عظیم خاندان کے اشراف میں سے تھے کہ جن کی امامؑ کے نزدیک بھی قدر و منزلت تھی۔ (تقام زخار: ۲/۶۵۴)

ابن اثیر نقل فرماتے ہیں: (شہادت حسینؑ کے بعد) رباب کو دیگر قیدیوں کے ہمراہ شام لے جایا گیا۔ جب وہ واپس مدینہ پہنچیں تو اشراف قریش میں سے کئی افراد نے ان سے شادی کے لئے خواستگاری کی لیکن انہوں نے قبول نہ کی اور فرمایا:

مَا كُنْتُ لِأَتَّخِذَ حَمْوًا بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ

''رسولؐ خدا کے بعد میں کسی کو اپنا سسر نہیں بنا سکتی''۔

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد وہ ایک سال تک زندہ رہیں (وہ ہر وقت نالہ و گریہ کرتی رہتی تھیں) اور مکان کی چھت کے نیچے نہ جاتی تھیں (بلکہ دھوپ میں بیٹھی رہتی تھیں) وہ بہت کمزور ہو گئیں اور رنج و غم کی حالت میں اس دنیا سے رحلت فرمائی۔

نفس المھموم/ ۵۲۸ اور کامل ابن اثیر: ۴، ۸۸ کی روایت کے مطابق رباب ایک سال کا عرصہ قبر حسینؑ پر رہیں۔ اس کے بعد مدینہ آئیں اور غم و تاسف کی حالت میں وفات پا گئیں۔

سبط ابن جوزی کا کہنا ہے کہ ربابؓ امام حسینؑ کے بعد ایک سال تک زندہ رہیں۔ وہ کبھی چھت کے تلے نہ گئیں اور زیر آفتاب دھوپ میں بیٹھی رہتی تھیں۔ پس حالت غم میں رحلت فرما گئیں۔ (فرسان الھیجاء/ ۲۷۰)

جب حضرت ربابؓ اپنے رشتہ داروں سے ملنے جاتیں تو حضرت سکینہؑ کو اپنے ہمراہ لے جاتیں۔ حضرت امام حسینؑ ان دونوں کی مفارقت سے اداس ہو جاتے تھے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

كَأَنَّ اللَّيْلَ مَوْصُولٌ بِلَيْلٍ

إِذَا زَارَتْ سُكَيْنَةُ وَالرُّبَابُ

"جب سکینہؑ و ربابؑ کسی (عزیز) سے ملنے جاتی ہیں تو راتیں متصل یعنی طویل ہو جاتی ہیں"۔ (منتخب التواریخ ۳۴۴:۱)

اس عظیم خاتون کے فضائل کا کچھ حصہ حضرت سکینہؑ کے حالات زندگی میں نقل کیا جائے گا۔

شہادتِ علی اصغرؑ

جب رَن میں حسینؑ اصغرؑ بے شیر کو لائے لختِ جگرِ بانوئے دلگیر کو لائے
جلادوں میں اُس صاحبِ توقیر کو لائے ہاتھوں پہ دھرے چاند سی تصویر کو لائے

غُل پڑ گیا دیکھو شہِؑ والا کے پسر کو
خورشید نے ہاتھوں پہ اُٹھایا ہے قمر کو
(میر انیسؔ)

سید بن طاؤس مرحوم لکھتے ہیں: جب امام مظلومؑ نے دیکھا کہ آپ کے تمام جوان اور دوست شہید ہو گئے ہیں تو بذاتِ خود ارادہ کیا کہ دشمن سے جنگ کر کے خونِ دل نذرانۂ پروردگار کریں۔ آپ نے صدا دی:

هَلْ مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللّٰهِ؟ هَلْ مِنْ مُوَحِّدٍ يَخَافُ اللّٰهَ فِيْنَا؟ هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يَرْجُو اللّٰهَ بِإِغَاثَتِنَا؟ هَلْ مِنْ مُعِينٍ يَرْجُوْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ فِيْ إِعَانَتِنَا؟

"ہے کوئی (شخص) جو حرمِ رسولؐ خدا کا دفاع کرے؟ ہے کوئی خدا پرست کہ ہمارے بارے میں خدا سے ڈرے؟ ہے کوئی دادرس کہ خدا سے صلہ کی امید میں ہماری امداد کرے؟ ہے کوئی مددگار جو اس امید پر ہمارا ساتھ دے کہ ہم خدا کے حضور اس کی مدد (شفاعت) کریں؟"

زنانِ حرم نے جب حضرت کی صدائے استغاثہ سنی تو صدائے گریہ بلند کی۔ امامؑ خیام کی طرف تشریف لائے اور اپنی بہن زینبؑ سے فرمایا:

نَاوِلِيْنِي وَلَدِيَ الصَّغِيْرَ حَتّٰى أُوَدِّعَهُ

''میرا کم سن بچہ لائیے تاکہ اس سے وداع کرسکوں''۔

آپ نے بچے کو اٹھایا۔ جب چاہا کہ اس کا بوسہ لیں تو حرملہ بن کاہل نے بچے کو تیر کا نشانہ بنایا۔ وہ تیر شہزادے کے گلوئے اقدس میں پیوست ہوگیا اور شہزادے کو ذبح کرگیا۔

امام مظلومؑ نے حضرت زینبؑ سے فرمایا: بچے کو لے لیجئے۔ پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں (چلو) کو بچے کی گردن سے ٹپکتے ہوئے خون کے نیچے کیا اور جب ہتھیلیاں خون سے بھر گئیں تو یہ خون آسمان کی طرف اچھال دیا۔ پھر فرمایا:

هَوَّنَ عَلَيَّ مَا نَزَلَ بِيْ أَنَّهُ بِعَيْنِ اللّٰهِ

''جو بات مجھ پر واردہ مصیبت کو آسان کردیتی ہے وہ یہ ہے کہ خداوند متعال دیکھ رہا ہے''۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: اس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر واپس نہ گرا۔ (لہوف/۱۱۶)

انکار آسماں کو ہے راضی زمیں نہیں
اصغرؑ تمہارے خون کا ٹھکانہ کہیں نہیں

سبط ابن جوزی ''تذکرۃ الخواص'' میں نقل کرتے ہیں کہ جب امام حسینؑ نے دیکھا کہ فوج اشقیاء آپ کو قتل کرنے پر مصر ہے تو آپ نے قرآن ہاتھ میں لیا، اسے کھول کر سر پر رکھا اور لشکر کے درمیان میں فریاد بلند کی:

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ، وَجَدِّيْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا قَوْمِ بِمَ تَسْتَحِلُّوْنَ دَمِيْ

''میرے اور تمہارے درمیان خدا کی یہ کتاب اور میرے جد رسولؐ خدا (حکم ہیں) اے لوگو! تم میرا خون کس طرح حلال سمجھتے ہو؟

کیا میں تمہارے پیغمبرؐ کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا تم تک میرے نانا کا یہ فرمان نہیں پہنچا کہ آپؐ نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا:

هٰذٰانِ سَیِّدٰا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

"یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں"۔

اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے تو جابر اور زید بن ارقم اور ابو سعید خدری سے پوچھ لو۔

جب آپ لشکر اشقیاء سے احتجاج فرما رہے تھے تو آپ کی نظر اپنی اولاد میں سے ایک بچے پر پڑی جو پیاس کی شدت سے رو رہا تھا۔ امامؑ نے بچے کو ہاتھوں میں اٹھایا اور فرمایا:

یَا قَوْمِ اِنْ لَمْ تَرْحَمُوْنِیْ فَارْحَمُوْا هٰذَا الطِّفْلَ

"اے لوگو! اگر تم مجھ پر رحم نہیں کھاتے تو (کم از کم) اس بچے پر تو رحم کھاؤ"۔

پس فوج اشقیاء سے ایک شخص نے اس بچے کی جانب تیر چلایا اور اسے ذبح کر کے رکھ دیا۔ امام مظلومؑ نے گریہ کیا اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اُحْكُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ دَعَوْنَا لِيَنْصُرُوْنَا فَقَتَلُوْنَا فَنُوْدِيَ مِنَ الْهَوَاءِ دَعْهُ يَاحُسَيْنُ فَاِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِی الْجَنَّةِ

"خدایا! ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما کہ جنہوں نے ہمیں اس لئے بلایا کہ ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور اب اس کے بدلے ہمیں قتل کر رہے ہیں۔ پس آسمان سے ایک آواز آئی: اے حسینؑ! بچے کو ہماری طرف بھیج دو کہ اس کے لئے بہشت میں ایک دایہ موجود ہے"۔ (نفس المہموم/۳۵۰، تذکرۃ الخواص/۱۴۳)

امام مظلومؑ نے فرمایا۔ خدایا: میرا یہ بچہ تیرے نزدیک ناقہ صالح سے کم نہیں ہوگا۔ خدایا! اگر تو اس وقت ہماری امداد کرنے میں مصلحت نہیں سمجھتا تو اس کے بدلے ہمیں صلہ عطا فرما (کہ جس سے ہمارے ثواب اور درجات اُخروی میں اضافہ ہو۔ (بحار الانوار: ۴۵/۴۷، جلاء العیون /۴۰۷)

بعض نے اس طرح نقل کیا ہے: امام بچے کو لشکر کے سامنے لائے اور اپنے دونوں

ہاتھوں پر بلند فرمایا:

أَمَا تَرَوْنَهُ كَيْفَ يَتَلَظَّىٰ عَطَشًا، فَاسْقُوهُ شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ

"کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ یہ بچہ پیاس کی شدت سے کس طرح جل رہا ہے، اسے پانی دے دیجئے"۔

لشکر اشقیاء کے بعض افراد ایک دوسرے کو سرزنش کرنے لگے اور کہنے لگے: اگر اس بچے کو ایک گھونٹ پانی دے دیا جائے تو کیا ہو جائے گا؟ لشکر کے درمیان ایک ہلچل سی مچ گئی۔ عمر سعد نے جب یہ دیکھا کہ نزدیک ہے کہ لشکر بغاوت کر دے تو اس نے حرملہ کی طرف منہ کر کے کہا: تو حسینؑ کا جواب کیوں نہیں دیتا۔

وہ بولا: اے امیر باپ کا جواب دوں یا بیٹے کا؟

اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ باپ کو نشانہ بناؤں یا بیٹے کو۔ عمر سعد نے کہا: کیا تجھے بچے کے گلے کی سفیدی نظر نہیں آ رہی؟ حرملہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑی لگائی اور ایک بلند مقام پر پہنچ کر گھوڑے سے اتر آیا۔ اس نے بچے کی طرف تیر چلایا۔ جس سے بچے نے مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے جان دے دی۔ (مقتل ابی مخنف/۱۳۰)

حرمل کا کوئی نام نہ لے سامنے میرے
لگتا ہے کلیجے پہ مرے تیر کی مانند
(مظہر)

ابی مخنف لکھتے ہیں:

فَذُبِحَ الطِّفْلُ مِنَ الْأُذُنِ إِلَى الْأُذُنِ

(اس زہر آلودہ تیر نے علی اصغرؑ کو ایک کان سے دوسرے کان تک کاٹ دیا۔)

امام مظلومؑ نے خون علی اصغرؑ ہاتھوں میں اکٹھا کر کے فضا میں اچھال دیا اور فرمایا خدایا اس قوم پر گواہ رہنا گویا انہوں نے نذر مان رکھی ہے کہ خاندان پیغمبر کے ایک فرد کو بھی باقی نہ چھوڑا

جائے۔

ثُمَّ رَجَعَ بِالطِّفْلِ مَذْبُوحًا وَدَمُهُ يَجْرِيْ عَلٰى صَدْرِ الْحُسَيْنِ

"اس کے بعد آپؑ اس مقتول بچے کو لیے واپس چلے گئے اس حالت میں

کہ بچے کے گلوئے اقدس کا خون آپ کے سینہ مبارک پر بہ رہا تھا"۔

(ریاض القدس: ۲/۱۰۱)

سپہر مرحوم رقم طراز ہیں: علی اصغرؑ جو کہ چھ ماہ کے تھے ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہ ہونے کے سبب بھوک اور پیاس کی حالت میں رو رہے تھے۔

امامؑ نے فرمایا میرے بیٹے علی (اصغرؑ) کو مجھے دیجئے تاکہ میں اس سے وداع کرسکوں۔ آپ نے بچے کے قنداقہ کو پکڑ کر بچے کو چوما اور فرمایا: وائے ہو اس قوم پر، یہ وہ روز ہے کہ جس روز تمہارے جد محمدؐ اس قوم کے دشمن ہوئے۔ امامؑ بچے کو لائے اور دشمنوں کی صف کے سامنے رکھ دیا۔ گویا کہہ رہے تھے۔ بارالہا! میرے خزانے میں اس گوہر کے علاوہ کچھ نہیں بچا، میں اسے بھی تیرے راستے میں قربان کرنا چاہتا ہوں۔ پھر کوفیوں سے فرمایا:

اے آلِ ابوسفیان کے شیعو! اگر تم مجھے مجرم خیال کرتے ہو تو مجھے یہ بتاؤ کہ اس بچے کا کیا گناہ ہے اسے تو پانی دے دیجئے! کہ پیاس کی شدت سے اس کی ماں کی چھاتی کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔ کسی نے آپؑ کی بات کا جواب نہ دیا۔ حرملہ بن کاہل اسدی نے ایک تیر آپ کی طرف چلایا وہ تیر ہوا میں لہراتا ہوا علی اصغرؑ کے گلوئے نازک میں پیوست ہو گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔

کسی بھی جنگ میں چھے ماہ کا بچہ نہیں ہوتا

ہوا جو کربلا میں سانحہ ایسا نہیں ہوتا

(فوزیہ مشتاق)

صاحب عوالم کی روایت کے مطابق امام حسینؑ نے علی اصغرؑ کے بدن کو اس کے خون میں غلطان کیا۔ شرح میں مرقوم ہے: آپؑ اپنے گھوڑے سے اترے اور اس پر نماز پڑھی اور اپنی تلوار

سے زمین میں گڑھا کھود کر بچے کو دفن کر دیا۔ (ناسخ التواریخ ۲/۲/۳۶۳)

بقول کسے:

ننھی سی قبر کھود کے اصغرؑ کو گاڑ کر

شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کر

اور ایک دوسری روایت کے مطابق جنابِ زینبؑ بچے کو خیمے سے باہر لائیں، آپؑ اپنے بھائی کے نزدیک پہنچیں اور عرض کیا: اے بھائی اس بچے نے تین روز سے پانی نہیں پیا اس کے لئے اس قوم سے پانی طلب کیجئے۔

آپؑ نے بچے کو لیا اور میدان میں پہنچے۔ جب عمر سعد لعین کے نزدیک آئے تو فرمایا: اے لوگو! تم نے میرے شیعوں اور اہل بیتؑ کو قتل کر دیا اور میرے ساتھ کئے ہوئے وعدۂ بیعت کو توڑ دیا۔ مجھ سے ہاتھ اٹھالو تاکہ میں اپنے جد کے حرم مطاہر کی طرف چلا جاؤں یا (کم ازکم) مجھے پانی ہی دے دو اب میرا کوئی بھی نہیں بچا سوائے عورتوں اور بچوں کے کہ جو نیزہ و تلوار نہیں چلا سکتے۔

وَيْلَكُمْ اُسْقُوْا هٰذَا الرَّضِيْعَ اَمَا تَرَوْنَهٗ كَيْفَ يَتَلَظّٰى عَطَشًا مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ اَتَاهُ اِلَيْكُمْ

''وائے ہو تم پر، اس بچے کو پانی دے دیجئے۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ یہ پیاس سے تڑپ رہا ہے اور پیچ و تاب کھا رہا ہے''۔

(یا مچھلی کی طرح منہ کھول اور بند کر رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ اس نے تمہارا کوئی گناہ نہیں کیا)۔

امام مظلومؑ ان لوگوں سے یہ گفتگو فرما رہے تھے کہ ناگاہ حرملہ بن کاہل ملعون نے حلہ کمان میں تیر رکھا اور امام مظلومؑ کی طرف چلایا۔ یہ تیر اس بچے کے گلوئے مبارک پر لگا اور اس کے گلے کو چھید کر رکھ دیا (مہیج الاحزان/۲۲۳م ۱۰ وقائع الایام خیابانی/۴۵۱ الدمعۃ الساکبہ کی نقل کے ساتھ)۔

اور حمید بن مسلم سے منقول ہے کہ میں ابن زیاد کے لشکر میں تھا اور میری نظر اس بچے پر

تھی جو سید الشہداءؑ کے ہاتھوں پر شہید ہو گیا۔

اچانک میں نے دیکھا کہ ایک نورانی مخدرہ خیمے سے باہر تشریف لائیں کہ جن کا نور آفتاب کو شرما رہا تھا۔ ان کے پاؤں دامن میں الجھ رہے تھے، کبھی گرتی تھیں اور کبھی اٹھتی تھیں اور فریاد کناں تھیں:

وَاوَلَدَاهُ وَقَتِيلَاهُ وَامُهْجَةَ قَلْبَاهُ"

"ہائے میرا بچہ، ہائے میرا مقتول ہائے میرے دل کا سکون"

جب وہ اس بچے کے نزدیک پہنچیں تو اپنے آپ کو اس کے اوپر گرا دیا۔ پھر کچھ لڑکیاں دوڑتی ہوئی خیمے سے باہر آئیں اور اس شہید بچے پر آ گریں۔ سید الشہداءؑ جو کہ قوم اشقیاء سے گفتگو فرما رہے تھے، نے جب یہ حال دیکھا تو اس طرف آئے اور انہیں وعظ و نصیحت کیا اور نہایت شفقت کے ساتھ خیمے میں پلٹا دیا۔

جو لوگ نزدیک کھڑے ہوئے تھے میں نے ان سے پوچھا: یہ بی بی کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا: یہ ام کلثومؑ ہے اور وہ بچیاں فاطمہؑ، سکینہؑ اور رقیہؑ ہیں۔ (مہیج الاحزان/۲۴۴)

طبرسی مرحوم لکھتے ہیں: جب امامؑ کے اصحاب اور اقرباء شہید ہو گئے اور آپ کے بیٹے زین العابدینؑ اور شیر خوار عبداللہ کے سوا کوئی باقی نہ بچا تو آپ خیمے کے سامنے آئے اور فرمایا:

نَاوِلُوْنِي ذٰلِكَ الطِّفْلَ حَتّٰى اُوَدِّعَهُ

"یہ بچہ مجھے دے دیجئے تاکہ میں اسے الوداع کر سکوں"۔

آپ نے بچے کو اٹھایا اور اسے چومتے ہوئے فرمایا: اس قوم پر افسوس کہ محمدؐ ان سے بےزار ہوئے۔ ناگاہ ایک تیر اس شیر خوار کے گلوئے اقدس پہ لگا اور وہ شہید ہو گیا۔ پس امام مظلومؑ گھوڑے سے اتر آئے اور غلاف شمشیر سے زمین کو کھود کر بچے کا لاشہ خون آلودہ کر کے اس میں دفن کر دیا۔ (احتجاج: ۲/۲۵)

نیز خوارزمی رقم طراز ہیں: حسینؑ گھوڑے سے اترے اور بچے کو دفن کرنے کے لئے زمین کو کھودا۔ بچے کے بدن پر خون ملا اس پر نماز پڑھی اور اسے دفن کر دیا۔ (مقتل خوارزمی: ۲/۳۲)

مورخین عامہ میں سے اکثر نے شیعہ مورخین کی طرح نقل کیا ہے کہ سید الشہداؑ نے اپنی تلوار سے زمین کو کھودا اور اس بچے کو دفن کر دیا۔ ہم یہاں بعض روایات نقل کرتے ہیں۔

شوستری مرحوم اس ضمن میں لکھتے ہیں: بعض روایات کے مطابق امام حسینؑ نے اس شیر خوار بچے کے لئے قبر کھودی اور اسے دفن کر دیا۔ شاید اس راز کی چند وجوہات ہوں۔

① ممکن ہے کہ تنہائی کی وجہ سے اس بچے کو سپرد خاک کر دیا۔

② دوسرے شہداء کی طرح اس بچے کا سر بدن سے جدا نہیں ہوا تھا۔

③ اسے اس لئے دفن کر دیا کہ (دوسرے شہداء کے لاشوں کی طرح) تین روز تک زمین پر برہنہ عریاں نہ پڑا رہے۔

④ یہ کہ گھوڑوں کے سموں کے نیچے پامال نہ ہو۔

⑤ یہ کہ امام اور (اہلِ حرم) سکت نہیں رکھتے تھے کہ اس بچے کے بدن کو دوسری بار اس حالت میں دیکھیں۔

البتہ امامؑ کے لئے اپنے اصحاب کے بارے میں جو کچھ ممکن تھا آپ نے کیا۔ مثلاً ان کے لاشوں کو جمع کیا اور بعض کو بعض کے پاس رکھا۔ اکثر کو خود اٹھا کے لائے اور اگر دوسرے اٹھا کر نہ لا سکے تو آپ نے ان کا ساتھ دیا۔ (الخصائص الحسینیہ/ ۲۹ باب الجنائز)

اور شاید آپ کی خواہش ہو کہ بچے کی نماز جنازہ پڑھنے سے خود کو سکون میسر آئے۔

علی اصغرؑ مردِ میدان نہیں تھے انہوں نے جنگی لباس نہیں پہن رکھا تھا' وہ شمشیر زن نہیں تھے۔ اور کسی بھی قوم میں بچے کو گناہ گار نہیں سمجھا جاتا اور کوئی بھی بچے کو قتل نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے بھی تو سہ شعبہ تیر استعمال نہیں کرتا۔ لہٰذا امامؑ سے منسوب اس شعر میں:

لَیْتَکُمْ فِی یَوْمِ عَاشُورَ جَمِیْعًا تَنْظُرُوْنِی

کَیْفَ أَسْتَسْقِی لِطِفْلِی فَأَبَوْا أَنْ یَرْحَمُوْنِی

''اے میرے شیعو! کاش تم روزِ عاشور ہوتے تو دیکھتے کہ میں کس طرح ایک شیر خوار کے لیے پانی طلب کر رہا تھا اور وہ انکار کر رہے تھے''۔

امامؑ نے صرف اسی مقتول کو یاد کیا۔ بہر حال آپؑ نے بچے کی نمازِ جنازہ پڑھ کر اور اسے دفن کر کے خود کو تسلی دی۔

ابو خلیق کو مختارؓ کے سامنے لایا گیا۔ مختارؓ نے اس سے پوچھا: اے ملعون! میدانِ کربلا میں ہمارے آقا حسین علیہ السلام پر کبھی تیرا دل کڑھا؟

اس نے کہا: ہاں اے امیر! ایک دفعہ میرا دل اس قدر کڑھا کہ میں نے خدا سے اپنی موت کی دعا مانگی تا کہ حضرت کی اس حالت زار کو نہ دیکھوں۔ مختار نے کہا: بیان کرو کہ وہ کون سی حالت تھی؟ اس نے جواب دیا: اے امیر! جب سید الشہداءؑ اپنے بچے کو اپنی عبا سے ڈھانپ کر میدان سے پلٹے تو آپ خیموں کی طرف بڑھے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ایک جلیل القدر خاتون جس نے سر پر چادر اوڑھ رکھی تھی اور چہرے پر نقاب لے رکھا تھا' خیمے سے باہر کھڑی تھی۔ گویا اس بچے کی ماں ہو اور بچے کا انتظار کر رہی ہو۔

جب امامؑ کی نظر بچے کی منتظر ماں پر پڑی تو امامؑ ٹھہر گئے' دوبارہ خیمے کی طرف چلے' پھر شرمندگی محسوس ہوئی تو واپس آئے۔ یہاں تک کہ امامؑ تین دفعہ خیمے کی طرف بڑھے اور واپس آئے اور علی اصغرؑ کی ماں سے شرمندگی محسوس کی۔ جب میں نے حسینؑ کی اس حالت کو دیکھا تو میرا جگر کباب ہو گیا۔

مختار نے کہا: اے ملعون آخر کار کیا ہوا؟

اس نے جواب دیا: اے امیر! بالآخر امام گھوڑے سے اُترے اور بچے کو زمین پر رکھ دیا غلاف شمشیر سے قبر کے لئے گڑھا کھودا' بچے پر نماز پڑھی اور اسے سپردِ خاک کر کے واپس لوٹ گئے۔

مختار نے جب یہ سنا تو ایک آہ بھری اور اس پر غشی کی حالت طاری ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو اپنا گریبان پھاڑ لیا اور سر و سینہ پر ماتم کرتے ہوئے فرمایا: امام حسینؑ کی یہ آخری حالت سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے بعد اس بچے کے بدن کو کوئی آزار پہنچائے یا اس کا سر کاٹے یا پھر گھوڑوں کے سموں کے تلے پامال کرے۔

ابو خلیق نے کہا! اے امیر! خدا کی قسم' ان ظالموں نے اس بچے کے بدن کو پھر بھی

سلامت نہ چھوڑا۔ گیارہ محرم کو جب تمام شہیدوں کے سر فخر و مباہات کے اظہار کے لئے نیزوں پر بلند کئے گئے اور انعام کے حصول کے لئے ابن زیاد کے پاس لائے گئے تو ابوایوب غنوی' جو بیلداروں کا سرہ تھا، کو شہداء میں سے ایک کا سر نہ ملا۔ اس نے بیلداروں کو حکم دیا کہ زمین کربلا کو کھودو اور اس بچے کی لاش کو تلاش کرو۔ جب لاش برآمد ہوئی تو انہوں نے علی اصغرؑ کے سر کو کاٹا اور نیزے پر سوار کر کے کوفہ لے آئے۔

ابوخلیق کا کہنا ہے: میں ابن زیاد کے دربار میں موجود تھا' میں نے دیکھا کہ حسینؑ اور علی اصغرؑ کے سر ایک طشت میں پڑے تھے اور دوسرے تمام شہداء کے سر بھی طشتوں میں اس کے سامنے رکھے تھے، حسینؑ کا چہرہ ہمیشہ علی اصغرؑ کے چہرے کی طرف رہتا تھا (یہاں مناسب محسوس ہوتا ہے کہ ایک داستان بھی نقل کی جائے)

بنی اسرائیل کا ایک جوان تھا جس کا وسیلہ روزگار ایک گائے اور ایک بچھڑا تھا۔ ایک دن اس نے گوشت کے حصول کے لئے بچھڑے کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اس کی ماں کے سامنے اسے ذبح کرنے لگا۔

گائے نے اپنے سربریدہ بچے کو دیکھا تو اس قدر چیخی کہ در و دیوار لرز گئے اور اس کی آنکھوں سے اشکوں کی برسات ہونے لگی۔ اس نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا تو فوراً بنی اسرائیل کے اس جوان کے ہاتھ شل ہو گئے۔

وہ جوان حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا اور ان سے شفاعت طلب کی۔ حضرت غصے میں آ گئے اور اسے خود سے دور بھگاتے ہوئے فرمایا: تو کس قدر بے رحم اور بے انصاف ہے کہ تو نے ماں کے سامنے بچے کا سر جدا کر دیا۔ (ریاض القدس: ۲/۱۰۴،۱۰۵)

ایک دفعہ امام جعفر صادقؑ کا شاعر کمیت آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور آپ کے سامنے کچھ اشعار اور مرثیہ پڑھا۔ آنحضرتؑ نے شدید گریہ فرمایا۔ اہل حرم جو پردے کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' نے بھی نالہ و زاری بلند کی۔

ناگاہ ایک کنیز پردے کے پیچھے سے برآمد ہوئی اور ایک بچے کو امام جعفر صادقؑ کی گود

میں ڈال دیا۔ حضرت کا گریہ اور بھی شدید ہو گیا' اور آپ کی اور پس پردہ بیٹھی مخدرات کی صدائے گریہ بلند ہو گئی۔ (معالی السبطین ۱/۲۶۰)

منہال ابن عمرو کہتا ہے: میں کوفے سے سفر حج پر روانہ ہوا' اور واپسی پر مدینہ میں علی بن الحسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: حرملہ کی کیا خبر ہے۔

میں نے عرض کیا: کوفے میں ابھی زندہ ہے۔

آپ نے اپنے دست مبارک بلند کئے اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَذِقْهُ حَرَّ الْحَدِیْدِ اَللّٰھُمَّ اَذِقْهُ حَرَّ الْحَدِیْدِ اَللّٰھُمَّ اَذِقْهُ حَرَّ النَّارِ

"خدایا! اسے لوہے کی گرمی کا مزا چکھا، خدایا! اسے لوہے کی گرمی کا مزا چکھا، خدایا! اسے لوہے کی گرمی کا مزا چکھا"۔

منہال کہتا ہے: جب میں کوفہ پہنچا تو مختار خروج کر چکے تھے۔ میں سفر کی تھکن کے سبب کچھ روز گھر میں رہا اس کے بعد مختارؒ سے ملاقات کے لئے گیا۔ میں ان کے گھر سے باہر ان سے ملا تو انہوں نے کہا: تم مجھے ملنے اور مبارک باد دینے کیوں نہیں آئے؟ میں نے کہا میں مکہ گیا ہوا تھا۔ ہم ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کناسہ کوفہ میں پہنچے!

وہاں تھوڑی دیر ٹھہرے، جیسے (مختار) کسی چیز کا انتظار کر رہے ہوں۔ اچانک ایک گروہ دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا: اے امیر خوش خبری ہو کہ ہم نے حرملہ کو گرفتار کر لیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں وہ اسے (دست بستہ حالت میں) لے آئے۔

جب مختار نے اسے دیکھا تو حمد خداوندی بجا لائے کہ اس نے انہیں ظفریاب کیا پھر حکم دیا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دو اور اس کے بعد اسے آگ میں پھینک دو۔

جب میں نے یہ دیکھا تو پکار اٹھا: سبحان اللہ! مختار نے پوچھا۔ تیرا تسبیح پڑھنے سے کیا مطلب ہے؟ میں نے امام سجادؑ سے اپنی ملاقات اور ان کی نفرین کا واقعہ نقل کیا۔ مختار نے کہا: تجھے خدا کی قسم! تو نے یہ الفاظ علیؑ بن الحسینؑ سے سنے؟ میں نے کہا: ہاں! مختار (شکرگزاری کے

لئے) گھوڑے سے اتر آئے' دو رکعت نماز پڑھی اور طویل سجدہ شکر کیا۔ واپسی پر اکٹھے چلتے ہوئے جب ہم میرے گھر کے نزدیک پہنچے تو میں نے مختارؒ کو دعوت دی کہ میرے گھر کھانا تناول کیجئے۔ مختار نے کہا: اے منہال تو نے مجھے خبر دی اور حضرت علی بن الحسینؑ کی دعا میرے ہاتھوں مستجاب ہوئی۔ پس اس خوشی میں مجھے کھانا کھانے کی خواہش نہیں رہی۔ آج کے دن میں سپاس گزاری کے لئے روزہ رکھوں گا۔ (بحار الانوار: ۴۵/۳۳۲ باب احوال المختار ح ۱ منتہی الآمال ۱/۳۵۱)

حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے عقبی بن بشر اسدی سے فرمایا: بنی اسد کے سر پر ہمارا خون ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اے ابو جعفر آپ پر خدا کی رحمت ہو میرا کیا گناہ ہے اور وہ خون کس کا ہے؟

آپ نے فرمایا: امام حسینؑ کا ایک بچہ ان کے پاس لا کر ان کی گود میں ڈالا گیا' تو تم بنی اسد میں سے ایک شخص نے اسے تیر کا نشانہ بنایا اور ذبح کر دیا۔ امام حسینؑ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اس خون سے لبریز کیا اور زمین پر پھینک دیا۔

(شیعہ روایت کے مطابق ہوا میں اچھال دیا) پھر فرمایا:

رَبِّ اِنْ تَكُ حَبَسْتَ عَنَّا النَّصْرَ مِنَ السَّمَاءِ فَاجْعَلْ ذَالِكَ لِمَا هُوَ خَيْرٌ وَانْتَقِمْ لَنَا مِنْ هٰؤُلَاءِ الظَّالِمِيْنَ

''پروردگار! اگر تو اس وقت ہماری امداد میں مصلحت نہیں سمجھتا تو ہمیں اس کا بیشتر صلہ عنایت فرما اور ان ستمگاروں سے ہمارا انتقام لے۔ (نفس المہموم/۳۳۹ تاریخ طبری: ۵/۴۴۸)

بہت سن میں اکبرؑ سے اصغرؑ تھے کم
مگر مرنے ان کے برابر رہے

(سلطان العالیہ' دختر نصر الدین حیدر)

چہرۂ امامؑ روشن ہو گیا

شمع و چراغ و آئینہ و صبح و آفتاب   باغ و بہار و یاسمین و لالہ و گلاب
ناہید و بدر و مشتری و قطب و ماہتاب   آبِ حیات، لعلِ بدخشاں، دُرِ خوش آب
یوسفؑ اور ان کے سارے خریدار اِک طرف
سب اِک طرف پہ روئے ضیا بار اِک طرف

(مرزا دبیر)

شیخ صدوقؒ اپنی سند کے ساتھ امام سجادؑ سے روایت کرتے ہیں کہ جب (روز عاشور) امام حسینؑ کے لیے حالات سخت دشوار تھے تو وہ لوگ جو آپ کے ہمراہ تھے، نے آپ کی طرف دیکھا تو امامؑ کا حال اپنی حالت کے برخلاف پایا۔ کیونکہ جس وقت ان پر کوئی مشکل وقت آتا تھا تو ان کے چہروں کے رنگ اڑ جاتے تھے۔ ان کے اعضاء کانپنے لگتے تھے اور خوف ان کے دلوں میں بیٹھ جاتا تھا۔ لیکن امام حسینؑ اور آپ کے بعض خواص کے رنگ اور کھل اٹھے۔ ان کے اعضاء آرام میں تھے۔ اور انفاس سکون میں۔ لہٰذا اصحاب ایک دوسرے سے کہنے لگے: دیکھو امام حسینؑ کو موت سے بھی خوف محسوس نہیں ہو رہا۔ آپؑ نے ان سے فرمایا:

صَبْرًا بَنِی الْكِرَامِ فَمَا الْمَوْتُ اِلَّا قَنْطَرَةٌ تَعْبُرُ بِكُمْ عَنِ الْبُؤْسِ وَالضَّرَّاءِ اِلَى الْجِنَانِ الْوَاسِعَةِ وَالنَّعِيمِ الدَّائِمَةِ فَاَيُّكُمْ يَكْرَهُ اَنْ يَنْتَقِلَ مِنْ سِجْنٍ اِلٰى قَصْرٍ؟ وَمَا هٰؤُلَاءِ عَدَائِكُمْ اِلَّا كَمَنْ يَنْتَقِلُ مِنْ قَصْرٍ اِلٰى سِجْنٍ وَعَذَابٍ. اِنَّ اَبِی حَدَّثَنِی عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِنَّ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ وَالْمَوْتُ جِسْرُ

هٰؤُلَاءِ اِلٰی جِنَانِهِمْ وجِسْرُ هٰؤُلَاءِ اِلٰی جَحِیْمِهِمْ مَاکَذِبْتُ وَلَا کُذِبْتُ

''بزرگواران! صبر کیجئے۔ موت ایک پل سے زیادہ نہیں ہے کہ تمھیں سخت تنگی کی حالت سے وسیع وعریض بہشت اور اس کی دائمی نعمتوں میں پہنچا دے گی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو تمھیں دوست نہ رکھتا ہو وہ زندان سے محل میں منتقل ہو سکے؟ تمہارے دشمنوں کے لئے محلات سے زندان میں منتقل ہونے اور عذاب (آخرت) کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ میرے والد گرامی نے رسولؐ خدا سے ہمارے لئے نقل فرمایا کہ دنیا مومن کے لئے زندان اور کافر کے لئے بہشت ہے۔ اور موت مومنین کے لئے بہشت کا پل اور کافروں کے لئے جہنم کا پل ہے۔ میں جھوٹ نہیں کہہ رہا اور نہ ہی میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے۔ (بحار الانوار :۶/۱۵۴باب سکرات الموت ح ۹'وج ۴۴/۲۹۷ب۳۵ ح ۲)

امام مظلومؑ کا وداع آخر

جب آخری رخصت کو حسینؑ آئے حرم سے | سب بیبیاں لپٹیں شہؑ والا کے قدم سے
حضرتؑ نے کہا قطع محبت کرو ہم سے | جینے کے نہیں ہم علی اکبرؑ کے الم سے

بابا سے نہ جب تک وہ گل اندام ملے گا
تب تک نہ ہمیں ایک دم آرام ملے گا

(میر انیسؔ)

روایت میں ہے کہ جب امام مظلومؑ نے دیکھا کہ آپ کے تمام اصحاب اور اہل بیتؑ شہید ہو گئے ہیں اور خاک کربلا پر پڑے ہوئے ہیں۔ تو آپ دشمن سے جنگ کے لئے نکلے اور الوداع کے لئے خیام کی طرف تشریف لائے اور آواز دی:

يَا سَكِيْنَةُ !يَافَاطِمَةُ (يَا رُقَيَّةُ) يَازَيْنَبُ يَا أُمَّ كُلْثُوْمٍ عَلَيْكُنَّ مِنِّي السَّلَامُ

''اے سکینہؑ! اے فاطمہؑ! اے رقیہؑ! اے زینبؑ! اے ام کلثومؑ! خدا حافظ''۔

سکینہؑ نے فریاد بلند کی: اے میرے بابا!

اَسْتَسْلَمْتَ لِلْمَوْتِ ؟

''کیا آپ موت کی طرف جا رہے ہیں؟''

امامؑ نے فرمایا: میں کس طرح موت کی جانب نہ جاؤں کہ میرا کوئی یار و مددگار نہیں رہا۔
سکینہؑ نے عرض کیا: بابا جان! ہمیں ہمارے اجداد کے حرم پر واپس چھوڑتے جائیے۔

امامؑ نے فرمایا:

هَيْهَاتَ لَوْ تُرِكَ الْقَطَا لَنَامَ

''افسوس! اگر شکاری قطا نامی پرندے سے ہاتھ اٹھالے تو وہ اپنے آشیانے میں آسودگی سے سو جائے''۔

(اس ضرب المثل میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دشمن مجھ سے ہاتھ نہیں اٹھائے گا) مخدرات نے گریہ کی صدا بلند کی۔ امامؑ نے انہیں چپ کروایا۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ آپؑ نے ام کلثومؑ کی طرف منہ کر کے فرمایا: اے بہن! میں سفارش کرتا ہوں کہ اپنے آپ پر ضبط رکھنا اور نیک عمل کا مظاہرہ کرنا۔ میں اس گروہ (اشقیاء) سے جنگ کے لئے میدان میں جا رہا ہوں۔

سکینہؑ روتی ہوئی سامنے آئیں۔ امامؑ اپنی اس بیٹی سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ آپ نے سکینہؑ کو گلے سے لگایا۔ اس کے آنسو پونچھے اور فرمایا:

سَيَطُولُ بَعْدِيْ يَا سَكِيْنَةُ فَاعْلَمِي
مِنْكِ الْبُكَاءُ إِذَا الْحِمَامُ دَهَانِي
لَا تُحْرِقِي قَلْبِي بِدَمْعِكِ حَسْرَةً
مَادَامَ مِنِّي الرُّوحُ فِيْ جُثْمَانِي
وَإِذَا قُتِلْتُ فَأَنْتِ أَوْلَى بِالَّذِيْ
تَبْكِيْنَهُ (تَأْتِيْنَهُ) يَا خِيَرَةَ النِّسْوَانِ

''اے سکینہؑ! جب میں مر جاؤں گا تو تمہارا گریہ بہت طولانی ہوگا۔ جب تک روح میرے بدن میں ہے اپنے اشکِ حسرت سے میرا دل نہ جلاؤ۔ البتہ جب میں مر جاؤں تو پھر تمہارا رونا سزاوار تر ہے''۔ (نفس المہموم/ ۳۴۶' منتخب طریحی/ ۳۱۷ و ۳۱۶ ینابیع المودۃ/ ۳۴۶ ب ۶۱ آخری حصے کو ابن شہر آشوب نے مناقب چہارم' صفحہ ۱۰۹ میں نقل کیا ہے)

آئیدہ تا بگریم چون ابر در بہاراں

کز سنگ نالہ خیزد روز وداع یاراں

باساربان بگوئید احوالِ اشکِ چشمہ

تا بر شتر نبندد محمل بہ روز باراں

''آؤ کہ ہم بہار کے بادل کی طرح روئیں کیونکہ جب دوست وداع ہوتے ہیں تو پتھروں سے بھی صدائے نالہ بلند ہوتی ہے۔

ساربان سے میری آنکھوں کے آنسوؤں کا احوال بیان کر دو تا کہ وہ برسات کے دن اونٹ پر محمل نہ باندھے''۔

علامہ مجلسیؒ رقم طراز ہیں: امام نے خواتین کو بلایا اور اپنی بیٹوں اور بہنوں کو گلے لگایا اور ہر ایک کو خداوند متعال کی طرف سے ثواب کی تسلی دی۔ خیام سے اہلِ حرم کی صدائے گریہ وشیون بلند ہوئی: اَلْوِدَاعَ اَلْوِدَاعَ اور اَلْفِرَاقَ اَلْفِرَاقَ کی صدائیں زمین سے آسمان تک گونجنے لگیں۔

اس موقع پر میر انیس کی منظر کشی ملاحظہ ہو:

لگ جاؤ گلے، تم سے بچھڑتا ہے یہ مظلوم — اللہ کو سونپا تمہیں، اے زینبؑ و کلثومؑ

ہے صبر کا لتاں کا طریقہ تمہیں معلوم — اب جاتے ہی خنجر سے کٹے گا مرا حلقوم

مجبور ہیں، ناچار ہیں، مرضی خدا سے

بھائی نہیں جی اٹھنے کا فریاد و بکا سے

امامؑ کی صاحب زادی سکینہؑ نے کہا: اے بابا! آپ خود کو موت کے حوالے کرنے جا رہے ہیں۔ ہمیں کس کے سپرد کیے جاتے ہیں؟ امام مظلومؑ رو پڑے اور فرمایا: میری نورِ چشم! جس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا وہ موت کی طرف ہی بڑھتا ہے۔ اے میری بیٹی! تمام لوگوں کی یار و مددگار رحمت خدا دنیا و آخرت میں تم سے کبھی جدا نہ ہوگی۔ حکم خدا پہ صبر کرو اور شکیبائی کا مظاہرہ کرو کہ جلد ہی یہ دنیائے فانی ختم ہونے والی ہے اور آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا اختتام کبھی نہ ہوگا۔ (جلاء العیون/ ۴۰۸)

امامؑ کی ایک تین سالہ بیٹی تھی جو دروازۂ خیمہ میں بیٹھی آپؑ کے وداع کا منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ گریہ کرنے لگی۔ اور جب امام مظلومؑ نے خیمے سے باہر آنا چاہا تو اس کم سن بچی نے باپ کا دامن پکڑ لیا اور اپنی بہن سکینہؑ سے کہا کہ بہن آؤ بابا کا دامن پکڑ لیں۔ اور انہیں اپنے پاؤں پر چل کر موت کی طرف نہ جانے دیں۔

اس بچی کی بات نے امام اور خواتین عصمت کے دلوں کو جلا کر رکھ دیا۔ امامؑ نے اس بچی کو گود میں بٹھا لیا اور اس کا چہرہ چوما۔ اس بچی نے روتے ہوئے کہا: ہم کب تک پیاسے رہیں گے؟

امام نے فرمایا:

اِجْلِسِی عِنْدَ الْخِیْمَةِ لَعَلِّی آتِیْكِ بِالْمَاءِ

''میری بیٹی تم خیمے کے پاس بیٹھ جاؤ' شاید میں تمہارے لئے پانی لے آؤں''۔ (ریاض القدس:۲/۱۳۲)

یزید نے شمر سے پوچھا: تو کربلا میں تھا کیا' کبھی تیرا دل حسینؑ کے لئے کڑھا؟ اس ملعون نے کہا: ان مقامات میں سے جہاں میرا دل کڑھا' ایک یہ بھی ہے کہ امامؑ آخری وداع کے لئے جب دروازۂ خیمہ پر آئے تو آپ کی چھوٹی بچی نے اپنے ننھے منے ہاتھ باپ کی گردن میں حمائل کر کے اس طرح نالہ بلند کیا: ''وَا اَبَتَاهُ''

جس سے عالمین کے رہنے والوں کے دلوں میں سوز و گداز پیدا ہو گیا۔ حسینؑ نے سر نیچے جھکا لیا اور آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جب کہ وہ بچی کہہ رہی تھی: بابا جان! ہمیں واپس مدینہ پہنچا دیجئے۔ (نہضت حسینی:۱/۱۳۲)

روایت میں ہے کہ جب مالک بن یسر نے آپ پر وار کیا تو آپ کی کلاہ مبارک خون سے پُر ہو گئی۔ آپؑ نے کلاہ سر سے اتاری اور خیمہ میں پہنچ کر کپڑا طلب کیا تا کہ زخم پر پٹی باندھ سکیں۔ اور ایک روایت کے مطابق اس حال میں ندا کی:

یَا زَیْنَبُ وَیَا اُمَّ کُلْثُومٍ وَیَا سَکِیْنَةُ، یَا رُقَیَّةُ' یَا فَاطِمَةُ، عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلَامُ

حضرت زینبؑ نے آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا: بھائی! کیا آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیسے یقین نہ ہو جب کہ میرا کوئی یار و مددگار ہی نہیں۔

بی بی نے عرض کیا: بھائی! ہمیں اپنے جد بزرگوار کے حرم مبارک پر واپس پہنچا دیجئے۔

امام مظلومؑ نے فرمایا:

هَيْهَاتَ لَوْ تُرِكْتُ مَا أَلْقَيْتُ نَفْسِي فِي الْمَهْلَكَةِ وَكَأَنِّي بِكُمْ غَيْرَ بَعِيْدٍ كَالْعَبِيْدِ يَسُوقُونَكُمْ أَمَامَ الرِّكَابِ وَيَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ

''افسوس اگر یہ لوگ مجھے چھوڑ دیتے تو میں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالتا۔ اور گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ تمہیں جلد ہی غلاموں کی طرح اپنے جلوئے رکاب میں ہانکتے ہوئے لے چلیں گے (تمہیں قیدی بنالیں گے) اور تمہیں سخت تکالیف سے دوچار کریں گے''۔

جب زینب عالیہؑ نے یہ کلمات سنے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آپ نے ندا بلند کی۔

وَاحَدَ تَاهُ وَاقِلَّةَ نَاصِرَاهُ وَسُوءَ نَدمُنْقَلَبَاهُ وَاشُوْمَ صَبَاحَاهُ

''اپنے لباس کو پارہ پارہ کر لیا اور سر کے بال کھول دیئے اور اپنے منہ پر پیٹنا شروع کیا''۔

امامؑ نے فرمایا: اے دختر مرتضیٰ! صبر کیجئے۔ ابھی رونے کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔

جب امامؑ نے خیمے سے باہر نکلنا چاہا تو جناب زینبؑ نے عرض کیا: اے بھائی! تھوڑی دیر ٹھہریئے کہ میں آپؑ کی زیارت کر سکوں اور آپؑ سے آخری ملاقات کر سکوں کہ اس کے بعد دوسری ملاقات نہیں ہوگی۔

فَمَهْلاً اَخِي قَبْلَ الْمَمَاتِ هُنَيَّةً

لِتَبْرُدَ مِنِّي لَوْعَةٌ وَغَلِيْلُ

"اے بھائی! موت سے پہلے چند لمحات ٹھہریئے تاکہ میں آپ کے جمال مبارک کی زیارت سے غم کی اس آگ کو ٹھنڈا کرسکوں جو میرے دل و جان کو جلا رہی ہے"۔

پھر بی بی نے بھائی کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں پر بوسہ دیا' دوسری بیبیاں بھی آنحضرت کے گرد جمع ہوگئیں اور یہی عمل دہرانے لگیں۔

پھر امامؑ نے پرانا لباس منگوایا اور اپنے لباس کے نیچے پہنا۔ (الطراز المذہب (تاریخ حضرت زینب علیہ السلام از عباس قلید خان ۱/۲۲۵)

شہر کنعان سے باہر ایک درخت تھا کہ جسے درخت وداع کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جو شخص سفر پر جاتا تھا۔ اس کے عزیز و اقارب اور احباب اسے اس درخت تک چھوڑنے جاتے تھے۔

جب برداران یوسفؑ نے حضرت یوسفؑ کو اپنے ساتھ سیر کے لئے لے جانے کی اجازت حاصل کی تو یوسفؑ ابھی شہر سے باہر جانے ہی لگے تھے کہ آپ کی ایک بہن جو آپ کی ماں جائی تھی اور آپ سے بہت محبت کرتی تھی' نے خواب میں دیکھا کہ یوسفؑ کو ایک بھیڑیئے نے پکڑ لیا ہے۔ وہ مضطرب ہو کر اٹھی اور پوچھنے لگی: میرا بھائی کہاں ہے؟

اسے بتایا گیا کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ صحرا میں گیا ہے۔ پوچھنے لگی: میرے بابا (یعقوب علیہ السلام) کہاں ہیں؟ جواب ملا: اسے وداع کرنے گئے ہیں۔ بہن بے تاب ہوگئی کہ شاید دیر سے واپس آئے اور مجھے اس سے تاب جدائی نہیں۔ اس نے سر پر چادر لی اور بھائیوں کے پیچھے روانہ ہوگئی۔ جب دیکھا کہ یوسفؑ وداع کر کے جا رہے ہیں تو دور سے انہیں جاتے ہوئے دیکھ کر فریاد کی: اے بھائی! ایک لحظہ ٹھہر جایئے تاکہ میں آپ کو دیکھ لوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ دیر سے واپس آئیں۔ خواہر یوسفؑ حالت اضطراب میں دوڑیں تو چند دفعہ زمین پر گریں جس سے آپ کے دست و پا مجروح ہوگئے۔ یہاں تک کہ آپ جناب یوسفؑ تک پہنچ گئیں اور ان کے گلے میں بازو ڈال کر اتنا روئیں کہ بے ہوش ہوگئیں۔ (ریاض الشہادۃ

:۳/۲۳۰م ۱۲)

روز عاشور امام مظلومؑ نے اپنے ساتھیوں عزیزوں اور بیٹوں کی شہادت کے بعد دو طرح کے وداع کئے: پہلا وداع عام: چونکہ عام موجودات بلکہ تمام ممکنات آپ کے وجود مسعود کے سبب تھیں۔ اس وداع سے تمام موجودات عالم معطل ہو کر رہ گئیں اور تمام عالم میں خلل واقع ہو گیا اور منادی نے عرش سے آواز دی:

أَلا أَيَّتُهَا الأُمَّةُ الْمُتَصَيِّرَةُ الظَّالِمَةُ بَعْدَ نَبِيِّهَا (الْقَاتِلَةُ عِتْرَةَ نَبِيِّهَا) لا وَفَّقَكُمُ اللهُ لِأَضْحِيٍ وَلا فِطْرٍ

اے سرکشو! امت اور عترتِ پیغمبرؐ پر ظلم کرنے والو اور انہیں قتل کرنے والو خدا تمہیں عید الضحیٰ اور عید الفطر سے محروم کر دے"۔

وداع خاص جو آپ نے اپنے خواص سے فرمایا: حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وداع کئی مرتبہ فرمایا پہلا خاص وداع اپنے اہلِ حرم سے کیا۔

علامہ مجلسیؒ نے "بحار الانوار" میں ذکر کیا ہے کہ جب امام مظلومؑ نے اپنے اہل بیتؑ کے بہتر (۷۲) افراد کے لاشوں کو بے کس و تنہا زمین پر پڑے دیکھا' تو آپ وداع کے لئے خیموں کی جانب متوجہ ہوئے۔

وَنَادَى يَا سَكِينَةُ وَيَا رُقَيَّةُ ' وَيَا عَاتِكَةُ وَيَا زَيْنَبُ وَ يَا فَاطِمَةُ ' يَا أُمَّ كُلْثُومٍ عَلَيْكُنَّ مِنِّي السَّلَامُ

"آپ نے اہلِ حرم کو آواز دے کر فرمایا: اے سکینہؑ، اے رقیہؑ! اے عاتکہؑ! اے زینبؑ! اے فاطمہؑ! اور ام کلثومؑ! تم پر میرا اسلام"۔

(انوار الشہادۃ/۱۶۰ف ۱۴، بحار الانوار: ۴۵/ ۱۴۷ اس فرق کے ساتھ کہ بحار الانوار میں "یا رقیہ" نہیں ہے لیکن لہوف اور ابی مخنف میں ہے)

شاید عاتکہ سے مراد عاتکہ دختر زید بن عمرو بن نفیل قرشی' امام حسینؑ کی باوفا زوجہ محترمہ ہیں جو کہ ایک فاضلہ اور شاعرہ تھیں۔ انہوں نے امام مظلوم کے سوگ میں بہت سے اشعار کہے۔

اور وہ پہلی ہستی تھیں کہ جنھوں نے امام عالی مقام کے جسد مبارک کو خاک سے اٹھایا۔ اور آپ کے قاتلوں پر لعنت فرمائی۔ (اعلام النساء:۳/۲۰۶؛ ریحانۃ الادب:۴/۲۷۶؛ اجساد جاویداں/۶۴)

جب خواتین، بیٹیوں اور کنیزوں نے یہ آواز سنی تو سب کی سب خیموں سے باہر دوڑیں اور گریہ و نالہ کی صدائیں بلند کیں۔ امامؑ ہر ایک کو نصیحت کر رہے تھے جس سے دل کباب ہو جاتے ہیں۔ آپ نے ان پر نگاہِ حسرت فرمائی اور اپنے دل سوختہ سے آہ کھینچی۔

آپؑ نے فرمایا:

وَكَأَنِّيْ بِكُمْ غَيْرَ بَعِيْدٍ كَالْعَبِيْدِ يَسُوْقُوْنَكُمْ أَمَامَ الرِّكَابِ
وَيَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَتَصَائَحْنَ النِّسَاءُ فَسَكَّتَهُنَّ

"اے بہن! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تھوڑی ہی دیر میں تمہیں غلاموں اور کنیزوں کی طرح قیدی بنالیا جائے۔ یہ لوگ تمہیں گھوڑوں کے جلو میں دوڑائیں گے اور تم پر ظلم کریں گے۔ اہلِ حرم نے گریہ و نالہ کی صدا بلند کی تو امامؑ نے انہیں خاموش کرایا"۔

دوسرا وداع: آپ نے صبر کا حکم دیا میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔

تیسرا وداع: حضرت سکینہؑ مظلومہ کے ساتھ وداع خاص صغیرسن رقیہؑ کے ساتھ وداع۔

جیسا کہ نافع بن ہلال کا کہنا ہے میں نے لشکر کی دو صفوں کے درمیان نگاہ کی تو

فَرَأَيْتُ صَغِيْرَةً بَاكِيَةً جَاءَتْ وَأَخَذَتْ بِذَيْلِ أَبِيْهَا فَقَالَتْ
يَا أَبَةِ أُنْظُرْ إِلَيَّ فَإِنِّيْ عَطْشَانُ

"میں نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی بچی آئی اور امام مظلومؑ کے دامن کو تھام کر کہا: میری طرف دیکھئے کہ میں بہت پیاسی ہوں"۔

امام مظلومؑ نے اس صغیرہ کی طرف دیکھا اور رو کر فرمایا: اے میری نورِ چشم! صبر کرو۔

اَللّٰهُ يَسْقِيْكَ فَإِنَّهُ وَكِيْلِيْ

"خدا تمہیں پانی پلائے گا کہ یقیناً وہی میرا وکیل ہے"۔

آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور خیموں کی طرف پلٹے۔

نافع بن ہلال کہتا ہے: میں نے پوچھا یہ بچی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ کسی شخص نے اسے بتایا کہ یہ حسینؑ کی تین سالہ بیٹی رقیہؑ ہے۔

چوتھا وداع: حضرت زینب عالیہؑ سے کہا: جیسا کہ روایت میں ہے کہ اہلِ حرم سے عمومی وداع کے بعد آپ نے حضرت زینبؑ کو بلایا اور انہیں وصیت فرمائی اور بچوں اور بیبیوں کی سفارش کرتے ہوئے صبر کی تلقین کی۔ اس صورت حال کو شاعر نے امامؑ کی زبان حال سے یوں نقل کیا ہے:

لَا تَلْطِمِی یَابْنَةَ الزَّهْراءِ خَدَّكِ مِنْ قَتْلِی
وَاِنْ عَمَرَتْ أعضَاكِ أَشْجَانُ
وَلَا تَشُقِّی عَلَیَّ الْحَبِیْبَ صَارِخَةً
فَالشَّقُ کَشْفٌ وَنَشْرُ الشِّعْرِ خِذْلَانُ
لَکِنْ إِذَا انْصَعْتُ فِی الرَّمْضَا مُتَجَدِّلاً
وَانْحَطَّ مِنْ شَامِخِ الْمَعْرُوْفِ بُنْیَانَ
حَنِّی حَنِیْنَ حَمَامِ لَاَیْكِ نَادِیَةً
سَلْمَطِرِیْ الدَّمْعَ حَیْثُ السُّحْبُ اَعْیَانُ
وَاِنْ تَفَرَّقَتِ الْاَیْتَامُ فَابْتَدِئِیْ
بِجَمْعِهَا فَالْجَزَاءُ فِیْ الْبَعْثِ غُفْرَانُ
وَاِنْ یَشُقَّ عَلَیْهَا سَیْرُ قَائِدِهَا
فَاسْتَتَرْ فِقِیْهِ وَاِنْ عَارَقَكِ اِحْسَانُ

”اے بہن! اے دختر زہراؑ! میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے قتل ہو جانے پر اپنے منہ پر نہ پیٹنا، اگرچہ آپ کا رنج و غم بہت زیادہ ہوگا۔

اے میری بہن! میری مصیبت پر فریاد کرتے ہوئے اپنے کپڑے نہ

پھاڑنا تا کہ مکشوف نہ ہو جاؤ اور سر کے بال مت کھولنا کہ کہیں ذلت و خواری کا باعث بنیں۔

لیکن اے مہربان بہن! جب میں زمین پر گر پڑوں اور (دشمن) مجھے شہید کر دیں۔ اور میرے بدن کے ٹکڑے زمین پر بکھیر دیئے جائیں تو شاخ شجر پر بیٹھے کبوتر کی طرح اور برستے بادل کی طرح آنکھوں سے آنسو بہانا اور نالہ و فریاد کرنا۔

جب میرے یتیم بچے ظالموں کے خوف سے اس بیابان میں بھٹک جائیں تو ان کی ماں بن کر انہیں اکٹھا کرنا کہ یہ بات روز قیامت باعث بخشش ہے۔ اے بہن! دورانِ اسیری اگر یہ (ظالم) آپ کے ساتھ تند خوئی اور سخت رویہ اختیار کریں تو ان سے التماس کرنا کہ ہمارے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کے دل میں رحم نہیں ہے اور ان سے احسان کبھی سرزد نہیں ہوگا (بلکہ ظلم و ستم ہی کا برتاؤ کریں گے)"۔

وَاسۡتَسۡقِ مِنۡ خَصِيۡمِكِ الۡمَاۤءَ اِنۡ شَكَتۡ

عَطَشًا فَرُبَّمَا يَرِقُّ اِنَّ الشَّطَّ مَلَانٌ

هٰذَا عَلِيٌّ أَبُوۡ اِنۡ دَعَتۡ بِأَبٍ

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَهَا فِي اللّٰهِ اِخۡوَانٌ

مُخۡصَلًا يَااَخِي تَوَقَّفۡ حَتّٰى أَتَزَوَّدۡ مِنۡ نَظَرِيۡ

اِلَيۡكَ فَهٰذَا وِدَاعٌ لَا تَلَاقِ بَعۡدَهٗ

"اگر میرے بچے پیاسے ہوں تو ان کے لئے پانی طلب کیجئے گا۔ شاید یہ ظالم ان بچوں پر رحم کھا جائیں اور انہیں پانی دے دیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس صحرا میں کہیں بھی پانی میسر نہیں ہے جبکہ شط فرات پانی سے مملو ہے۔

اے بہن! اگر میرے یتیم اپنے باپ کو ملنا چاہیں تو میرا بیٹا علی (زین

العابدینؑ) میری جگہ ان کا باپ ہے۔ اور اگر بھائی سے ملنے کے خواہش مند ہوں تو مومنین ان کے لئے بھائیوں کی مانند ہیں"۔

امامؑ نے ذوالجناح طلب فرمایا تو اہلِ حرم اور بچوں کے گریہ و نالہ کی آوازیں آسمان تک جا پہنچیں۔ جب آپؑ نے چند قدم فاصلہ طے کیا تو دیکھا کہ دوبارہ صدائے گریہ بلند ہو رہی ہے اور زینب عالیہؑ ننگے پاؤں چل کر آ رہی ہیں اور فرماتی ہیں:

اے بھائی! ٹھہریئے مجھے آپ سے ایک کام ہے:

فَمَهْلاً يَاأَخِيْ قَبْلَ الْمَمَاتِ هُنَيَّةً

لِتَبْرُدَ مِنِّي لَوْعَةٌ وَغَلِيْلُ

تَوَقَّفْ أَخِيْ حَتَّاكَ أَنْظُرَ نَظْرَةً

فَهٰذَا وِدَاعٌ لاَ تَلاَقِ إِلَى الْغَدِ

تَوَقَّفْ أَخِيْ حَتّٰى أُبَرِّدَ لَوْعَتِيْ

وَأَمْسَحُ ذَا وَجْهِي بِرِجْلَيْكَ وَالْيَدِ

تَوَقَّفْ أَخِيْ حَتّٰى أُقَبِّلَ قُبْلَةً

مَوَاضِعَ تَقْبِيْلِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ

"اے بھائی! جلدی مت کیجئے۔ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہریئے کہ میں آپ کی زیارت سے سکون حاصل کرسکوں اور آپ کے گلستانِ جمال سے گل چینی کرسکوں کہ یہ زینبؑ کا آپ سے آخری وداع ہے اور پھر کبھی حاضرِ خدمت ہونے کا موقع نہ مل سکے گا۔

اے جانِ خواہر! تھوڑی دیر کے لئے شفقت کیجئے اس سے پہلے کہ میں آپ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں۔ آپ کے دیدار کے ذریعے سوزشِ دل سے تسکین حاصل کرسکوں۔

اے بھائی! صبر کیجئے! تاکہ دوبارہ آپ کو دیکھ سکوں اور آپ سے وداع

کر سکوں پھر کبھی آپ کو نہیں دیکھ سکوں گی۔

اے بھائی! صبر کیجئے تاکہ اپنی سوزشِ قلب کو تھوڑی سی تسکین بہم پہنچا سکوں اور اپنے چہرے کو آپ کے ہاتھوں اور پاؤں پر مل سکوں۔

اے بھائی! ٹھہریئے کہ میں ان جگہوں پر بوسہ دے سکوں جہاں پیغمبرؐ خدا بوسہ دیتے تھے"۔

امامؑ ٹھہر گئے۔ جناب زینبؑ نے عرض کیا! اے بھائی! میری ماں نے وفات کے وقت نصیحت کی تھی کہ جب آپؑ سفرِ آخرت پر روانہ ہوں تو ماں کی جگہ آپؑ کے گلے پر بوسہ دوں۔

امامؑ گھوڑے سے اُتر آئے۔ زینب عالیہؑ نے اپنے ہاتھ بھائی کی گردن میں حمائل کئے۔ اوران کے گلے کا بوسہ لیا۔ اور دونوں اس قدر روئے کہ نزدیک تھا کہ بے ہوش ہو جائیں گے۔

امامؑ نے فرمایا: اے بہن! میں بھی آپؑ سے ایک حاجت رکھتا ہوں۔ بہن نے کہا: فرمایئے۔

امامؑ نے فرمایا:

اِیتِینِی بِثَوبٍ عَتِیقٍ لَا یُرغَبُ فِیهِ اَجعَلُهُ تَحتَ ثِیَابِی لِئَلَّا اُجَرَّدَ بَعدَ قَتلِی فَاِنِّی مَقتُولٌ مَسلُوبٌ

"ایسا لباس کہ جس کی طرف کوئی رغبت نہ کرے لے آیئے' کہ میں اسے اپنے لباس کے نیچے پہن لوں' تاکہ میرے قتل کے بعد یہ (ظالم) میرے بدن کو برہنہ نہ کریں اور جب مجھے قتل کرلیں تو میرا لباس لوٹ نہ لیں"۔

خواتینِ عصمت نے یہ سن کر صدائے گریہ بلند کی اور فریاد وفغاں کرنے لگیں۔ امامؑ نے فرمایا:

مَهلًا فَاِنَّ البُکَاءَ اَمَامَکُنَّ

"آرام کیجئے کہ ابھی تمہیں رونے کے لئے بہت سے مواقع درپیش ہیں"۔

آپؑ کے لئے پرانا لباس لایا گیا تو آپؑ نے اسے پارہ پارہ کرکے اپنے لباس کے نیچے پہنا۔

فَلَمَّا قُتِلَ جَرَّدُوْهُ مِنْهُ

"لیکن جب آپ شہید ہو گئے تو آپ کا وہ لباس بھی لوٹ لیا گیا"۔

مَنْ مُخْبِرُ الزَّهْرَاءِ أَنَّ حُسَيْنَهَا
بَيْنَ الْوَرٰى عَارٍ عَلٰى تَلَعَاتِهَا
وَرُؤُوسُ أَبْنَاهَا عَلٰى سُمْرِ الْقَنَا
وَبَنَاتُهَا تُهْدٰى إِلٰى شَامَاتِهَا
يَا فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءِ قُومِيْ وَانْدُبِيْ
أَسْرَاكِ فِيْ أَشْرَاكِ ذُلٍّ جِذَاتِهَا

"کوئی ہے جو فاطمہ زہراءؑ کو خبر دے کہ آپؑ کے حسینؑ کو بیابان میں برہنہ اور عریاں کر دیا گیا ہے۔

اس کے بیٹوں کے سروں کو نیزوں پر سوار کیا گیا اور بیٹیوں کو (قیدی بنا کر) شام لے جایا جا رہا ہے۔

اے فاطمہؑ زہراءؑ! اٹھو اور اپنے اسیر اور غریب بچوں پر نوحہ کرو کہ جو سب دشمنوں کے مکر کے جال میں ہیں اور ذلت و خواری سے دوچار ہیں۔

چھٹا وداع: جناب شہر بانو سے تھا۔

ساتواں وداع: جناب امام زین العابدینؑ سے تھا (کہ جس کا ذکر آئندہ ہو گا)۔ (انوار الشہادۃ/۱۶۷تا۱۷۰)

آٹھواں وداع: حرم کی کنیزوں سے تھا' جیسا کہ روایات میں ہے کہ امامؑ سوار ہوئے تو حرم کی کنیزیں پردہ سرا سے باہر آ گئیں اور اس ماہِ امامت کے گرد ہالہ بنا لیا اور بلند آواز سے گریہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ یک زبان ہو کر ندبہ و نوحہ کرنے لگیں۔

ایک نے کہا: اے آقا! کاش میں آپ پر فدا ہو جاتی۔ دوسری نے کہا: میں آپ کے خشک ہونٹوں پر نثار' تیسری بولی: اے دونوں جہان کے ملجا و ماویٰ ہم بے کسوں کی فریاد کو سنو ہم

(آج) سارے جہاں سے کمزور اور بے آسرا ہیں۔ خادمہ فضہؓ کی بے چینی شدید تر تھی۔ امام عالی مقامؑ نے ان سب پر عنایت فرمائی اور ان کے سروں پر اپنا دستِ شفقت پھیرا۔

مقتل ابن عربی میں تحریر ہے کہ امام مظلومؑ نے اس موقع پر ایک ایسی بات کہی جس سے دل کباب ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: اے کنیزانِ حرم! حسینؑ آپ سے شرمندہ ہے۔ تم میرے عیال کی مانند ہو لیکن سب کی سب بھوکی اور پیاسی ہو۔ کنیزوں نے گریہ ونالہ کی صدائیں بلند کیں اور عرض کرنے لگیں: کاش! ہم سب پیاسی مرجاتیں، لیکن آپ کے ننھے علی اصغرؑ کی پیاس کو نہ دیکھتیں اور اس کا رونا نہ سنتیں۔ امام مظلومؑ ان کی بات سن کر رونے لگے۔ اور پھر میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔

نواں وداع: ذوالجناح سے تھا، جیسا کہ روایت میں ہے کہ جب امام مظلومؑ ذوالجناح پر آخری دفعہ سوار ہوئے تو فرمایا: اے ذوالجناح! ہائے میں مرجاؤں تو بھوکا اور پیاسا ہے۔ یہ آخری موقع ہے کہ میں تجھ پر سوار ہو رہا ہوں۔

دسواں وداع: شہیدوں اور فرات کے پانی سے تھا۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ امام مظلومؑ نے اہل بیتؑ اور اصحابؓ کے بدن ہائے مبارک پر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ سب کے پارہ پارہ بدن صحرا میں پڑے ہیں۔ یوں آپ نے رو کر فرمایا:

هَنِيئًا لَكُمْ لَقَدْ فُزْتُمْ فَوْزًا عَظِيمًا فَإِنَّا بِكُمْ لَاحِقُونَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ

”تم سب کو (شہادت) مبارک ہو۔ تم سب عظیم کامیابی سے ہم کنار ہوئے اور ہم بھی جلد ہی تم سے آملیں گے“۔

اس پر حرم سے خواتین کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں پھر آپ نے فرات کی طرف دیکھا اور فرمایا: اے فرات! تجھ پر میری آہ وحسرت!

يُذْبَحُ حَوْلَكَ كِبَارُنَا وَيَمُوتُ صِغَارُنَا فَكَأَنَّكَ حَرُمْتَ عَلَيْنَا

”تمہارے کنارے پر ہمارے بزرگ تشنہ شہید ہو گئے اور بچے پیاس سے

مر رہے ہیں۔ گویا تو ہم پر حرام ہوگئی ہو۔ اتنے میں خیموں کے دروازوں سے فریاد بلند ہوئی اور چھوٹے بچوں اور بچیوں کی رونے کی آوازیں آئیں جو کہہ رہے تھے"۔

وَاعَطَشَاهُ ' وَاغُرْبَتَاهُ ' وَاذُلَّاهُ

"ہائے پیاس، ہائے غربت، ہائے بے کسی"۔

امامؑ نے روتے ہوئے فرمایا:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

گیارہواں وداع: ملائکہ اور جنات سے تھا۔ جیسا کہ بحارالانوار میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب سید الشہداء مدینہ سے باہر نکلے تو نجیب بہشتی گھوڑوں پر سوار ملائکہ' جن کے ہاتھوں میں نورانی تلواریں تھیں امامؑ سے آکر ملے اور سلام کے بعد عرض کیا: اے اہل عالم پر حجت خدا! اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سی جنگوں اور مصیبتوں میں آپ کے جد بزرگوار کی نصرت کے لئے بھیجا تھا' اوراب ہمیں آپ کی مدد کے لئے بھیجا گیا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: میرا اور آپ کا وعدہ اس جگہ کا ہے جہاں میری قبر بنے گی اور جس جگہ میں قتل کیا جاؤں گا یہ زمین کربلا ہے۔ جب میں اس زمین پر پہنچوں تو تم آجانا۔

فرشتوں نے عرض کیا! اے حجت خدا! جو حکم آپ دینا چاہتے ہیں دیجئے تا کہ ہم اطاعت بجالائیں۔ اور اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے ساتھ رہتے ہیں تا کہ آپ سے دشمن کو دور رکھیں امام نے فرمایا: یہ اس وقت تک مجھ پر غلبہ حاصل کرنے اور مجھے اذیت پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے جب تک کہ میں کربلا میں اپنے بقعہ نور میں وارد نہ ہو جاؤں۔

اس گروہ ملائکہ کے بعد مسلمان جنوں کا ایک گروہ آیا اور سلام کے بعد عرض کیا: اے ہمارے سردار! ہم آپ کے شیعہ اور مددگار ہیں۔ جو حکم ہے اور جو آپ کی خواہش ہے فرمائیے تا کہ ہم اسے بجالائیں۔ اگر آپ ہمیں اپنے تمام دشمنوں کو قتل کرنے کا حکم دیں تو اس سے پہلے کہ وہ آپ تک پہنچیں یا آپ ان تک' ہم ان تمام کو ہلاک کردیں گے۔

امامؑ نے ان کے لئے دعا کی اور فرمایا: اور البتہ ہفتہ کے آخر میں جمعہ کے روز آتا جو کہ روز عاشور ہے اور جس دن میں اور میری تمام اولاد اور اہل بیتؑ وانصار کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور ہمارے سر نیزوں پر سوار کر کے یزید ملعون کے سامنے لائے جائیں گے۔ انہوں نے عرض کیا: اگر آپ کی اطاعت واجب نہ ہوتی اور مخالفت جائز ہوتی تو ہم آپ کے تمام دشمنوں کو آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دیتے۔

امام نے فرمایا: خدا کی قسم! ہماری طاقت ان سے کہیں زیادہ ہے۔

وَلٰكِنْ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ (سورہ انفال و آیہ ۴۲)

"لیکن جو لائق ہلاکت ہے وہ تمام حجت کے بعد ہلاک ہو گا! اور جو کوئی حیاتِ ابدی کا مستحق ہے وہ اتمامِ حجت کے بعد حیات ابدی پا جائے گا"۔

بارہواں وداع: جب امام حسنؑ کے بیٹے عبداللہ قتل گاہ میں اپنے چچا سے وداع کرنے کے لئے آپؑ کے پاس آئے۔

تیرہواں وداع: خداوند عالم کے ساتھ تھا۔ جب آسمان سے حکم آپہنچا اور آپؑ نے اپنے اہل وعیال کو خدائے مہربان کے سپرد فرمایا: (انوارلشہادۃ/۱۷۳ تا ۱۸۲)

(فارسی متن میں ترتیب کی غلطی ہے۔ آٹھواں وداع لکھنے کی بجائے سہواً نواں وداع لکھ دیا گیا ہے۔ یوں چودہ خاص وداع گنوائے گئے ہیں۔ حالانکہ مذکورہ تعداد پہلے وداع عام سمیت بنتی ہے)

منقول ہے کہ جب امام حسینؑ نے قلب سوزاں کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو ایک ضعیف ونحیف آواز سنی۔ رخ پھیر کر دیکھا تو بہن زینبؑ کو روتے ہوئے اپنی طرف آتے پایا۔ امام نے فرمایا: اے میری بہن! آپ خیمے سے باہر کس لئے نکل آئیں؟ عرض کیا: مجھے اپنی ماں کی وصیت یاد آ گئی تھی کہ جو فرما گئی تھیں کہ جہاں میرے جد رسول خدا بوسہ دیتے تھے میں بھی اس جگہ بوسہ دوں۔ جناب زینبؑ نے آپ کے حلق مبارک کو چوما اور دونوں

بہن بھائی بہت روئے، پھر امامؑ نے بہن کو تسلی دیتے ہوئے واپس پلٹا دیا۔ (الطراز المذہب: ۱/۲۳۰ اور اسی طرح تذکرۃ الشہداء صفحہ ۳۱۱)

اس طرح امام مظلومؑ نے متعدد وداع کئے اور ہر وداع میں اپنے عزیزوں کو صبر و شکیبائی کی تلقین فرمائی اور ان کی دلداری کو ملحوظِ خاطر رکھا۔

اگر چہ شہید کربلا کے تمام مصائب دلوں کو غمگین اور اشکوں کو رواں کر دیتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی مصیبت بھی آپ کے وداع سے زیادہ جانسوز نہ تھی۔

وَلِمِثْلِ ذٰلِكَ فَلْتَذْرِفِ الدُّمُوْعُ ' وَلْيَبْكِ الْبَاكُوْنَ وَلْيَنْدُبِ النَّادِبُوْنَ وَلْيَصْرُخِ الصَّارِخُوْنَ وَيَضِجَّ الضَّاجُّوْنَ وَيَعِجَّ الْعَاجُّوْنَ

وداع کی مصیبت دل کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ اور سوختہ دل فریاد کناں ہو جاتے ہیں۔ تصور تو کیجئے کہ امام کس طرح راہ شہادت کی طرف گئے ہوں گے۔ آپ کے ارد گرد عورتوں' بیٹیوں اور بچوں کا اس طرح ہجوم تھا جیسے شمع کے گرد پروانے ہوتے ہیں۔ ایک کو چپ کراتے ہیں تو دوسرا مخاطب ہوتا ہے۔ کوئی آہ و نالہ کی صدا بلند کرتا ہے، کسی کی وامحمد کی فریاد بلند ہوتی ہے اور کسی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی ہے۔ گویا قیامت کبریٰ برپا ہے اور آسمان کے فرشتے حیرانی و حسرت سے دیکھ رہے ہیں۔

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف اپنی زیارت میں فرماتے ہیں:

قَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِكَ مَلٰٓئِكَةُ السَّمٰوٰتِ

"آپ کے صبر نے آسمان کے فرشتوں کو حیران کر دیا"۔

"اربعین حسینیہ" میں امام جعفر صادقؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے امام حسینؑ کے وداع کے بارے میں جان سوز کلمات ارشاد فرمائے اور شدید گریہ کیا۔ ان جانسوز کلمات میں یہ بھی فرمایا: وائے ہو اس شخص پر جو وداع حسینؑ کو سنے اور محزون نہ ہو۔ (نہضت حسینی: ۱/۱۴۰)

نوری مرحوم مرزا یحییٰ ابہری سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ علامہ مجلسی سید الشہداء کے صحن مطہر میں پائینِ پا طاق الصفا میں بیٹھے مصروف تدریس ہیں۔ آپ نے

وعظ شروع کیا اور جب مصائب پڑھنا چاہا تو کسی شخص نے آ کر کہا: حضرت فاطمہ زہراؑ فرماتی ہیں:

اُذْكُرِ الْمَصَائِبَ الْمُشْتَمِلَةَ عَلٰی وِدَاعِ وَلَدِیَ الشَّهِيْدِ

"وہ مصائب بیان کرو جو میرے شہید بیٹے کے وداع کے بارے میں ہو"۔

علامہ مجلسی نے وداع امامؑ پر مبنی مصائب بیان کئے تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ اور اس قدر گریہ ہوا کہ میں نے عمر بھر نہ دیکھا۔ (منتہی الآمال: ۳۸۷)

اے اہلِ جہاں آج کے دن کر لو زیارت ۔۔۔ دُنیا سے محمدؐ کے نواسے کی ہے رحلت

یہ شکل نہ آئے گی نظر پھر کسی صورت ۔۔۔ سمجھو پسرِ فاطمہ زہراؑ کو غنیمت

ڈھونڈو گے تو شبیرؑ سا آقا نہ ملے گا

پھر تم کو محمدؐ کا نواسہ نہ ملے گا

(میر انیسؔ)

maablib.org

زعفر جن کا انکشاف

وہ کربلا میں سید ابرار کا جہاد　　دانتوں میں انگلیوں کو دباتے تھے جن زاو
کوفہ کو بھاگنے لگی کل قوم پُر فساد　　قائم کیا حسینؑ نے یوں دین کا عماد
سجدے میں سر تھا خنجر بیداد چل گیا
لرزا جہان کرب سے ہر دل دہل گیا
(مرثیہ شہادت عظمیٰ)

فاضل دربندی "اسرار الشہادۃ" نامی کتاب میں اپنے معاصر علماء میں سے ایک شخص کا قول نقل کرتے ہیں کہ ایک جلیل القدر ثقہ طالب علم نے بیان کیا:

میں ہمیشہ زعفر جن کو ملامت کیا کرتا تھا اور اس کی بے سعادتی پر اظہار تاسف کرتا تھا کہ روز عاشور کربلا سے واپس کیوں پلٹ آیا۔ اس نے امام مظلومؑ کو تنہا پا کر بھی ان کی امداد نہ کی حالانکہ امام نے اسے اذن رخصت بھی عطا نہ کیا تھا۔

عشرہ محرم کی ایک رات میں مدرسہ اصفہان میں اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا اور کچھ کتابوں میں زعفر جن کے زمین کربلا پر اپنے لشکر سمیت آنے اور پھر پلٹ جانے کے بارے میں مطالعہ کر رہا تھا۔ اچانک ایک شخص نے دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ سلام کے بعد ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ میں اس کی اپنے کمرے میں آمد سے بہت متعجب اور خوفزدہ ہوا کیونکہ میں نے تو دروازہ بند کر رکھا تھا۔

اس نے کہا: خوفزدہ نہ ہوں: میں تمہارا بھائی زعفر جن ہوں۔ میں تم سے ملاقات کے لیے آیا ہوں کہ اپنا عذر بیان کر سکوں۔

معلوم ہوا کہ جب میں اپنے لشکر کے ساتھ زمین کربلا پر پہنچا تو میں نے کربلا کی سرزمین کو جنوں کے معتبر گروہوں اور ان کے بادشاہوں سے پُر پایا۔ میرا رتبہ اور شان و شوکت ان سب سے کمتر اور میرا لشکر ان کے مقابلے میں بہت تھوڑا تھا۔ مجھے اپنے نزدیک چار فرسخ کے فاصلے تک کوئی جگہ خالی نظر نہیں آتی تھی۔ اسی طرح میں نے زمین و آسمان کے درمیان تمام جگہ کو ملائکہ سے پُر پایا۔ میرا امامؑ کے نزدیک جانا ممکن نہ تھا۔

جنات حسب مراتب و شان آگے پیچھے صف در صف موجود تھے اور ہر صف کے آگے اس کا رئیس کھڑا تھا۔ اسی طرح ملائکہ کے گروہ حاضر تھے اور ہر گروہ آپ کے سامنے اس طرح مراعاتِ ادب بجالا رہا تھا جیسے رعایا اپنے عظیم سلاطین کے سامنے پیش ہوتی ہے۔ دور اور نزدیک کے تمام جن و ملک اپنے اپنے مقام پر نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ امام عالی مقامؑ پر سلام بھیج رہے تھے اور آپ کی نصرت کے لئے اجازت طلب کر رہے تھے۔ جب کہ آپ اجازت نہیں دے رہے تھے۔ میرا لشکر امام عالی مقامؑ سے چار فرسخ دور کھڑا تھا۔ ہر کسی لشکر نے اپنے اپنے مقام پر نہایت تعظیم و ادب سے آنحضرت پر سلام کیا اور جواب سلام موصول کیا۔

اس کے بعد امام نے ہر صف میں کھڑے جن و ملائکہ سے بات چیت اور ملاطفت فرمائی۔ اور آخر میں ہر ایک کے لئے دعا کی' اور ان سب کے لئے خداوند متعال سے جزائے خیر چاہی' لیکن کسی کو اذن جہاد عطا نہ کیا۔

سب کے سب آپ کی نصرت سے ناامید ہو کر اپنی اپنی جگہ سے واپس چلے گئے لیکن میں واپس جانے کے لئے تیار نہ ہوا اور اسی سرزمین کے ایک کونے میں بیٹھ کر گریہ و زاری اور جزع فزع میں مصروف ہو گیا۔ میں اپنے منہ پر پیٹتا تھا اور امام مظلومؑ کی حالت زار پر افسوس کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ان ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا اور شہداءؓ کے سروں کو اپنے ہمراہ لے گئے اور آپ کے عیال و اطفال اور پسماندگان کو قیدی بنائے وہاں سے کوچ کیا۔ میں بھی اپنے لشکر کے ہمراہ ان کے پیچھے پیچھے چل دیا کہ شاید اہل بیتؑ ہی کی کچھ خدمت کر سکوں۔ اور بچوں کو اونٹوں کی پشتوں سے گرنے اور دیگر صدمات سے بچانے میں معاونت کر سکوں۔

جب ابن زیاد کا لشکر کوفہ پہنچا تو آفتاب غروب ہو گیا اور لشکری کوفہ میں داخل نہ ہو سکے۔

لہٰذا وہ اشخاص جو قیدیوں اور سروں پر موکل تھے' نے کوفہ کے باہر ہی کپڑے بچھا کر ٹھکانا کیا اور کوفہ سے ان کے لئے اشیائے خورد و نوش لائی گئیں۔ جب کہ اہل بیتؑ رسالت کو کسی اور جگہ پر ٹھہرایا گیا۔ اہل بیتؑ کے بچے بھوک اور پیاس کی شدت اور ان لذیذ غذاؤں کو دیکھ اور سونگھ کر گریہ کرنے لگے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی کنیز فضہؓ، صدیقہ صغریٰ زینب کبریٰؑ کے نزدیک پہنچیں اور عرض کرنے لگیں: اے میری آقا زادی! یہ بچے بھوک پیاس سے رو رو کر مر جائیں گے! حضرت زینب نے فرمایا ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

فضہؓ نے کہا: رسولؐ خدا نے مجھے تین مستجاب دعائیں عطا فرمائی تھیں جن میں سے ایک دعا مانگنا باقی ہے۔ مجھے حکم دیجیے کہ اس دعا کو بچوں کے لئے استعمال میں لاؤں۔

جناب زینبؑ نے حکم مرحمت فرمایا تو فضہؓ اس چھوٹے سے ٹیلے کے ایک گوشے میں تشریف لے گئیں۔ وہاں دو رکعت نماز حاجت ادا فرمائی اور دعا کی۔ دعا کے دوان میں ہی میں نے دیکھا کہ آسمان سے گوشت اور شوربے سے بھرا ہوا ایک بہت بڑا قدح (خوان) اُترا جس پر دو قرص نان بھی رکھے ہوئے تھے۔ اس خوانِ نعمت سے مشک عنبر اور زعفران کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ امام زین العابدینؑ اور عیال و اطفال نے یہ کھانا تناول فرمایا مگر اس میں ذرا برابر کمی نہ آئی۔ پھر غذا کی ضرورت کے وقت یہ غذا کھائی جاتی رہی مگر وہ جوں کی توں رہتی تھی' اس کے بعد یہ آسمان کی طرف اٹھالی گئی۔

زعفر نے کہا: یہ ہے میری حکایت خدا کی قسم میں اور میرے ساتھی ورود کربلا سے لے کر مدینہ واپسی تک اہل بیتؑ سے جدا نہ ہوئے۔ اور میں نے ان کی کوئی خلاف ورزی اور تقصیر نہیں کی۔ لہٰذا آپ آئندہ مذمت و ملامت نہ کیجیے گا۔

زعفر نے یہ کہا اور میری نظروں سے غائب ہوگیا۔ اور میں اپنی بات پر پشیمان ہوا۔

(دارالسلام عراقی/۳۵۲' مکاشفہ جم)

پرانا لباس

راوی کہتا ہے: امام حسینؑ نے فرمایا: مجھے ایسا لباس لا کر دیجئے کہ جو کسی کی رغبت کا باعث نہ ہو اور جسے میں اپنے لباس کے نیچے پہن لوں، تا کہ یہ (ظالم) میرے بدن کو برہنہ نہ کریں۔

آپ کے لئے تبان (چھوٹی سی شلوار) لائی گئی مگر آپؑ نے فرمایا: نہیں یہ اس شخص کا لباس ہے جسے ذلت و خواری دامن گیر ہو۔ پس آپؑ نے ایک اور پرانا لباس لیا اور اسے پارہ پارہ کر کے اپنے لباس کے نیچے پہنا (لیکن جب آپ شہید ہو گئے تو آپ کے بدن اطہر سے یہ لباس بھی اتار لیا گیا)

پھر یمن کا بنا ہوا لباس طلب فرمایا اور اسے بھی (جگہ جگہ سے) پھاڑ کر پہنا۔ اس لباس کو پھاڑنے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ اسے لوٹ نہ لیا جائے۔ بحرین کعب لعین نے یہ لباس لوٹ کر امام کو برہنہ کر دیا۔

اس جرم کے ارتکاب پر اس ملعون کے دونوں ہاتھ گرمیوں میں خشک لکڑیوں کی طرح سوکھ جاتے تھے اور سردیوں میں تازہ ہو جاتے تھے۔ اور ان سے خون اور پیپ بہنے لگتے اور وہ اسی حالت میں ہلاک ہوا۔ (لہوف/۱۲۳: بحار الانوار: ۴۵/۵۴ ارشاد/۱۱۵ نفس المہموم/۳۶۰)

لباس کہنہ بپوشید زیر پیرہنش
کہ تا بروں نکند خصم بد منش زتنش

لباس کہنہ چہ حاجت کہ زیر سم ستور
تنی نماند کہ پوشند جامہ یا کفنش

مرحوم آیت اللہ بیرجندی نے دس جمادی الاولیٰ کے حوادث میں تحریر کیا ہے:

ایک دن حضرت فاطمہ زہراؑ نے حضرت ابراہیم خلیلؑ کا لباس اپنی بیٹی زینب کبریٰ کو عطا کیا اور فرمایا: میری بیٹی! جب تمہارا بھائی حسینؑ تجھ سے اس لباس کا مطالبہ کرے' جو ایک گھڑی کے لئے تمہارا مہمان ہوگا اور اس کے بعد حرام زادوں کے ہاتھوں سخت ترین ظلم وستم سے شہید کردیا جائے گا تو یہ لباس اسے دے دینا۔ (اشک رواں برامیر کارواں/۱۱۶ استدراک خصائص)

امام سجادؑ نے ایک ہاتف کے جواب میں فرمایا تھا: جب ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا تو جبریلؑ ان کے لئے لباس لے کر آیا۔ جس کے پہننے سے آگ ان سے دور رہی اور ان کے ارد گرد نرگس کے پھول اُگ آئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے وہ لباس اپنے بیٹے اسحاقؑ کو بخش دیا۔ انہوں نے یعقوبؑ کو اور یعقوبؑ نے یوسفؑ کو دیا اور ان سے خواہش کی کہ اسے اپنے آپ سے جدا نہ کرنا۔

جب حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کے پاس آئے تو آپ نے یہ لباس انہیں دیا کہ اسے جناب یعقوبؑ کے چہرہ پر ڈال دینا جس سے ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ جیسا کہ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا:

اِنِّی لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنَ

"اگر تم مجھے گمراہ نہ سمجھو تو میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں"۔ (سورہ یوسف آیہ ۹۴: بحار الانوار: ۴۲/۱۲)

کہتے ہیں کہ یہی وہ لباس تھا جو امام حسینؑ نے پہنا اور بعد ازاں امام سجادؑ نے یزید سے اس کے واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ (تاریخ انبیاء از مرحوم عمادزادہ/۲۹۳)

امام مظلومؑ کے اس پھٹے ہوئے لباس کو ہر سال اول محرم تا روز عاشور عرش خدا سے زمین کی طرف لٹکایا جاتا ہے۔ پھر اس کو اٹھالیا جاتا ہے، اس لئے کہ محرم کی ابتداء سے عوالم علویہ کے کل مجردات بلکہ عوالم سفلیہ کے مادیات کہ جن کا تعلق امام مظلومؑ سے ہے' سبھی منقلب عزادار اور محزون ہو جاتے ہیں۔ (خصائص الزینبیہ/۴۹ خصیصہ نوزدہم)

روزِ قیامت حضرت فاطمہ زہراؑ جب میدانِ محشر میں تشریف لائیں گی تو امام حسینؑ کا خون آلود لباس ان کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہ بارگاہ ایزدی میں عرض کریں گی: خدایا! میرے اور میرے فرزند کے قاتلوں کے درمیان فیصلہ فرما۔(مناقب ابن شہر آشوب:۳/۳۲۷)

اور عرض کریں گی: خدایا! یہ میرے بیٹے کا لباس ہے۔یعنی دیکھیے کہ کس قدر تلواروں نیزوں اور تیروں سے سوراخ سوراخ ہے۔ یا یہ کہ اس لباس کو بھی مظلومؑ کے بدن پر نہ چھوڑا گیااور اسے برہنہ حالت میں زمین پر پھینک دیا گیا۔اس کے بعد بی بی خداوند متعال سے خواہش کریں گی کہ مجھے میرے حسینؑ سے ملا۔

حکم خداوندی ہوگا: قلب قیامت میں نگاہ دوڑایئے۔آپؑ امام حسینؑ کوسر بریدہ حالت میں کھڑا پائیں گی ،اور پکاریں گی: ''اے میرے میوۂ دل'' ! ملائکہ آپ کے گریہ وشیون سے بے ہوش ہو جائیں گے اور اہلِ محشر ندا کریں گے۔خدا آپ کے بیٹے کے قاتل کو قتل فرمائے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے:

لَا يَبْقٰى فِى الْجَمْعِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَلَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ اِلَّا بَكٰى لَهَا

''میدانِ قیامت میں کوئی مقرب فرشتہ' پیغمبر مرسل اور بندہ مومن ایسا نہ ہوگا جو حضرت فاطمہؑ کی اس حالت پر گریہ کناں نہ ہو''۔

(۱) کتابہای وفاۃ الصدیقۃ الزہراء از مرحوم مقرم/۳۹ الخصائص الحسینیہ/۱۶۴ بحارالانوار: ۴۳/۲۲۱ تا ۲۲۷ اشک رواں برامیر کارواں/۲۸۸ور جوع فرمائیں)

maablib.org

علاماتِ امامت کی سپردگی

جیسا کہ اخبار و احادیث سے معلوم ہوتا ہے، علامات امامت ایک امامؑ سے دوسرے امامؑ تک دو طریقوں سے منتقل ہوتے ہیں۔ ایک ودائع و اسرار ہیں کہ جن کی سابق امامؑ سے بعد میں آنے والے امامؑ کو بغیر کسی واسطے کے سپردگی ہو جاتی ہے۔ مثلاً اسم اعظم اور بعض چیزیں مثلاً مخصوص اسلحہ اور کتب وغیرہ اگر کوئی خوف نہ ہو یہ بعد میں آنے والے امام تک تو بغیر کسی واسطہ کے منتقل ہو جاتی ہیں۔ ورنہ تقیہ کے تحت کسی دوسرے شخص کے توسط سے ایک امام اپنے سے بعد میں آنے والے امام کو یہ اشیاء پہنچا دیتا ہے۔

امام حسینؑ نے اپنے مخصوص علامات و اسرار کو خود امام سجادؑ تک منتقل فرما دیا اور بعض اشیاء مثلاً صحائف، کتب اور اسلحہ چند لوگوں مثلاً بی بی ام سلمہؑ اپنی بڑی بیٹی فاطمہؑ اور حضرت زینبؑ کے توسط سے امام سجادؑ کو پہنچائیں۔

مرحوم صفار نے اپنی اسناد کے ساتھ ابی جارود سے اور انہوں نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ جب وقتِ شہادت آ پہنچا تو امام حسینؑ نے اپنی بیٹی فاطمہ کو طلب فرمایا اور غلاف میں لپٹی ہوئی ایک کتاب اور ظاہری و باطنی وصیت انہیں عطا فرمائیں۔ اور حضرت علی ابن الحسینؑ اس وقت درد دل میں مبتلا تھے اور کسی کو یقین نہ آتا تھا کہ وہ اس مرض سے صحت یاب ہو جائیں گے۔ آپ کے صحت یاب ہونے کے بعد حضرت فاطمہ نے وہ کتاب انہیں پہنچا دی۔ اور اب وہ میرے پاس ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے عرض کیا! اس کتاب میں کیا مرقوم ہے؟ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم جو کچھ فرزند آدم اختتام دنیا تک جاننے کا محتاج ہے وہ اس کتاب میں ہے۔

(بصائر الدرجات/ ۱۴۸ جز ۳ ب ۱۳ ح ۹ بحار الانوار ۴۶/ ۱۷ اب ۲ ح ۲)

شیخ طوسی فضیل سے نقل کرتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ نے ان سے فرمایا: جب امام حسینؑ عراق کی طرف متوجہ ہوئے تو اپنا وصیت نامہ اور مخصوص کتب نیز دوسری اشیاء حضرت ام سلمہؓ زوجہ پیغمبر کو دیں اور ان سے فرمایا: جب میرا بڑا بیٹا آپ کے پاس آئے تو آپ یہ اشیاء اسے دے دینا۔

جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو علی بن الحسینؑ ام سلمہؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے یہ سب کچھ ان کی خدمات میں پیش کر دیا۔ (بحار الانوار ۴۶/۱۸ ح ۳)

اور حکیمہ دختر امام جواد سے روایت ہے کہ امام حسینؑ نے حالت ظاہری میں اپنی بہن حضرت زینبؑ کو نصیحت فرمائی۔ چنانچہ امام سجادؑ کے زمانے میں جو کچھ آنحضرتؐ کے علوم سے ظاہر ہوا' اسے مخفی و محفوظ رکھنے کے بارے میں علی بن الحسینؑ حضرت زینبؑ سے نسبت دیتے تھے۔ (بحار الانوار: ۱۵/۳۶۳ باب احوال سفراء ج ۱۱' اثبات الوصیۃ/۲۰۶)

مسعودی کا کہنا ہے: امام حسینؑ نے علی بن الحسین کو حالت بیماری میں طلب فرمایا۔ اور انہیں اسم اعظم اور مواریث انبیاء سپرد فرمائے اور ان سے کہا: علوم صحف اور اسلحہ ام سلمہؓ کے پاس ہیں' اور اس بی بی سے سفارش کر رکھی تھی کہ یہ سب کچھ انہیں دے دینا۔ (نفس المہموم/۳۴۷' اثبات الوصیۃ ۱۴۷)

غریب کربلاؑ امام سجادؑ سے الوداع

عابد و ہمشیر و دختر الوداع
ہم چلے سوئے ستم گر الوداع
دین حق کی زندگی کے واسطے
ایک سجدہ زیرِ خنجر الوداع
(حرفِ دوام)

امام سجادؑ کربلا میں اس قدر بیمار تھے کہ کسی کو بھی ان کے جاں بر ہونے کی امید نہ تھی۔ آپؑ بستر بیماری پر پڑے تھے اور حرکت کرنے کی سکت تک نہ تھی۔ یہ مصلحت خداوندی تھی کہ آپؑ زندہ رہیں اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں تاکہ زمین حجت خدا سے خالی نہ ہو جائے۔

امام حسینؑ اپنے فرزند امام سجادؑ کے سرہانے آئے تاکہ ان سے الوداع کر سکیں۔ بعض کتب مقاتل میں مذکور ہے کہ امام سجادؑ نے اپنے بابا سے سوال کیا:

يَا أَبَتِ مَا صَنَعْتَ الْيَوْمَ مَعَ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ

''اے بابا! اس قومِ اشقیاء نے آپؑ کے ساتھ کیا کیا؟''

آپؑ نے فرمایا:

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ

''شیطان نے ان پر غلبہ حاصل کر رکھا ہے اور انہوں نے خدا کو بھلا دیا ہے''۔ (سورۂ مجادلہ، آیہ ۱۹)

یہ صبح سے لے کر اب تک مجھ سے جنگ کرنے میں مشغول ہیں۔

امام سجادؑ نے کہا: يَا أَبَةَ أَيْنَ حَبِيْبُ ؟: بابا (چچا) حبیب کہاں ہیں؟ مظلوم کربلا نے جواب دیا: "قُتِلَ" وہ شہید ہو گئے۔ پھر پوچھا: "أَيْنَ بُرَيْرُ"؟ فرمایا: قُتِلَ عرض کیا: ابن مسلم؟ فرمایا: شہید ہو گئے: کہا "أَيْنَ عَمِّيَ الْعَبَّاسِ" میرے چچا کہاں ہیں؟ فرمایا: وہ بھی شہید ہو گئے۔ عرض کیا: أَيْنَ اِبْنُ عَمِّيَ الْقَاسِمُ "؟ میرے چچا کے بیٹے قاسمؑ کہاں گئے؟ فرمایا: وہ بھی شہید ہو گئے۔ پوچھا: أَيْنَ أَخِيْ عَلِيَّ أَكْبَرُ "میرے بھائی علی اکبرؑ کہاں ہیں؟

مظلوم کربلا سید الشہداءؑ نے فرمایا: میری آنکھوں کے نور دیکھو ان خیموں میں میرے اور آپ کے سوا کوئی مرد باقی نہیں رہا۔ یعنی آپ کے بھائی بھی مارے گئے۔ یہ سن کر آپ میں تاب گفتگو نہ رہی۔ آپ نے سرد آہ بھری اور مضمحل (بے ہوش) ہو گئے۔ (ریاض القدس: ۲/۱۲۳)

روایت میں ہے کہ آخری دفعہ جب آپ میدانِ جنگ سے لوٹے تو اپنے دریدہ بدن کے ساتھ امام سجادؑ کے سرہانے پہنچے۔ دونوں ہستیوں نے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور نزدیک تھا کہ بے ہوش ہو جائیں۔ پس غریب کربلا نے امامت کے اسرار اور غیبت کے رُموز اپنے فرزند ارجمند کو عطا کئے اور فرمایا:

يَاعَلِيُّ عَلَيْكَ بِالصَّبْرِ وَالتَّقْوىٰ

"اے علیؑ میں آپ کو صبر اور تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں" (انوار الشہادۃ / ۱۷۰ف ۱۴)

امام مظلومؑ جب اپنے فرزند زین العابدینؑ کے خیمے میں آئے تو دیکھا کہ کھال کے فرش پر لیٹے ہوئے ہیں اور زینب کبریٰؑ ان کے پاس بیٹھ کر ان کی تیمارداری کر رہی ہیں۔

جب بیٹے نے باپ کو دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھے۔ آپ بیماری کی شدت سے ناتواں تھے لہٰذا اپنی پھوپھی زینب سے فرمایا: میری پشت کو اپنے سینہ کا سہارا دیجئے کیونکہ فرزند رسولؐ خدا تشریف لا رہے ہیں۔ امامؑ نے اپنے بیمار بیٹے کی احوال پرسی کی اور آپ نے حمد خداوندی بیان فرمائی۔ اس وقت امام سجادؑ نے بابا سے پوچھا:

أَيْنَ عَمِّيَ الْعَبَّاس؟ "میرے چچا عباسؑ کہاں ہیں"؟

جب آپؑ نے یہ سوال کیا تو جناب زینبؑ گلو گیر ہو گئیں اور اپنے بھائی پر نگاہ ڈالی کہ بھلا کیا جواب دیتے ہیں؟ چونکہ امام مظلومؑ نے اس خوف سے کہ بیٹے کے مرض میں اضافہ نہ ہو جائے حضرت عباسؑ کی شہادت کی خبر انہیں (ابھی تک) نہ دی تھی۔

اب امامؑ نے فرمایا: بیٹا تمہارے چچا عباسؑ شہید ہو گئے ہیں اور فرات کے نزدیک ان کے بازو قلم کر دیئے گئے ہیں۔ امام سجادؑ نے شدید گریہ کیا' یہاں تک کہ غش فرما گئے۔ اور جب ہوش میں آئے تو اپنے دوسرے چچاؤں کے بارے میں پوچھا: امامؑ نے فرمایا: وہ بھی شہید ہو گئے۔ تب سید سجادؑ نے پوچھا:

أَيْنَ أَخِيْ عَلِيٌّ وَحَبِيْبُ بْنُ مَظَاهِرَ وَمُسْلِمُ بْنُ عَوْسَجَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ الْقَيْنِ؟

''میرے بھائی علیؑ (چچا) حبیب ابن مظاہرؓ، مسلم ابن عوسجہؓ اور زہیر ابن قینؓ کہاں ہیں؟''

امامؑ نے فرمایا: ان خیموں میں مردوں میں سے میرے اور تمہارے سوا کوئی باقی نہیں بچا اور سب کے سب زمین پر پڑے ہیں۔ امام سجادؑ نے شدید گریہ کیا اور اپنی پھوپھی زینبؑ سے فرمایا: میری تلوار اور میرا عصا اُٹھا لایئے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: یہ (چیزیں) کس لئے مانگ رہے ہو؟ عرض کیا: میں عصا کا سہارا لوں گا اور تلوار سے فرزندِ رسولؐ کا دفاع کروں گا۔ امام حسینؑ نے انہیں منع کیا اور اپنے سینے سے لگا کر فرمایا:

اے میرے بیٹے! تم میری پاکیزہ ترین ذریت' بہترین عترت اور ان عورتوں اور بچوں کے لئے میری جانشین ہو۔ یہ غریب و بے کس خواری و یتیمی' دشمنوں کی شماتت اور حوادثِ روزگار کا شکار ہیں۔ جب یہ فریاد کناں ہوں تو انہیں چپ کرانا اور جب وحشت زدہ ہوں تو ان سے انس و محبت کرنا اور انہیں آرام بہم پہنچانا۔ نیز نرم گفتگو سے ان کے دلوں کی تسکین کا سامان کرنا۔ کیونکہ تمہارے سوا کوئی مرد نہیں ہوگا جس سے وہ مانوس ہوں اور تمہارے سوا کوئی شخص نہیں ہوگا کہ جس سے وہ اپنا غم دل بیان کریں۔

ان کے لئے اپنی خوشبو رہنے دیجئے۔ اورتم ان کی خوشبو حاصل کرنا۔ وہ تم پر گریہ کریں گے اورتم ان پر گریہ کرنا۔ پس آپ نے سید سجادؑ کے ہاتھ کو پکڑا اور با آواز بلند فرمایا:

اے زینبؑ! اے ام کلثومؑ! اے سکینہؑ! اے رقیہؑ! اے فاطمہؑ! میری بات کو سنو اور جان لو کہ میرا یہ فرزند تم پر میرا جانشین ہے، اور یہ واجب الاطاعت امام ہے۔ (معالی السبطین: ۱۲/۲)

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں! پھر امام سجادؑ نے اپنے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی اور جب اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو نہ پایا تو آپؑ اپنے بابا کی تنہائی اور بے یاوری دیکھ کر ان کے آگے آگے میدانِ جنگ کی طرف چل پڑے۔ حالانکہ کمزوری اور بیماری کے سبب آپ تلوار تک اٹھانے کی سکت نہ رکھتے تھے۔

جناب ام کلثومؑ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے میرے عزیز! واپس لوٹ آیئے۔ سید سجادؑ نے فرمایا: پھوپھی جان! مجھے مت روکیے تاکہ میں فرزندِ رسولؐ کے پیش رو کے طور پر جہاد کرسکوں۔ امام مظلومؑ نے فرمایا: ام کلثومؑ! انہیں پکڑ کر واپس لے جایئے مبادا کہ یہ شہید ہو جائیں اور زمین نسل آلِ محمدؐ سے خالی ہو جائے (بحار الانوار: ۴۶/۴۵)

''دعوات راوندی'' میں امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جس روز میرے بابا شہید ہوئے۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر سینے سے لگایا: اس حال میں کہ خون ان کے جسم اطہر سے پھوٹ رہا تھا۔ اور فرمایا: اے فرزند! میری جانب سے یہ دعا حفظ کر لیجئے کہ جو مجھے حضرت فاطمہؑ نے تعلیم فرمائی تھی اور حضرت فاطمہؑ نے رسولؐ خدا سے اور انہوں نے جبرئیل سے سیکھی تھی۔ جب تمہیں کوئی حاجت، مہم، غم مصیبت اور امر دشوار پیش آئے تو کہنا:

بِحَقِّ يٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ وَبِحَقِّ طٰهٰ وَالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ ' يَامَنْ يَقْدِرُ عَلٰى حَوَائِجِ السَّائِلِيْنَ يَامَنْ يَعْلَمُ مَا فِي الضَّمِيْرِ يَامُنَفِّسًا عَنِ الْمَكْرُوْبِيْنَ ' يَا مُفَرِّجًا عَنِ الْمَغْمُوْمِيْنَ ' يَا رَاحِمَ الشَّيْخِ الْكَبِيْرِ يَارَازِقَ الطِّفْلِ الصَّغِيْرِ يَا مَنْ لَا يَحْتَاجُ اِلَى التَّفْسِيْرِ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَافْعَلْ بِيْ كَذَا

وَ كَذَا۔ (نفس المہموم/۳۴۷: منتہی الآمال:۱/۳۸۷)

مرحوم کلینی قدس سرہ امام محمد باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: امام زین العابدینؑ نے اپنی وفات کے وقت مجھے اپنے سینے سے لگا کر فرمایا: اے میرے بیٹے! میں تمہیں وہ وصیت کرتا ہوں جو میرے والد گرامی نے اپنی شہادت کے وقت مجھے کی تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میرے بابا نے مجھے تاکید فرمائی تھی:

يَابُنَيَّ اِيَّاكَ وَظُلْمَ مَنْ لَا يَجِدُ عَلَيْكَ نَاصِرًا اِلَّا اللّٰه

"اے میرے بیٹے ایسے شخص پر ظلم سے اجتناب کرو جس کا خدا کے علاوہ کوئی مددگار نہیں"۔ (کافی:۲/۳۳۹باب ظلم ح ۵)

maablib.org

امام عالی مقامؑ کی میدانِ جنگ کی طرف روانگی

رہوار کو بڑھا کے چلے یوں امامِ کُل — جیسے لچکتی شاخ کے اُوپر ہو کوئی گُل
نورِ نظر عشق کا دلِ خاتم الرسلؐ — ہے شور لافتیٰ کا توصلِ علیؑ کا غُل

جاتا ہے کس شکوہ سے بیٹا بتولؑ کا
حیدرؑ کی ذوالفقار ہے گھوڑا رسولؐ کا

(استاد قمر جلالوی)

امام حسینؑ اس حال میں میدانِ جنگ کی طرف چلے کہ آپ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ دل دنیا سے قطع تعلق کر چکا تھا اور آپؑ تیزی سے شہادت اور لقائے پروردگار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

امامؑ نے رات کی بیداری اور دکھ' دن کی گرمی اور سواری' بھائیوں بیٹوں اور عزیزوں کے غم' پیاس کی شدت' زخموں کے درد' گرمی کی تپش اور ساتھیوں کے فقدان کے باوجود رجز پڑھا اور دشمنوں کو جنگ کے لئے للکارا اور جو کوئی اس فرزندِ حیدر کرار شیر خدا علی مرتضیٰؑ کے سامنے آیا اسے جہنم رسید کیا۔ اور جب ان منافقوں میں سے بہت سے بہادروں اور دلیروں کے خاتمے پر کسی اور کی جرأت نہیں پڑتی تھی کہ آپ کے سامنے آئے' تو آپ نے بہادر شیر کی طرح لشکر یزید کے میسرہ اور میمنہ پر حملہ کر دیا اور ہر حملے میں بہت سے گروہوں کو ہلاک کیا۔

سید بن طاؤسؒ لکھتے ہیں: راوی کہتا ہے خدا کی قسم میں نے کبھی کسی ایسے شکستہ حال انسان کو نہیں دیکھا کہ دشمن نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہو اور اس کے بیٹے' عزیز

اور ساتھی قتل ہو چکے ہوں، اور وہ حسینؑ سے زیادہ بہادر ہو۔

بڑے بڑے پہلوان اور مرد میدان آپؑ پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن جونہی آپ تلوار ہاتھ میں لئے ان کی طرف بڑھے تو وہ آپؑ کی تلوار کے وار سے اس طرح بھاگے جس طرح گوسفند کسی بھیڑیئے کے حملے سے بھاگتے ہیں۔ (تذکرۃ الشہداء میں صفحہ/۳۲۴ پر اضافہ ہے کہ جب آپ نے حملہ فرمایا تو لشکر یزید بھاگتا ہوا دروازہ کوفہ تک جا پہنچا)

آپ نے تیس ہزار افراد پر حملہ کیا' وہ آپؑ کے سامنے سے ہٹ کر بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح بیابان میں چھپتے پھرتے تھے۔ (اور جب آپ کے چاروں جانب سے دشمن چھٹ گئے تو) آپ اپنی مخصوص جگہ پر تشریف لے گئے اور فرمایا: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (گویا اس کلام سے اہلِ حرم کو سمجھا رہے ہوں کہ میں ابھی زندہ ہوں نیز اپنے آپ کو تسلی دے رہے ہوں۔ (لہوف/۱۱۹)

اس کے باوجود کہ آپ پر ہر طرح کی مصیبتیں یلغار کیے ہوئے تھیں۔ پیاس کی شدت' سورج کی حدت' زخموں کی زیادتی' لیکن آپ کے دامن وقار پر کہیں گردِ اضطراب نہ تھی اور آپ کا وجود مبارک قطعاً متزلزل نہ تھا۔

آپ اس حال میں بھی حملہ آور ہو کر کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے۔ اور زمین کو ان منافقوں کے وجود سے پاک کر رہے تھے۔ قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ ایسا بھی نہ تھا کہ جو کوئی آپ کی تلوار کی زد میں آتا آپ اسے قتل فرما دیتے بلکہ اگر کسی کے صلب اور کسی کی چند (آئندہ) نسلوں سے بھی کسی مومن یا محبّ کے پیدا ہونے کی امید ہوتی تھی تو آپؑ اسے چھوڑ دیتے اور قتل نہ کرتے تھے۔

کبریت احمر میں منقول ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے حملوں پر بعض اہلِ کوفہ کو قتل کرنے کی قدرت کے باوجود قتل نہ کیا۔ آپؑ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپؑ نے فرمایا: جس کے صلب میں کوئی مومن ہو میں اسے قتل نہیں کرتا۔

امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

روز عاشور میں نے کئی اشخاص کو دیکھا کہ جو میرے بابا کو نیزہ (تلوار) سے ضرب لگا رہے تھے اور آپ ان سے معترض نہ تھے۔ جب امامت مجھ تک منتقل ہوئی تو مجھے معلوم ہوا کہ چونکہ ان کے صلبوں میں ہمارے محبین تھے اس لئے میرے بابا نے انہیں نہ مارا۔ (معالی السبطین: ۲/۱۷)

ابن شہر آشوب اور دوسروں نے نقل کیا ہے کہ آپ نے زخمیوں کی کثیر تعداد کے علاوہ انیس سو پچاس (۱۹۵۰) افراد کو قتل کیا (اور مسعودی کی روایت کے مطابق اٹھارہ سو (۱۸۰۰) افراد کو قتل کیا)

عمر سعد ملعون (نے جب دیکھا کہ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں جو امامؑ کے مقابلے پر آنے کی ہمت رکھتا ہو تو اس نے اپنے سپاہیوں سے اونچی آواز میں کہا: وائے ہو تم پر کیا تم جانتے ہو کہ تم کس سے جنگ کر رہے ہو؟ یہ انزع بطین (دو دھاری تلوار) علی ابن ابی طالب کا بیٹا ہے۔ یہ اس شخص کا بیٹا ہے جس نے شجاعان عرب اور دلیران زمانہ کو خاک ہلاکت میں ملا دیا۔ تم سبھی مل کر اس پر چاروں جانب سے حملہ کردو (اور اس پر تیروں کی بارش کردو)

چنانچہ چار ہزار تیر اندازوں نے امامؑ مظلوم کو گھیرے میں لے لیا اور آپ پر تیروں کی بارش کردی۔ وہ آپؑ اور آپؑ کے خیموں کے درمیان حائل ہو گئے۔ (اور خیموں کی طرف سے آپ کا راستہ روک لیا اور ایک گروہ آپ کے خیموں کی طرف چل دیا)

ابن ابی طالب' ابن شہر آشوب' اور سید بن طاؤس کی نقل کے مطابق آپؑ نے فریاد بلند کی:

وَيْحَكُمْ يَاشِيْعَةَ آلِ أَبِي سُفْيَانَ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ دِيْنٌ وَكُنْتُمْ لَا تَخَافُوْنَ الْمَعَادَ فَكُوْنُوا أَحْرَارًا فِيْ دُنْيَاكُمْ وَارْجِعُوْا اِلٰى اَحْسَابِكُمْ اِذْ كُنْتُمْ أَعْرَابًا (اِنْ كُنْتُمْ عَرَبًا كَمَا تَزْعُمُوْنَ)

"اے خاندانِ ابوسفیان کے پیروؤں! وائے ہو تم پر اگر تم بے دین ہو اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو کم از کم دنیا ہی میں آزاد مردوں کی

طرح رہو۔ اگر تم اپنے گمان کے مطابق عرب ہو تو اپنے نسلی شئون (خصوصیت) کی طرف ہی لوٹ آؤ (چونکہ عرب غیرت اور حمیت رکھتے ہیں)

شمر ملعون نے آواز دی: اے فاطمہؑ کے بیٹے! کیا کہا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: میں تم لوگوں سے جنگ کروں گا۔ تم مجھ سے لڑو' عورتوں کا کوئی گناہ نہیں۔ ان سرکشوں (جاہلوں اور ستم گروں) کو منع کرو کہ جب تک میں زندہ ہوں میرے حرم پر حملہ آور ہونے سے معترض رہیں"۔

شمر ملعون نے کہا: اے فاطمہؑ کے بیٹے! میں تمہاری درخواست کو قبول کرتا ہوں۔ اس نے لشکر کو آواز دی کہ امام کے حرم کے نزدیک نہ جائیں اور کہا کہ پہلے اس کا کام تمام کرلیں۔

پھر ان لعینوں نے یکبار آپؑ پر یلغار کردی۔ امامؑ ان پر اور وہ امامؑ پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس حالت میں امام حسینؑ نے ان سے ایک گھونٹ پانی مانگا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب بھی آپ گھوڑے کا رخ فرات کی طرف کرتے تھے۔ وہ لعین آپؑ پر حملہ آور ہو کر آپؑ کے دریا کی طرف جانے میں مانع ہو جاتے تھے۔ (بحار الانوار: ۴۵/۵۰' لہوف/۱۲۰ و......)

شمر کہتا ہے کہ ایک مقام پر میرا دل کڑھا' اور یہ وہ وقت تھا جب حسینؑ سمجھے کہ لشکر ان کے خیموں کی طرف بڑھنے کا قصد کئے ہوئے ہے۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنا چاہی لیکن زمین پر گر پڑے اور ان کی زرہ کے حلقوں سے خون بہنے لگا۔ وہ اس حالت میں دوبارہ اپنے آپ کو اپنے اہل بیتؑ کی امداد کے لئے (زمین پر) گھسیٹتے تھے۔ (نہضت حسینی: ۱/۱۵۰)

منتخب میں ہے کہ حسینؑ لشکر کے سامنے آئے اور عمر سعد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میری ان تین تجاویز میں سے ایک کو قبول کرلو۔ اس نے کہا وہ کیا ہیں؟

امامؑ نے فرمایا:

تَتْرُكُنِي حَتّٰى أَرْجِعَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، إِلٰى حَرَمِ جَدِّي رَسُوْلِ اللّٰهِ

''اول تو مجھ سے ہاتھ اٹھالو تا کہ میں مدینہ میں اپنے جد رسولؐ خدا کے حرم کی طرف لوٹ جاؤں''۔

ابن سعد نے کہا: یہ میرے اختیار میں نہیں! فرمایا:

أُسْقُونِي شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ فَقَدْ نَشِفَتْ كَبِدِي مِنْ شِدَّةِ الظَّمَاءِ

''مجھے ایک گھونٹ پانی دے دو کہ میرا جگر پیاس کی شدت سے جل رہا ہے''۔

کہا: یہ بھی نہیں ہوگا۔ فرمایا:

وَاِنْ كَانَ لَابُدَّ مِنْ قَتْلِي فَلْيَبْرُزْ اِلَيَّ رَجُلٌ بَعْدَ رَجُلٍ

'اور اگر میرا قتل تمہارے لئے ناگزیر ہے تو پھر ایک ایک کر کے میرے مقابلے پر آؤ''۔

ابن سعد نے کہا: میں اس بات کو قبول کرتا ہوں۔

پس امام مظلومؑ نے جنگ کا ارادہ کیا اور رجز پڑھا:

اَنَا بْنُ عَلِيِّ الطُّهْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ

''میں فرزندِ علیؑ بنی ہاشم کا شریف واصیل چشم و چراغ ہوں''۔

ناسخ التواریخ میں مرقوم ہے: ابن سعد کے حکم کی بجا آوری میں شام کے بہادروں میں سے جو پہلا شخص امام حسینؑ سے جنگ کے لئے آیا وہ تمیم بن قحطبہ تھا۔ آپؑ برقِ خاطف (چمکتی ہوئی بجلی) کی طرح اس پر حملہ آور ہوئے اور تلوار کے وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس طرح دوسرے بہادروں میں سے جو بھی آپ سے جنگ کے لئے آیا وہ واصل جہنم ہوا۔

''منتخب'' میں منقول ہے کہ شمر نے پکار کر کہا: اے امیر! خدا کی قسم اگر تمام اہلِ زمین بھی حسینؑ سے مبارزہ کے لیے آئیں تو یہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ اسے چاروں طرف سے گھیر لیں۔ سواروں، نیزہ برداروں اور تیر اندازوں نے چاروں جانب سے آپؑ کو گھیر کر زین سے زمین پر گرا دیا۔

بحارالانوار میں منقول ہے کہ عمر سعد نے اپنے سپاہیوں کو پکار کر کہا: وائے ہو تم پر! کیا تم

نہیں جانتے کہ تم کس شخص سے جنگ کر رہے ہو؟ یہ انزع بطین (دو دھاری تلوار) علیؑ کا بیٹا ہے۔ جس نے عرب کے بہادروں اور قوم (قریش) کے دلیروں میں سے ایک شخص کو بھی باقی نہ چھوڑا (اور اپنا عہد توڑتے ہوئے) حکم دیا کہ سارا لشکر مل کر اس پر حملہ آور ہو جائے۔

لشکر سعد طوفانی سمندر کی طرح حرکت میں آیا اور آپؑ اور آپؑ کے خیموں کے درمیان حائل ہو گیا۔ (وقائع الایام خیابانی/۳۶۲)

امامؑ صف لشکر کے پاس آئے اور بلند آواز سے فرمایا:

یَا وَیْلَکُمْ ، عَلٰی مَ تُقَاتِلُوْنِی ؟عَلٰی حَقٍّ تَرَکْتُہٗ؟ أَمْ عَلٰی سُنَّۃٍ غَیَّرْتُھَا ؟ أَمْ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ بَدَّلْتُھَا

''وائے ہو تم پر! تم کس لحاظ سے مجھ سے جنگ کر رہے ہو؟ کیا میں نے کسی حق کو ترک کر دیا ہے؟ کیا میں نے کسی سنت کو بدل ڈالا ہے؟ کیا میں نے شریعت اور دین کو نقصان پہنچایا ہے؟''

ظالموں نے جواب میں کہا:

بَلْ نُقَاتِلُکَ بُغْضًا مِنَّا لِأَبِیْکَ وَمَا فَعَلَ بِأَشْیَاخِنَا یَوْمَ بَدْرٍ وَحُنَیْنَ

''بلکہ ہم تم سے اس بغض اور کینہ کے سبب جنگ کر رہے ہیں جو ہمیں تمہارے باپ علیؑ سے ہے۔ تمہارے باپ نے بدر و حنین کے معرکوں میں ہمارے بزرگوں کو قتل کیا تھا''۔

امام مظلومؑ نے جب یہ کلمات سنے تو سخت گریہ فرمایا اور یہ اشعار پڑھے:

یَارَبِّ لَا تَتْرُکْنِیْ وَحِیْدًا ....

''اے پروردگار! مجھے تن تنہا مت چھوڑ''۔

آپؑ نے اپنے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی تو تمام اصحاب کو شہید پایا اور اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو خاک و خون میں غلطاں دیکھا۔ پس آواز دی: اے مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، اے حبیب ابن مظاہر، اے زہیر بن قین، اے یزید بن مظاہر، اے یحیٰی بن کثیر، اے نافع بن ہلال، اے ابراہیم

بن حصینؓ اے عمیر بن مطاعؓ اے اسد کلبیؓ اے عبداللہ بن عقیلؓ اے مسلم بن عوسجہؓ اے داؤد بن طرماحؓ اے حُر ریاحیؓ اے علی بن الحسینؑ! اے باصفا بہادرو! اور اے روزِ جنگ کے سوارو!

مَالِيْ أُنَادِيْكُمْ فَلَا تُجِيْبُوْنِي ! وَأَدْعُوكُمْ فَلَا تَسْمَعُوْنِي أَنْتُمْ نِيَامٌ أَرْجُوكُمْ تَنْتَبِهُوْنَ ؟ أَمْ حَالَتْ مَوَدَّتُكُمْ عَنْ إِمَامِكُمْ فَلَا تَنْصُرُوْنَهُ؟ فَهٰذِهٖ نِسَاءُ الرَّسُوْلِ لِفَقْدِكُمْ قَدْ عَلَاهُنَّ النُّحُولِ فَقُوْمُوا عَنْ نَوْمَتِكُم اَيُّهَا الْكِرَامُ وَادْفَعُوا عَنْ حَرَمِ الرَّسُوْلِ الطُّغَاةَ اللِّئَامَ ' وَلٰكِنْ صَرَعَكُمْ وَاللّٰهِ رَيْبُ الْمَنُوْنِ ' وَغَدَرَ بِكُمُ الدَّهْرُ الْخَئُوْنُ وَإِلَّا لَمَا كُنْتُمْ عَنْ دَعْوَتِي تَقْصُرُوْنَ وَلَا عَنْ نُصْرَتِي تَحْتَجِبُوْنَ، فَهَا نَحْنُ عَلَيْكُمْ مُفْتَجِعُوْنَ وَبِكُمْ لَاحِقُوْنَ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

"تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ میں تمہیں آواز دیتا ہوں' مگر تم مجھے جواب نہیں دیتے! میں تمہیں بلاتا ہوں لیکن تم سنتے نہیں۔ تم سوئے ہوئے ہو اور میں تمہیں جگانا چاہتا ہوں۔ یا کوئی تمہارے اور تمہارے امامؑ کے درمیان حائل ہوگیا ہے کہ تم اس کی مدد نہیں کر رہے۔ یہ تمہارے پیغمبرؐ کے خاندان کی عورتیں ہیں جو تمہارے نہ ہونے کی وجہ سے دکھ اور تکلیف میں اسیر ہیں۔ اے کریمو! خواب سے اٹھ بیٹھو اور ان ظالم لعینوں کو حرم رسولؐ سے دور ہٹاؤ۔ لیکن خدا کی قسم موت نے تمہیں دبوچ لیا ہے اور زمانے نے تم سے منہ پھیر لیا ہے ورنہ تم میری دعوت قبول کرنے سے گریز نہ کرتے اور میری نصرت سے ہاتھ نہ کھینچتے۔ میں ابھی تمہارے غم میں آزردہ اور غمناک ہوں، اور تم سے آکر ملنے والا ہوں۔ ہم خدا کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔ (ناسخ التواریخ: ۲/۳۷۶)

کجا رفتند آن رعنا جوانان
کجا رفتند آن پاکیزه جانان
کجا رفتند اصحاب کبارم
که من انیسان غریب و خوار و زارم
همه بار سفر بستند و رفتند
مرا خونین جگر کردند و رفتند
کجائی ای علی اکبر جوانم
کجائی قاسم ای آرام جانم
کجائی ای علمدار سپاهم
معین و یاور و پشت و پناهم
زجا خیزید ای رعنا جوانان
ببیند از جفا در این بیابان
عیال من غریب و بی پناهند
گرفتار و اسیر این سپاهند
شما آسوده از هر رنج و محنت
مکاں کرده همه در باغ جنت
ولی من باغم و محنت قرینم
دراین صحرا غریب و بے معینم
نه باک از نیزه و شمشیر دارم
نه خوفی از سنان و نیزه دارم
ازاں ترسم که گر من کشته گردم
زتیغ کین بخون آغشته گردم

گزار شمر پا در خیمہ ہائیم
زند سیلی بہ روی طفل مائیم

(خزائن الاشعار جوہری/۹۹)

"وہ خوبصورت جوان کہاں گئے؟ وہ پاکیزہ کردار کہاں گئے؟ میرے اصحاب کبار کہاں گئے؟ کہ میں آج غریب اور خوار و زار ہوں۔ سب نے سامان سفر باندھا اور چل دیئے، مجھے خونیں جگر کر کے چلے گئے۔

اے میرے جوان علی اکبرؑ! تم کہاں ہو؟ اے میرے آرام جاں قاسمؑ! تم کہاں ہو؟ اے میرے لشکر کے علمدار (عباسؑ) تم کہاں ہو؟ اے میرے معین و مددگار اور پشت پناہ تم کہاں ہو' اے خوبصورت جوانو! اپنی اپنی جگہ سے اٹھو اور دیکھو کہ اس بیابان میں کیسی جفا ہو رہی ہے۔

میرے اہل خانہ بے وطن اور بے سہارا ہیں اور اس لشکر کے ہاتھوں گرفتار و اسیر ہیں۔

تم ہر رنج و محن سے آسودہ خاطر ہو اور سب کے سب باغ جنت میں مقیم ہو۔ مگر میں ہر غم و محن سے قریب ہوں اور اس صحرا میں بے یار و مددگار ہوں۔ اگرچہ مجھے نہ نیزہ و شمشیر کا ڈر ہے اور نہ سنان و نیزہ کا خوف۔ لیکن میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ اگر میں شمشیر ستم سے شہید ہو گیا تو شمر ہمارے خیموں میں گھس آئے گا اور ہمارے بچوں کے چہروں پر تھپڑ مارے گا"۔

بہت سی کتابوں میں ہے کہ جب امام حسینؑ کے اصحاب' بھائی' رشتہ دار اور بیٹے شہید ہو گئے تو آپؑ نے اپنے دائیں بائیں نظر دوڑائی لیکن اپنے اصحاب میں سے ایک کو بھی نہ پایا تو سر آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَرىٰ مَا يَصْنَعُ بِوَلَدِ نَبِيِّكَ

"خدایا! تو دیکھ رہا ہے کہ یہ تیرے پیغمبرؐ کے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں"۔

پھر ندا بلند کی:

هَلْ مِنْ رَاحِمٍ يَرْحَمُ آلَ الرَّسُولِ الْمُخْتَارِ؟ هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُ الذُّرِّيَّةَ الْأَطْهَارِ؟ هَلْ مِنْ مُجِيرٍ لِأَبْنَاءِ الْبَتُولِ؟ هَلْ مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ الرَّسُولِ؟ هَلْ مِنْ مُوَحِّدٍ يَخَافُ اللّٰهَ فِينَا؟ هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يَرْجُوا اللّٰهَ فِي إِغَاثَتِنَا؟ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُ النِّسَاءِ بِالْعَوِيلِ ....

"ہے کوئی رحم کرنے والا جو آل رسولؐ پر رحم کرے؟ ہے کوئی مددگار کہ ذریت اطہار کی مدد کرے؟ ہے کوئی پناہ دینے والا کہ فرزند بتولؑ کو پناہ دے؟ ہے کوئی شخص جو حرم رسولؐ خدا کا دفاع کرے؟ ہے کوئی خدا پرست جو ہمارے بارے میں خدا سے ڈرے؟ ہے کوئی انصاف کرنے والا کہ خدا سے صلہ کی امید میں ہم سے انصاف کرے۔ جب اہل حرم نے امام کے اس استغاثہ کو سنا تو صدائے گریہ بلند کی"۔ (وقائع لایام خیابانی / ۴۴۱)

امام عالی مقام غضب ناک شیر کی طرح دشمن کے لشکر کے درمیان کود گئے اور ان پر تلوار کھینچ لی۔ آپؑ نے اس گروہ کثیر کو اس طرح زمین پر گرایا جس طرح باد خزاں سے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ آپ نے جس طرف منہ کیا کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ پھر پیاس کی شدت کی وجہ سے راہ فرات کی طرف چلے۔

کوفی جانتے تھے کہ اگر آپؑ نے ایک گھونٹ پانی بھی پی لیا تو ان میں سے ایک شخص بھی باقی نہ بچے گا۔ انہوں نے فرات کے راستے میں صف باندھ لی اور آپ پر پانی کا راستہ بند کر دیا۔ جب بھی آپ فرات کی طرف رخ کرتے وہ لعین آپ پر حملہ کرتے اور آپ کو فرات سے دور رکھتے۔

ابن شہرآشوب نے ابی مخنف سے روایت کی ہے کہ امام حسینؑ نے اعور سلمٰی اور عمرو بن حجاج پر' جو کہ چار ہزار افراد کے ساتھ نہر فرات کی نگہبانی کے لئے مقرر تھے' حملہ کیا اور لشکر کی صفوں کو چیرتے ہوئے نہر فرات پر پہنچے۔ جب گھوڑے نے پیاس کی شدت سے سر پانی کی طرف جھکایا تو آپ نے فرمایا: اے گھوڑے! تو پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں۔ خدا کی قسم میں تب تک پانی نہ پیئوں گا جب تک تم پانی نہیں پی لیتے۔

جب گھوڑے نے امامؑ کی بات سنی تو سر اٹھالیا اور پانی نہ پیا۔ پس حسینؑ نے فرمایا: پانی پیو کہ میں بھی پانی پیتا ہوں آپ نے ہاتھ بڑھایا اور ایک چلو پانی کا بھرا۔ اتنے میں ایک سوار نے آواز دے کر کہا: اے حسینؑ! آپ پانی پی رہے ہیں جب کہ لشکر آپ کے خیام حرم تک جا پہنچا ہے اور آپ کی ہتک حرمت کر رہا ہے۔

جب حمیت وغیرت کی اس کان نے یہ بات سنی تو پانی کو چلو سے گرادیا اور لشکر پر حملہ کر کے اسے چیرتے ہوئے خیموں تک پہنچے۔ تب معلوم ہوا کہ اس لعین نے جھوٹ بکا تھا اور کوئی ان سے معترض نہ ہوا تھا۔ (مناقب ابن شہرآشوب: ۴/۵۸ بحارالانوار: ۴۵/۵۱)

maablib.org

اہل بیتؑ سے دوسرا وداع

اس راہ میں گھر لٹنے کا کچھ دھیان نہ لانا　چھن جائے ردا سر سے تو سر ننگے ہی جانا
پردہ جو نہ ہو بالوں سے چہرے کو چھپانا　بازو جو بندھیں بہر دعا ہاتھ اٹھانا
مقبول بہن عجز ہے درگاہِ خدا میں
بندھوایا ہے حیدرؑ نے گلا راہِ خدا میں
(میر انیسؔ)

علامہ مجلسی اور دوسروں نے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے دوسری بار اہل بیتؑ رسالت اور خاندانِ عصمت وطہارت سے وداع فرمایا۔ ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور انہیں اللہ کی طرف سے لامحدود ثواب کی بشارت دی۔ اور حکم دیا کہ چادریں سروں پر اوڑھ لو (اور ایسا لباس پہن لو جو اسیری کے لئے مناسب ہو) اور ان سے فرمایا:

اِسْتَعِدُّوا لِلْبَلَاءِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ حَافِظُكُمْ وَحَامِيكُمْ وَسَيُنْجِيكُمْ مِنْ شَرِّ الْأَعْدَاءِ وَيَجْعَلُ عَاقِبَةَ أَمْرِكُمْ إِلَى خَيْرٍ وَيُعَذِّبُ أَعَادِيكُمْ بِأَنْوَاعِ الْبَلَاءِ وَيُعَوِّضُكُمُ اللّٰهُ عَنْ هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ أَنْوَاعَ النِّعَمِ وَالْكَرَامَةِ فَلَا تَشْكُوا وَلَا تَقُولُوا بِأَلْسِنَتِكُمْ مَا يَنْقُصُ قَدْرَكُمْ"

"مصیبت و بلا کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ! اور جان لو کہ خدائے متعال تمہارا حامی و ناصر ہے جو تمہیں دشمنوں کے شر سے نجات دے گا۔ اور تمہاری عاقبت بخیر فرمائے گا۔ اور تمہارے دشمنوں کی طرح

طرح کی مصیبتوں کے عوض میں تمہیں طرح طرح کی نعمتوں اور کرامتوں سے نوازے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم صبر کا دامن چھوڑ بیٹھو اور کوئی ایسی بات زبان پر لے آؤ جو تمہارے ثواب اور قدر و منزلت میں کمی کا باعث بنے''۔ (جلاء العیون/۲۰۸' ناسخ التواریخ: ۲/۳۸۰)

maablib.org

میدانِ جنگ میں واپسی

معروف کارزار ہے بدر الدجا کا چاند زہراؑ کا نور عین شہِ لافتیٰ کا چاند
خورشیدِ آسمانِ حرم کربلا کا چاند ثم ذوالفقار کا ہے کہ عیدالضحیٰ کا چاند

اظہار شوق موت کا سامان ہوگیا
جس کے گلے سے مل گئی قربان ہوگیا

(قمر جلالوی)

عمر سعد نے کہا: تم پر وائے ہو، حسینؑ کو اہلِ حرم سے مشغول گفتگو پا کر ان پر حملہ کر دو۔ بخدا! اگر وہ تمہارے مقابلے کے لئے فارغ ہو گئے تو تمہاری سپاہ کے میمنہ و میسرہ کو ایک کر دیں گے اور صفیں درہم برہم کر دیں گے۔ پس لشکر نے آپ پر حملہ کر دیا اور آپ پر تیروں کی بارش کر دی گئی۔ یہاں تک کہ یہ تیر خیموں کی طنابوں کے درمیان اور پشت خیام تک جا پہنچے اور خواتین کے لباسوں میں جا لگے جن سے ان کے لباس پھٹ گئے۔ انہوں نے امام کی طرف دیکھا کہ اب آپ کیا کرتے ہیں؟

امام عالی مقامؑ نے غضب ناک شیر کی طرح ان پر حملہ کر دیا اور جو کوئی آپ کی تلوار کی زد میں آتا اسے قتل کرتے جاتے تھے۔ ہر طرف سے آپ کی جانب تیر آ رہے تھے جنہیں آپ سینۂ مبارک اور گلوئے اقدس پر برداشت کر رہے تھے۔ پس آپ نے قلب لشکر سے اپنے مرکز کی طرف رخ کیا اور بہت دفعہ فرمایا:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

اس حالت میں آپ نے پانی طلب فرمایا۔ شمر ملعون نے ناشائستہ بات کہی اور دوبارہ

آواز دی: اے حسینؑ ! تم فرات کے پانی کو دیکھ رہے ہو کہ کیسے مچھلی کے پیٹ کی طرح موجزن ہے۔ تم اس سے نہیں پی سکو گے' حتیٰ کہ پیاس سے مرجاؤ گے۔ آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَمِتْہُ عَطْشًا

''خدایا! اسے پیاسا مارنا''۔

راوی کہتا ہے: وہ ملعون پیاس کی شدت کی وجہ سے فریاد کرتا تھا اور پانی مانگتا تھا کہ اسے پانی دیا جائے۔ لیکن وہ جتنا پانی پیتا وہ اس کے منہ سے باہر نکل آتا۔ وہ دوبارہ فریاد بلند کرتا۔ مجھے پانی دیجئے کہ پیاس نے مجھے مار ڈالا۔ اسی حالت میں وہ واصل جہنم ہوا۔ (مقتل مقرم/۳۵۰)

آپ کے فرزند ارجمند امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

قُتِلَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَطْشَانًا

''رسول خداؐ کے بیٹے کو پیاسا شہید کر دیا گیا''

اور کئی دفعہ آپ فرمایا کرتے تھے:

اَسْقُوْنِی شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ فَقَدْ تَشَقَّفَتْ كَبِدِی مِنَ الظَّمَاءِ

''ظالموں نے آپ پر رحم نہ کیا اور آپ کو پانی نہ دیا' جس کا اثر آپ پر تیروں اور تلواروں سے بھی زیادہ ہوا''۔ (کبریت احمر/۱۹۴)

لشکر سعد نے آپؑ پر اس قدر نیزوں اور تلواروں کے وار کیے کہ آپ کا بدن مبارک چھلنی ہو گیا اور زرہ مبارک پر اس قدر تیر لگے کہ گویا اوج سعادت کے پرندے کے بال و پر ہوں۔

ابن شہر آشوب نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ تین سو بیس سے زیادہ نیزے' تلواریں اور تیر آپؑ کے جسم اطہر پر لگے۔ اور روایت میں ہے کہ بدن مبارک پر تین سو ساٹھ (۳۶۰) زخم لگے۔ اور کچھ کا کہنا ہے کہ ایک ہزار نو سو زخم لگے۔ اور ایک اندازے کے مطابق تیر آپ کی زرہ پر اس طرح پیوست تھے کہ خار پشت کا بدن معلوم ہوتا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ تمام کے تمام زخم آپؑ کے بدن کے اگلے حصے پر لگے (کیونکہ آپؑ اپنے باپ کی طرح جنگ میں پیٹھ کبھی نہیں دکھاتے تھے)۔ (مناقب ابن شہر آشوب: ۴/۱۱۰' بحار الانوار: ۴۵/۵۲)

آپؑ نے دشمنوں پر اور دشمنوں نے آپ پر حملے کئے۔ اس حال میں امامؑ ان سے پانی کا ایک گھونٹ مانگ رہے تھے۔ حالانکہ اس کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا کیونکہ آپؑ کے جسم اطہر پر اس وقت بہتر (۷۲) زخم لگ چکے تھے۔

آپؑ کچھ دیر آرام کے لئے رک گئے اور شاید جنگ کی طاقت ہی نہ رہی تھی کہ اتنے میں ایک پتھر آ کر آپ کی پیشانی پر لگا۔ آپ نے اپنے دامن سے خون صاف کرنا چاہا کہ ادھر سے ایک سہ شعبہ زہر آلود تیر آ کر آپ کے قلب مبارک پر لگا (اور ایک قول کے مطابق آپ کے سینہ مبارک پر لگا) اور دوسری طرف سے جا نکلا۔ آپ نے فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ

پس سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا: بار الٰہا تو جانتا ہے کہ یہ اس شخص کو مار رہے ہیں کہ جس کے سوا روئے زمین پر کوئی رسول کی بیٹی کا بیٹا نہیں۔

پس آپ نے تیر کو پکڑا اور کھینچ کر باہر نکالا۔ خون کا فوارا پھوٹا' امامؑ نے یہ خون اپنے ہاتھوں میں لے کر آسمان کی طرف پھینکا تو اس سے ایک قطرہ بھی (زمین پر) واپس نہ آیا۔ اور جب تک امام حسینؑ نے یہ خون آسمان کی طرف نہ پھینکا اس سے پہلے آسمان پر سرخی شفق نہ دیکھی گئی تھی۔

آپؑ نے دوسری مرتبہ اپنے خون سے چلو بھرا اور اسے اپنے سر اور ریش مبارک پر مل کر فرمایا: میں نے اپنے خون کے خضاب کے ساتھ اپنے نانا رسولؐ خدا کی زیارت کی اور ان سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! فلاں اور فلاں نے مجھے قتل کیا ہے۔ اس کے بعد آپؑ میں جنگ کی طاقت نہ رہی۔ آپ ایک جگہ ٹھہر گئے۔

اب جو شخص بھی آپ کی طرف آتا واپس چلا جاتا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس حالت میں خدا سے ملاقات کرے کہ اس کا دامن خون حسینؑ سے تر ہو۔ یہاں تک کہ قبیلہ کندہ سے ایک شخص جس کا نام مالک بن یسر تھا' آیا اور پہلے حسینؑ کو برا بھلا کہا' پھر آپؑ کے سر اقدس پر تلوار سے وار کیا جو آپؑ کی کلاہ کو چیرتی ہوئی سر میں پیوست ہوگئی اور آپ کی کلاہ مبارک خون سے پُر ہوگئی۔

(بحارالانوار: ۴۵/۵۳ لہوف/۱۲۰ مقتل خوارزمی ۲/۳۴)

بعض نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ ستر (۷۰) سے کچھ زیادہ زخم یا صد (۳۰۰) اور چند زخم آپ کے جسم اطہر پر لگے۔ اور ایک ہزار نو سو زخم تب تھے جب آپ گھوڑے سے زمین پر گرے اور کوفہ کے بے رحم لشکر نے آپ کے بدن مبارک پر زخم لگائے۔

جگر تفتیدہ و تن پُر جراحت
بہ مرکز شد زبیر استراحت
فلک سنگی فکند از دست دشمن
بہ پیشانی وجہ اللہ احسن
چہ زدا ازکیہ آن سنگ جفارا
شکست آئینہ ایزد نما را
کہ گلگوں گشت روی عشق سرمد
چہ در روز احد روی محمدؐ
بہ دامان کرامت خواست آن شاہ
کہ خون از چہرہ بزداید بناگاہ
دلی روشن تراز خورشید روشن
نمایان شد ززیر چرخ جوشن
یکی الماس وش تیری ز لشکر
گرفت اندر دل شہ جای تا پر
کہ از پشت پناہ اہل ایمان
عیان گردید زہر آلودہ پیکان
مقام خالق یکتای بیچون
ز زہرآلودہ پیکان گشت پُر خون

یہ اشعار امام مظلومؑ کے "تن زخم زخم" کے عکاس ہیں۔ لیکن میر انیس علیہ الرحمہ کے ایک مرثیہ میں امامؑ کی اس حالتِ زار کی منظر کشی اور بھی دلخراش اور جگر پاش ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

گیسو آلودۂ خوں لپٹے ہیں رخساروں سے — شانے کٹ کٹ کے لٹک آتے ہیں تلواروں سے
تیر پیوست ہیں خوں بہتا ہے سوفاروں سے — لاکھ آفت ہے اک جان دل آزاروں سے
فکر ہے سجدۂ معبود میں سر دینے کی
وار سے تیغوں کے فرصت نہیں دم لینے کی

خوں میں تر پیچ عمامے کے ہیں سر زخمی ہے — ہے جبیں چاند سی پُرنور جگر زخمی ہے
سینہ سب برچھوں سے تابہ کمر زخمی ہے — تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضربِ شمشیر سے بے کار ہیں بازو دونوں
ظلم کے تیر سے مجروح ہیں پہلو دونوں

برچھی آکر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے — مارتا ہے کیوں نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہیں زخمِ بدن زور گھٹا جاتا ہے — بند آنکھیں ہیں سرِ پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہراؑ و علیؑ یہ کناں پھرتے ہیں
غل ہے گھوڑے سے امامِ دو جہاں گرتے ہیں

لاکھ تلواریں ہیں اور ایک تنِ اطہر ہے — ایک مظلوم ہے اور ظالموں کا لشکر ہے
سینکڑوں خنجرِ فولاد ہیں اور اک سر ہے — نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے
باگ گھوڑے کی نقاہت سے اٹھا سکتے نہیں
سامنے اہلِ حرم روتے ہیں جا سکتے نہیں

کوئی سید کا نہیں آہ بچانے والا — حربے لاکھوں ہیں اور اک زخم اٹھانے والا
پیاس میں کوئی نہیں پانی پلانے والا — سنبھلے کس طرح بھلا برچھیاں کھانے والا
چہرۂ رخ سے آگ برستی ہے زمیں جلتی ہے
مارے گرمی کے زباں خشک ہے لُو چلتی ہے

شہادت عبداللہ بن الحسنؑ

اس دوران میں ایک نابالغ بچہ عبد اللہ بن حسنؑ بن علیؑ خیمہ حرم سے باہر نکلا اور دوڑتا ہوا اور لشکر کو چیرتا ہوا اپنے چچا کے پہلو میں جا پہنچا۔ حضرت زینبؑ اس کے پیچھے نکلیں کہ اسے میدان جنگ میں جانے سے روک سکیں۔ امام حسینؑ نے بھی فرمایا: میری بہن اس کی حفاظت کرو لیکن وہ بچہ نہ رکا اور سخت اصرار سے کہنے لگا: خدا کی قسم! میں اپنے چچا سے جدا نہیں ہوں گا۔

اس اثناء میں بحرین کعب (اور ایک قول کے مطابق حرملہ بن کاہل نزدیک پہنچا اور امام کو تلوار مارنا چاہی۔ اس شہزادے نے کہا: اے ناپاک عورت کے بیٹے وائے ہو تجھ پر تو مرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے؟ اس ملعون نے تیزی سے تلوار چلائی تو اس بچے نے اپنا ہاتھ تلوار کے آگے سپر کر دیا (تاکہ تلوار چچا کو نہ لگے) تلوار کے وار سے بچے کا ہاتھ جسم سے جدا ہو کر کھال سے لٹکنے لگا۔

بچے نے آواز دی: اماں جان (یا یہ آواز دی: چچا جان) امام حسینؑ نے اسے پکڑ کر سینے سے لگا لیا: اور فرمایا: میرے بھائی کے بیٹے! جو تمہارے ساتھ ہوا ہے اس پر صبر کرو۔ اور اسے نیکی جانو کہ خدائے متعال نے تمہیں شائستہ اور نیک آباؤ اجداد سے ملحق کر دیا ہے۔

اس کے بعد یہ ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے عرض کیا! خدایا! اگر تو نے ان لوگوں کو ایک زمانے تک زندگی سے بہرہ ور کیا ہے تو تو انہیں متفرق کر دے اور پراگندہ گروہ بنا دے اور ہرگز ان سے حکومت کو خوش نہ رکھ کیونکہ انہوں نے ہم سے کہا تھا کہ ہم آپ کی نصرت کریں گے لیکن یہ ہمارے دشمن بن گئے اور ہمیں قتل کیا۔

سید بن طاؤس اور ابن نما کی روایت کے مطابق: حرملہ بن کاہل نے تیر چلایا جو چچا کی آغوش میں بیٹھے اس بچے کے حلق مبارک کو ذبح کر گیا۔ (ارشاد: ۱۱۴/۲، لہوف/ ۱۲۲، مثیر الاحزان

۴۳/۷۔ تاریخ طبری: ۵/۴۵۰)

منتخب میں تحریر ہے: جب جناب زینبؑ نے یہ منظر دیکھا تو فریاد بلند کی: افسوس میرے بھائی کے بیٹے! کاش میں مرگئی ہوتی اور یہ دن نہ دیکھتی۔ کاش! آسمان زمین پر گر پڑتا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے ہوتے۔ (وقائع الایام خیابانی/۴۸۰)

مقرم مرحوم نے اس شہزادے کا سن گیارہ سال تحریر کیا ہے۔ (مقتل مقرم/۳۵۴)

یکی طفلی برون آمدز خرگاہ
سوی سے شد روان چون قطعہ ماہ
ہوای دیدن شہ داشت بر سر
بدی شہزادہ قاسم را برادر
درآندم خواہران را گفت آن شاہ
کہ این کودک برون نایدز خرگاہ
خداوند این جماعت رحم برما
نہ بر کودک نہ بر پیرو نہ برنا
گریزان از حرم گردید آن ماہ
دوان تا رفت در آغوش آن شاہ
شبش گرفت ہمچون جان شیرین
بگفت ای یادگار یار دیرین
چرا بیرون شدیاز خرگہ ای جان
نمی بینی مگر پیکان پران
بہ ناگہ کافری زان قوم گمراہ
حوالت کرد تیغی بر سر شاہ
زبہر حفظ شہ کودک حذر کرد

برآن تیغ دست خود سپر کرد
جدا گردید دست کودک از بن
بشہ گفتا بہین چوں کرد با من
چہ دیدش حرملہ آن کفر بدبخت
بزد برسینہ اش تیری چناں سخت
کہ کودک جان بداد و بی مہابا
پرید از دست شہ تا نزد بابا

(عمان سامانی)

(ان اشعار میں امام کی مظلومیت، شہزادہ عبداللہ بن حسن کی قربانی اور وفاداری نیز شہزادے کی شہادت کے مظلومانہ بیان منظوم صورت میں پیش کیا گیا ہے)۔

maablib.org

امام مظلومؑ کی شہادت

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر یہ ظلم نبیؐ کی گود کے پالے حسینؑ پر

تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

(میر انیس)

شیخ مفیدؒ تحریر کرتے ہیں: جب امام حسینؑ کے خاندان سے تین افراد کے علاوہ کوئی باقی نہ بچا تو آپ نے لشکر کی طرف رخ کرکے (لڑتے ہوئے) اپنا دفاع کیا۔ اور ان تین افراد نے دشمنوں سے دفاع کے لئے آپ کی حمایت کی یہاں تک کہ یہ تین افراد بھی شہید ہو گئے اور امام تنہا رہ گئے۔

آپ کے سر مبارک اور بدن اطہر پر لگے ہوئے زخم آپ کے لئے نہایت تکلیف دہ تھے۔ لیکن آپ پھر بھی ان دشمنوں پر حملے کر رہے تھے اور انہیں اپنی تلوار کے برابر دائیں بائیں سے پراگندہ کر رہے تھے۔

حمید بن مسلم کہتا ہے: خدا کی قسم میں نے ایسا پریشان حال اور گرفتار مصیبت شخص کبھی نہیں دیکھا کہ جس کے بیٹے' افراد خاندان اور دوست سبھی قتل ہو چکے تھے۔ لیکن وہ نہایت ہمت سے اپنی جگہ پر ڈٹا ہوا تھا۔ جب پیادے آپ پر حملہ آور ہوتے تھے تو آپ تلوار سے ان پر جوابی حملہ کرتے اور اپنے دائیں بائیں سے دشمنوں کو اس طرح بھگاتے تھے جس طرح بھیڑیے کے آگے گوسفند بھاگتے ہیں۔

شمر ملعون نے جب یہ دیکھا تو سواروں کو آگے بڑھنے کو کہا اور انہیں پیادوں کے پیچھے کھڑا کیا۔ اور تیر اندازوں کو حکم دیا کہ تیر برسانا شروع کردیں۔

آپؑ پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ آپؑ کے بدن پر اس قدر تیر لگے کہ آپؑ کا بدن مبارک خار پشت کی صورت اختیار کر گیا۔ پس آپؑ ان نامردوں سے جنگ کرنے سے رک گئے اور دشمنوں نے آپؑ کو گھیرے میں لے لیا۔

جب آپ کی بہن زینبؑ نے یہ منظر دیکھا تو خیمہ سے باہر تشریف لائیں اور آواز دی۔

وَیْلَکَ یَا عُمَرُ، أَیُقْتَلُ اَبُو عَبْدِاللّٰہِ وَاَنْتَ تَنْظُرُ اِلَیْہِ؟

''اے عمر! تجھ پر حیف! ابا عبداللہ کو قتل کیا جا رہا ہے اور تو دیکھ رہا ہے''۔

عمر نے جناب زینبؑ کو کوئی جواب نہ دیا اور طبری کی روایت (تاریخ طبری: ۳۵۲/۵) کے ساتھ ساتھ دوسرے مورخوں کے مطابق اس کے چہرے اور نحس داڑھی پر آنسو جاری ہو گئے اور اس نے جناب زینبؑ کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ جناب زینبؑ نے (لشکر اعداء سے مخاطب ہو کر) فرمایا:

وَیْحَکُمْ أَمَا فِیْکُمْ مُسْلِمٌ!

''وائے ہو تم پر! کیا تم میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے''۔

کسی نے جواب نہ دیا۔

شمر ملعون نے سواروں اور پیادوں کو آواز دی: تم پر وائے ہو اس شخص کے بارے میں کس بات کے منتظر ہو؟ (کس لئے کھڑے ہو) تمہاری مائیں تمہارا غم منائیں (یعنی حسینؑ کا کام تمام کردو)۔

وہ کم ظرف ہر طرف سے امام مظلومؑ پر حملہ آور ہو گئے۔ زرعہ بن شریک نے آپ کے بائیں شانے پر ایک وار کیا اور اسے جدا کر دیا اور دوسرا وار آپ کی گردن پر کیا۔ آپ نے بچنے کی کوشش کی۔ سنان بن انس نے آپ کو نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ خولی بن یزید آگے بڑھا اور گھوڑے سے اتر کر آپ کا سر تن سے جدا کرنا چاہا۔ اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔

شمر نے کہا: خدا تیرے بازو کو جدا کر دے کیسے لرز رہا ہے؟

اور اس سنگ دل نے خود گھوڑے سے اتر کر مظلوم حسینؑ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر آپ کا سر اقدس خولی کو دے کر کہا: اسے عمر سعد کے پاس لے جاؤ۔ (ارشاد: ۲/۱۱۵)

مرحوم سید بن طاؤس تحریر کرتے ہیں: راوی کہتا ہے کہ جب امام حسینؑ زخموں کی زیادتی کے سبب زین سے زمین پر آئے اور آپ کا بدن خارپشت کی طرح ہو گیا تو صالح بن وہب نے آپ کے پہلو پر ایسا نیزہ مارا کہ آپ گھوڑے سے زمین پر آ گرے اور آپؑ نے اپنا دایاں پہلو خاک پر رکھا اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ

"اللہ کے نام سے اور اللہ کی نصرت سے اور رسولؐ خدا کے دین پر"۔

پھر زمین سے اٹھ بیٹھے۔

راوی کہتا ہے: جناب زینبؑ خیمے کے دروازے سے باہر آئیں اور آواز دی:

وَااَخَاهُ ' وَاسَيِّدَاهُ 'وَاَهْلَ بَيْتَاهُ 'لَيْتَ السَّمَاءَ اُطْبِقَتْ عَلَى الْاَرْضِ ' وَلَيْتَ الْجِبَالُ تَدَكْدَكَتْ عَلَى السَّهْلِ "

ہائے میرے بھائی، ہائے میرے آقا، ہائے میرے اہل خاندان، کاش آسمان زمین پر گر چکا ہوتا اور کاش پہاڑ بیابانوں میں بکھر گئے ہوتے"۔

راوی کا کہنا ہے کہ شمر نے چاروں طرف آواز دی: اس شخص کے بارے میں کس بات کے منتظر ہو؟ اس فرمان کو سن کر ہر سمت سے مظلومؑ پر حملے ہونے لگے۔

شمر کے یہ کہنے کے متعلق طبری تحریر کرتے ہیں: آپ اس حال میں کافی دیر زندہ رہے' اور اگر لشکر چاہتا کہ آپ کو قتل کرے تو وہ ایسا کر سکتا تھا۔ لیکن دشمن دستے آپ کے قتل سے پرہیز کرتے رہے اور ہر دستہ یہ چاہتا تھا کہ دوسرا دستہ ہی آپ کا خون اپنی گردن پر لے۔ اس وقت شمر نے ان کو آواز دے کر کہا: کیا انتظار کر رہے ہو۔ (تاریخ طبری: ۵/۴۵۳)

ابی مخنف تحریر کرتے ہیں: امام حسینؑ نے تین ساعت عروی زمین پر اپنے چہرے کو خون

سے غلطاں کیا اور فرمایا:

صَبْرٌ اَعلٰی قَضَاءَ کَ، لَا اِلٰہَ سِوَاکَ 'یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ

''اے استغاثہ کے سننے والے! تیری قضا و رضا پر میں صابر و شاکر ہوں اور تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں''۔ (مقتل ابی مخنف/۱۴۲)

زرعہ بن شریک نے امام کے بائیں شانے پر حملہ کیا۔ امامؑ نے اپنی تلوار سے اسے خود سے دور ہٹایا۔ اس لعنتی نے آپ کے دوش مقدس پر تلوار کا دوسرا وار کیا جس سے آپ زمین پر گر پڑے۔ آپ کی حالت نہایت خستہ تھی کیونکہ کمزوری اس قدر غالب آ چکی تھی کہ آپ اٹھنا چاہتے لیکن پھر گر پڑتے۔

اسی اثناء میں سنان بن انس نخعی نے آپ کے گلوئے مقدس کے نیچے نیزے کا ایک وار کیا' پھر اسے باہر کھینچا اور آپ کے سینہ اطہر کی ہڈیاں توڑ دیں۔ اس ملعون نے ایک تیر آپ کی طرف چلایا۔ جو آپ کے گلوئے اقدس پر لگا اور آپ زمین پر گر پڑے۔

امامؑ اٹھے پھر بیٹھ گئے اور تیر اپنے گلے سے باہر کھینچا۔ اپنی دونوں ہتھیلیاں اس خون کے نیچے رکھیں اور انہیں خون سے پُر کر کے اپنے سر اور چہرے کو رنگین کرتے ہوئے فرمایا: میں اسی حالت میں کہ خون سے غلطاں ہوں اور میرے حق میں ظلم کیا گیا ہے، خداوند متعالٰ سے ملاقات کرنا چاہوں گا۔

عمر سعد نے اپنے داہنے ہاتھ کھڑے شخص سے کہا: تم پر وائے ہو جلد اسے راحت پہنچاؤ۔

راوی کا کہنا ہے: خولی بن یزید آگے بڑھا کہ آپ کے سر کو اتار لے جائے، لیکن اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔

پس سنان بن انس گھوڑے سے کودا اور مظلومؑ کے گلوئے اقدس پر تلوار کا وار کرتے ہوئے کہا: میں تمہارا سر بدن سے جدا کر رہا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم رسولؐ خدا کے بیٹے ہو اور تمہارے ماں باپ تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ پھر اس لعنتی نے آپ کے سر اقدس کو تن سے جدا کر دیا۔ (لہوف/۱۴۴)

علامہ مجلسیؒ کی نقل کے مطابق حصین بن نمیر نے ایک تیر آپ کے دہن مبارک پر مارا اور ابوایوب غنوی نے آپ کے حلق پر تیر مارا۔ جبکہ زرعہ بن شریک نے آپ کے کاندھے پر (تلوار کا) وار کیا اور سنان (لعنتی) نے آپ کے سینے میں نیزہ گاڑ دیا۔ (بحار الانوار ۴۵/۵۵)

نہ ذوالجناح دگر تاب استقامت داشت
نہ سید الشہداءؑ بر جدال طاقت داشت
ھوا زجور مخالف چو قیرگون گردید
عزیز فاطمہؑ از اسب سرنگون گردید
بلند مرتبہ شاہی زصدر زین افتاد
اگر غلط نکنم عرش بر زمین افتاد
شفیع روزِ قیامت بہ خاک مسکن کرد
زمین بادیہ را رشک دشت ایمن کرد
کسی نبود بہ بالین آن امام زمن
زمین گرفت سر بی کسش بر دامن

"اب نہ ذوالجناح میں تابِ استقامت تھی' نہ سید الشہداءؑ میں جنگ کی طاقت تھی۔ دشمنوں کے ظلم سے فضا تاریک ہوگئی اور فاطمہؑ کا بیٹا گھوڑے سے سرنگوں ہوا۔ بلند مرتبے والا بادشاہ زین سے گر پڑا۔ اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو (یقیناً) عرش زمین پر گر پڑا۔ شفیع روزِ قیامت نے خاک کو اپنا مسکن بنا لیا۔ اور صحرائے کربلا نے زمین کو رشک صحرائے ایمن بنا دیا۔ کوئی بھی اس امام کے سرہانے موجود نہ تھا۔ زمین نے خود اس بے کس کے سر کو اپنے دامن میں وصول کیا"۔

جب حضرت زینبؑ اپنے بھائی کی لاش پہ پہنچیں تو شمر سے فرمایا:

دَعْنَا نُوَدِّعُهُ وَنَجْلِسُ عِنْدَهُ
يَاشِمْرُ قَبْلَ تَفَرُّقٍ وَتَنَاءٍ

دَعُنَا نُغَطِّی وَجْهَهُ بِرِدَاءٍ

دَعُنَا نُعَالِجُ جُرْحَهُ بِدَوَاءٍ

دَعُنَا نُظِلُّ جِسْمَهُ يَاشِمْرُ عَنْ

حَرِّ الْهَجِيْرِ وَنَفْخَةِ الرَّمْضَاءِ

دَعُنَا نَرُشُّ الْمَاءَ فَوْقَ جَبِيْنِهِ

فَلَعَلَّهُ يَصْحُو مِنَ الْاِغْمَاءِ

''چھوڑ دو کہ میں (خود) حسینؑ کو وداع کروں کیونکہ دوبارہ مجھے اس کے پاس بیٹھنے کا موقع نہ ملے گا۔ اس سے پہلے کہ ہمیں اس سے جدا کر کے قیدی بنالیا جائے گا۔

اے شمر! چھوڑ دو کہ میں حسینؑ کے چہرہ کو کپڑے سے ڈھانپ سکوں۔

چھوڑ دو کہ میں اس کے زخموں پر مرہم لگا سکوں۔

اے شمر! چھوڑ دو کہ میں اس کے جسم کو سورج کی حرارت اور جلا دینے والی گرمی سے بچانے کے لئے ڈھانپ سکوں۔

میرا بھائی پیاس کی شدت سے بے ہوش ہوگیا ہے۔ مجھے مہلت دو کہ میں اس کے چہرے پر پانی چھڑک کر اسے ہوش میں لا سکوں''۔

مقتل ابن عربی میں لکھا ہے کہ اس ظالم نے اپنے نیزے کے کعب کو جناب زینبؑ کے پروے مارا کہ علیؑ کی بیٹی ہٹ جا' تم دوبارہ اپنے بھائی کو نہیں دیکھ سکوگی۔ جناب زینب رونے لگیں۔ جب جناب زینبؑ کے رونے کی آواز امام مظلومؑ کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا: (بہن) میرے بچوں کا ہاتھ پکڑو اور خیمے میں چلی جاؤ تا کہ مجھے تلوار کی دھار کے نیچے نہ دیکھ سکو۔ (انوار الشہادۃ/۲۰۵ ف ۱۵)

امام مہدیؑ صاحب الزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ الشریف زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں:

قَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِكَ مَلَائِكَةُ السَّمٰوٰتِ ، فَأَحْدَقُوا بِكَ مِنْ

كُلِّ الْجِهَاتِ، وَأَثْخَنُوكَ بِالْجِرَاحِ ،وَحَالُوا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الرَّوَاحِ ،وَلَمْ يَبْقَ لَكَ نَاصِرٌ وَأَنْتَ مُحْتَسِبٌ صَابِرٌ تَذُبُّ عَنْ نِسْوَتِكَ وَأَوْلَادِكَ ، حَتّٰى نَكَسُوكَ عَنْ جَوَادِكَ فَهَوَيْتَ إِلَى الْأَرْضِ جَرِيحًا تَطَؤُكَ الْخُيُولُ بِحَوَافِرِهَا ' وَتَعْلُوكَ الطُّغَاةُ بِبَوَاتِرِهَا ' قَدْ رَشَحَ لِلْمَوْتِ جَبِينُكَ، وَاخْتَلَفَتْ بِالْإِنْقِبَاضِ وَالْإِنْبِسَاطِ شِمَالُكَ 'وَيَمِيْنُكَ تُدِيرُ طَرْفًا خَفِيًّا إِلَى رَحْلِكَ وَبَيْتِكَ، وَقَدْ شُغِلْتَ بِنَفْسِكَ عَنْ وُلْدِكَ وَأَهَالِيكَ

''آپؑ نے تمام دشواریوں اور مصیبتوں میں صبر وتحمل دکھایا یہاں تک کہ سماوات کے ملائکہ نے آپؑ کے صبر پر تعجب کیا۔ دشمنوں نے ہر طرف سے آپؑ کا محاصرہ کر رکھا تھا اور زخموں کی زیادتی کے سبب آپ کو گرایا ہوا تھا۔ اور آپؑ پر رہائی کا راستہ بند کیا ہوا تھا۔ اور آپؑ کو (اتنی) فرصت نہ دی کہ آپ دن کو رات تک پہنچا سکیں۔ آپ کا کوئی مددگار باقی رہا تھا اور نہ عزیز آپ سب کو راہِ خدا میں قربان کر کے صبر فرما رہے تھے اور اپنے اہلِ حرم اور بچوں کا دفاع کر رہے تھے۔ اس حال میں آپ کو گھوڑے سے گرا دیا گیا اور آپ کے جسم اطہر کو سر تا پا زخموں سے چور چور کر کے زمین پر پھینک دیا گیا۔ گھوڑے اپنے سموں سے آپؑ کو پامال کر رہے تھے۔ اور ظالم و سرکش اپنی تلواروں سے آپ پر وار کر رہے تھے۔ آپ کی پیشانی مبارک پر موت کا پسینہ جاری تھا۔ دائیں بائیں سے آپ کو انقباض و انبساط کا سامنا تھا (آپؑ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے تھے) لیکن ابھی آپ کی نگاہیں حرم اور خیام کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ آپؑ پر جو بھی گزری آپ کو بچوں اور اہل بیتؑ کے خیال سے نہ روک سکی''۔ (بحارالانوار: ۱۰۱/۳۲۲)

مرحوم شوستری آپ کے صبر پر آسمان کے فرشتوں کے متعجب ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں: آپؑ کے صبر کو دیکھ کر ملائکہ بھلا تعجب کیوں نہ کرتے۔ آپ گرم ریت پر گرے پڑے تھے اور آپ کے تمام اعضاء تلواروں' تیروں اور نیزوں کے زخموں سے پارہ پارہ تھے۔ سر شگافتہ اور پیشانی شکستہ تھی۔ سینہ مبارک تیروں سے چھلنی تھا۔ دل نیزے سے سہ پہلو چاک تھا۔ ایک تیر حلقوم مبارک میں پیوست تھا۔ دوسرا ٹھوڑی کو خستہ حال کر چکا تھا اور ایک اور تیر پہلو کو شگافتہ کر چکا تھا، آپ کی زبان مبارک خشکی کے سبب تالو سے لگی ہوئی تھی۔ جگر پیاس سے پھٹ رہا تھا۔ اور ہونٹ خشک تھے۔ آپ کا قلب مبارک اپنے مقتول ساتھیوں اور بے کس بچوں کو دیکھ کر کڑھ رہا تھا۔ دست مبارک زرعہ بن شریک کے وار سے کٹ چکا تھا۔ نیزہ آپ کے پہلو میں پیوست تھا اور سر اور ریش مبارک خون سے خضاب شدہ تھے۔ اہل وعیال اور بچوں کی صدائے استغاثہ ایک طرف ، اور دوسری طرف سے دشمنوں کی شماتت وشتم جاری تھی۔ جب آپ آنکھ کھولتے تو بعض لاشے آنکھوں کے سامنے آجاتے۔ اس سب کے باوجود آپ نے ایک آہ تک نہ بھری اور ایک آنسو تک نہ بہایا بلکہ یہ فرمایا:

صَبْرًا عَلٰى قَضَاءِ كَ، مَعْبُودَ سِوَاكَ يَاغِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِيْنَ

"پروردگار! میں تیری قضا (وقدر) پر صابر ہوں' تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے فریاد کرنے والوں کی پناہ گاہ"۔

حضرت امام سجادؑ سے روایت ہے: جو چیز بھی آپ پر گراں گزرتی تھی یا شدید تر ہوتی تھی اس سے آپ کے رخساروں کا رنگ چمک اٹھتا تھا اور اطمینان بڑھ جاتا تھا۔ یہاں تک کچھ لوگ کہہ اٹھے کہ حسینؑ کو دیکھو کہ وہ کس طرح موت سے بے خوف ہے۔ (الخصائص الحسینیہ/ ۳۹ اشک روان برامیر کاروان/ ۱۴۸)

صَبْرًا عَلٰى قَضَاءِ كَ يَارَبِّ، لَا اِلٰهَ سِوَاكَ' يَاغِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِيْنَ، مَالِي رَبٌّ سِوَاكَ وَلَا مَعْبُودَ غَيْرُكَ، صَبْرًا عَلٰى حُكْمِكَ، يَاغِيَاثَ مَنْ لَا غِيَاثَ لَهُ يَادَائِمًا لَا نَفَادَ لَهُ ' يَامُحْيِيَ الْمَوْتٰى.

یَاقَائِمًا عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ اُحْکُمْ بَیْنِی وَبَیْنَهُمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ

"پروردگار! میں تیری قضا (وقدر) پر صابر ہوں۔ تیرے سوا کوئی خدا نہیں۔ اے فریاد کرنے والوں کی پناہ گاہ! میرے نزدیک تیرے سوا کوئی پروردگار اور معبود نہیں۔ میں تیرے حکم پر صابر (وشاکر) ہوں۔ اے ایسے شخص کے فریادرس' جس کا کوئی فریادرس نہ ہو۔ اور اے ایسے دائم جس کی کوئی غایت وانتہا نہیں! اے مُردوں کو زندہ کرنے والے! اے وہ ہستی کہ موجودات کی جان اور سزا و جزا جس کے ہاتھ میں ہے۔ میرے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمادے کہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (مقتل مقرم/۳۵۷)

ابوحمزہ ثمالی کا کہنا ہے: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے فرزند رسولؐ!

اَلَسْتُمْ کُلُّکُمْ قَائِمِیْنَ بِالْحَقِّ؟

"کیا آپ تمام آئمہ قائم بالحق نہیں ہیں؟"

آپؑ نے فرمایا: کس طرح؟ میں نے عرض کیا: قائم (بارھویں امامؑ) کو قائم کیوں کہا گیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب ہمارے جد حسین علیہ السلام شہید ہو گئے' تو فرشتوں نے نالہ وشیون کرتے ہوئے خداوند متعال کی خدمت میں عرض کیا: اے پروردگار! اے ہمارے سردار!

أَتَغْفُلُ عَمَّنْ قَتَلَ صَفْوَتَكَ وَابْنَ صَفْوَتِكَ وَخِیَرَتَكَ مِنْ خَلْقِكَ؟

"کیا تیری ذات اپنے برگزیدہ بندوں میں سے بہترین بندے محمد مصطفیٰؐ کے فرزند ارجمند سے بے اعتنا ہے؟"

اللہ عزوجل نے ان پر وحی نازل فرمائی: اے میرے فرشتو! انتظار کرو۔

فَوَ عِزَّتِي وَجَلَالِي لَأَنْتَقِمَنَّ مِنْهُمْ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ

''مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم! میں ان سے حتما انتقام لوں گا، لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد''۔

پھر خداوند متعال نے امام حسینؑ کی نسل سے ہونے والے آئمہ اطہارؑ سے ان کو متعارف کروایا اور وہ مسرور ہو گئے۔

فَإِذَا أَحَدُ هُمْ قَائِمٌ يُصَلِّي، فَقَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ بِذَلِكَ الْقَائِمِ أَنْتَقِمُ مِنْهُمْ ۔ (بحار الانوار: ۵۱/ ۲۸ب ۲ح ۱)

''ان میں سے ایک حالتِ قیام میں مشغول تھے اللہ رب العزت نے فرمایا: یہ قائم جو حالتِ قیام میں ہے، ان (ظالموں) سے انتقام لے گا''۔

اپنی شہادت کے وقت شرلعین کے توسط سے امام مظلومؑ نے فرمایا تھا:

يَا جَدَّاهُ ' يَا مُحَمَّدَاهُ ' يَا أَبَا الْقَاسِمَاهُ وَيَا أَبَتَاهُ يَا عَلِيَّاهُ ' يَا أُمَّاهُ يَا فَاطِمَاهُ.

''میں مظلوم اور پیاسا شہید کیا جا رہا ہوں اور حالت غربت میں اس دنیا سے جا رہا ہوں''۔ (ینابیع المودۃ/ ۳۴۹ب ۶۱)

شمر کہتا ہے: جب میں نے حسین علیہ السلام کے سر کو بدن سے جدا کرنا چاہا تو دیکھا کہ آپ کے دونوں لب حرکت کر رہے ہیں۔ میں نے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے:

اِلٰهِي شِيْعَتِيْ وَمُحِبِّي۔

''خدایا! میرے شیعہ اور محبّ''۔ (معالی السبطین: ۲/ ۲۵)

منقول ہے کہ جب شمر ملعون نے امام مظلوم کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے لب مبارک حرکت فرما رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ آپ اس پر نفرین کر رہے ہوں گے۔ جب وہ اپنا سر نزدیک لے گیا تو اس نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں: خدایا! میں نے اپنا عہد وفا کر دیا ہے اور اپنی جان تیرے راستے میں قربان کر دی ہے۔ اب تو بھی اپنا عہد پورا کر اور میرے ناناؐ کی امت

کے گناہ گاروں کو بخش۔ اور میں جانتا ہوں کہ تو اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ (ریاض الشہادۃ: ۳/۳۱م ۲؛ اور اسی طرح تذکرۃ الشہداء/۱۳)۔

علامہ مجلسی تحریر کرتے ہیں: امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ سید الشہداء کا قاتل سنان بن انس لعین تھا۔ اور مشہور یہ ہے کہ شمر حرام زادہ گھوڑے سے اترا اور اس نے امام مظلومؑ کا سر تن سے جدا کرنا چاہا۔ تو مظلوم نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ میرا قاتل تو ہی ہے، اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کچھ کتوں نے مجھ پر حملہ کر دیا ہے اور مجھے چیر پھاڑ رہے ہیں۔ اور ان کے درمیان ایک ابلق رنگ کا کتا ہے جو مجھ پر زیادہ حملہ آور ہوتا ہے اور میرے نانا رسولؐ خدا نے بھی اسی طرح خبر دی تھی۔

وہ حرام زادہ غصے سے پاگل ہو گیا اور کہنے لگا: آپ نے مجھے کتے سے تشبیہ دی ہے! اس وقت امام کی پیاس نہایت شدید تھی اور آپ زبان مبارک سے پیاس کی شدت کا اظہار کر رہے تھے (اور پانی طلب فرما رہے تھے)

اس ملعون نے کہا: اے ابوتراب کے بیٹے! تو تو دعویٰ کرتا ہے کہ تیرا باپ ساقی کوثر ہے، صبر کر کہ وہ تجھے پانی پلائے۔ امامؑ نے فرمایا: تو مجھے جانتا بھی ہے اور پھر بھی مجھے قتل کر رہا ہے؟
اس لعین نے کہا: میں تجھے پہچانتا ہوں تیری ماں فاطمہ زہراؑ اور تیرا باپ علی مرتضیٰؑ ہے اور تیرا نانا محمد مصطفیٰؐ ہے۔ میں تجھے قتل کرتا ہوں، مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں ہے۔
پس اس لعین نے بارہ ضربوں سے آپؑ کا سر مبارک بدن اطہر سے جدا کیا۔
اور ایک اور روایت کے مطابق خولی نے آپ کا سر اقدس جدا کیا اور اظہر یہ ہے کہ یہ تینوں ملعون (اس ظلم میں) شریک تھے۔ البتہ سنان اور شمر کا عمل دخل زیادہ تھا۔ (جلاء العیون/۱۴۰ اور بحار الانوار: ۵۶/۳۵ سے رجوع فرمائیں)

مرحوم سپہر اور دوسرے (محقق) تحریر کرتے ہیں: پہلا شخص شبث بن ربعی ملعون تھا کہ جو تلوار کھینچے آگے بڑھا۔ امامؑ نے اس پر نظر ڈالی تو وہ ڈر گیا اور کانپنے لگا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ بھاگ گیا، اور کہنے لگا۔ معاذ اللہ! میں خدا سے ملاقات کروں اور (اس حال میں

کہ) خون حسینؑ میرے ذمے ہو۔

سنان بن انس جو کہ برص کی بیماری میں مبتلا اور کوتاہ صورت اور بدشکل تھا، شبث کو شماتت و شناعت کرتے ہوئے کہنے لگا: تیری ماں تجھ پر روئے تو اسے قتل کیوں نہیں کر رہا ہے۔ اس نے کہا: جب حسینؑ نے آنکھیں کھول کر میری جانب دیکھا تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ رسولؐ خدا کی آنکھوں کو دیکھ رہا ہوں۔ سنان نے تلوار پکڑ لی اور قتلِ حسینؑ کا ارادہ کیا۔ جب نزدیک پہنچا تو اس پر بھی شدید لرزہ طاری ہوا اور وہ اس قدر خوف زدہ ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ شمر نے اس کو سرزنش کی کہ کیوں بھاگ رہا ہے۔ اس نے جواب میں کہا: مجھے اس کے باپ کی شجاعت یاد آئی تو میں بھاگ کھڑا ہوا۔

اب خولی بن یزید ملعون آپ کے سر اطہر کو جدا کرنے کا مصمم ارادہ لئے ہوئے آگے بڑھا لیکن وہ چند قدم ہی آگے بڑھا ہوگا کہ ڈر کر واپس چلا گیا۔

شمر نے کہا: میں کیسے بزدل انسان دیکھ رہا ہوں! تم میں سے کوئی بھی اسے قتل کرنے کا مجھ سے زیادہ سزاوار نہیں۔ اس نے تلوار پکڑ لی اور سینۂ حسینؑ پر سوار ہوگیا۔ آپ نے آنکھ کھولی اور اس پر نگاہ ڈالتے ہوئے فرمایا:

مَنْ اَنْتَ ؟ فَلَقَدْ اِرْتَقَيْتَ مُرْتَقًى عَظِيْمًا ' طَالَ مَا قَبَّلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ

"تو کون ہے؟ کہ اس بلند مقام پر چڑھ بیٹھا ہے کہ جو ہمیشہ بوسہ گاہ رسولؐ رہی ہے"۔

اس نے کہا: میں شمر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو مجھے پہچانتا ہے؟ کہنے لگا: اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ (ناسخ التواریخ: ۲/۳۸۹' ینابیع المودۃ/۳۴۸ ب ۱۶)

ابی مخنف نقل کرتے ہیں: حضرتؑ نے شمر سے فرمایا:

اِذَا كَانَ لَابُدَّ مِنْ قَتْلِي فَاسْقِنِي شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ.

"اگر تو مجھے لازی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دے"۔

اس ملعون نے کہا: افسوس! آپ اس وقت تک پانی نہیں پی سکیں گے جب تک کہ قتل

نہیں ہو جاتے"۔

امامؑ نے فرمایا: تجھ پر لعنت ہو۔ اپنے چہرے اور پیٹ سے کپڑا اٹھا۔

منتخب طریحی میں اس طرح آیا ہے لیکن ینابیع میں ابی مخنف کے حوالے سے اس طرح مسطور ہے:

فَکَشَفَ بَطْنَهٗ فَاِذَا بَطْنُهٗ اَبْرَصُ کَبَطْنِ الْکِلَابِ وَشَعْرُهٗ کَشَعْرِ الْخَنَازِیْرِ

"پس اُس نے اپنی قمیص کو اٹھایا تو اُس کے پیٹ پر کتوں کے پیٹ کی طرح ابرص تھا اور اُس کے بال خنزیر کی طرح تھے"۔

امامؑ نے فرمایا: میرے جد رسولِ خداؐ نے تمہارے بارے میں، میرے بابا علی علیہ السلام سے صحیح فرمایا تھا۔ میں نے اپنے والد گرامی سے سنا کہ وہ فرماتے تھے: یا علیؑ! تمہارے بیٹے کو ایک ایسا شخص قتل کرے گا جس کا پیٹ کتے کے پیٹ کی طرح اور بال خنزیر کے بالوں کی طرح کے ہوں گے۔ (منتخب طریحی/۴۵۱' الدمعۃ الساکبۃ:۴/۳۵۸' ینابیع المودۃ/۳۴۹ب ۶۱)

شمر نے آپؑ کو چہرے کے بل لٹایا اور تلوار کھینچ لی اور بارہ ضربوں سے آپؑ کا سر مبارک گردن سے کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا۔

اہل لشکر نے تین مرتبہ بلند آواز میں تکبیر کہی۔ اس وقت زمین لرز گئی اور مشرق و مغرب میں گھپ گھیرا اندھیرا چھا گیا' اور لوگ لرزہ براندام ہو گئے۔ آسمانی بجلی بار بار کڑکتی تھی اور آسمان سے تازہ خون برسا۔ (ناسخ التواریخ:۲/۳۹۲)

نافع بن ہلال سے روایت ہے کہ میں عمر سعد کے سپاہیوں کے پاس کھڑا تھا کہ ایک آواز سنائی دی: اے امیر! مبارک ہو شمر نے حسینؑ کو قتل کر دیا۔

راوی کہتا ہے: میں لشکر کے درمیان سے باہر گیا اور حسین علیہ السلام کے سرہانے کی دو صفوں میں کھڑا ہو گیا۔ آپؑ جان کنی کے عالم میں تھے۔

فَوَاللّٰهِ مَا رَاَیْتُ قَطُّ قَتِیْلًا مُضَمَّخًا بِدَمِهٖ اَحْسَنَ مِنْهُ وَلَا اَنْوَرَ وَجْهًا

وَلَقَدْ شَغَلَنِی نُوْرُ وَجْھِهٖ وَجَمَالُ ھَیْبَتِهٖ عَنِ الْفِکْرَةِ فِیْ قَتْلِهٖ.

"خدا کی قسم! میں نے کبھی کسی خون میں غلطاں شہید کو آپؑ سے زیادہ خوبصورت اور نورانی شکل میں نہیں دیکھا۔ کیونکہ میں آپؑ کے چہرے کے نور اور جلال و جمال میں اس قدر کھو گیا تھا کہ آپ کو قتل کرنے کا خیال ہی بھول گیا"۔

امامؑ نے اس حالت میں پانی طلب فرمایا۔ (لہوف/۱۲۸ مثیر الاحزان/۷۵، بحار الانوار: ۴۵/۵۷)

کچھ اس طرح کہتے ہیں:

فَاسْتَسْقٰی فِیْ تِلْكَ الْحَالَةِ شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ۔

"پس آپ نے اس حالت میں پانی کا ایک جام مانگا"۔

گویا یہ آخری موقع تھا، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے فرمایا:

اُسْقُوْنِیْ شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ وَجَدِّیْ لَکُمْ کَفِیْلُ.

"مجھے ایک جام پانی کا دے دو، تاکہ روزِ قیامت میرے جد بزرگوار تمہاری شفاعت کے ضامن ہوں"۔

دَعُوْنِیْ اَرِدُ مَاءَ الْفُرَاتِ وَدُوْنَکُمْ قَتْلِیْ، فَکَبِدِیْ لِلظَّمَاءِ غَلِیْلُ

"مجھے مہلت دو تاکہ خود کو فرات کے کنارے تک پہنچاؤں اور ایک گھونٹ پانی پی سکوں۔ اس کے بعد تم مجھے قتل کر دینا کیونکہ پیاس سے میرا جگر کباب ہو گیا ہے"۔ (انوار الشہادة/۱۵ ف ۱)

بعض کتابوں میں کچھ اضافہ ہے: ہلال کہتا ہے: جس وقت آپ نے پانی مانگا۔ میں عمر سعد کے پاس گیا اور اسے کہا: حسینؑ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے ہیں، مجھے اجازت دو کہ ان کے لئے پانی لے جاؤں۔

اس ملعون نے خاموشی اختیار کی۔ میں نے اس کی خاموشی کو رضا مندی جانا اور جلدی

سے ایک مشکیزہ پانی سے بھرا اور تیزی سے حسینؑ کی طرف پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ شمر قتل گاہ سے نکل رہا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: کیا ارادہ ہے؟ میں نے اس سے سارا واقعہ بیان کیا۔

شمر نے کہا: میں نے حسینؑ کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے اس سے کہا: تو لرز کیوں رہا ہے؟ شمر نے سر منور کی طرف اشارہ کر کے کہا: جب میں اس سر کو جدا کر رہا تھا تو میں نے کسی کی فریاد سنی جو کہہ رہا تھا: وَا وَلَدَاهُ' وَا ثَمَرَةَ فُؤَادَاهُ "ہائے میرے بیٹے، ہائے میرے دل کے چین"۔

میں سمجھ گیا کہ یہ آپ کی ماں فاطمہ زہراؑ کی فریاد ہے۔ (نہضت حسینی: ۱/۱۶۲)

راوی کہتا ہے: اچانک سب نے مل کر آپؑ پر حملہ کر دیا۔ جیسا کہ آپؑ نے فرمایا: خدایا! تو نے ان میں سے کسی کے دل میں ذرا برابر رحم نہیں ڈالا۔ اور ابھی آپ ان سے یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ان ملعونوں نے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ میں نے ان (ظالموں) کی بے رحمی پر تعجب کیا اور کہا: خدا کی قسم! میں تمہارے ساتھ کسی کام میں بھی شمولیت نہیں کروں گا۔ (لہوف/۱۲۹)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: میرے بابا عاشور کے دن حالت بیماری میں خیمے میں موجود تھے۔ میں نے اپنے دوستوں کو دیکھا کہ وہ امام حسینؑ کے پاس آ اور جا رہے تھے اور پانی لانے میں ان کی ہمراہی کر رہے تھے۔ امام حسینؑ پر اچانک میمنہ اور پھر میسرہ اور دوسری دفعہ قلب لشکر نے حملہ کیا اور آپ کو اس طریقے سے شہید کیا جس سے رسول پاکؐ نے منع فرمایا تھا، حتی کہ حیوانات کو بھی اس طرح ذبح نہیں کرنا چاہیے۔

(ہائے افسوس!) آپ کو تلواروں' نیزوں' پتھروں' لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مارا گیا اور اس کے بعد آپ کے بدن پر گھوڑے دوڑائے گئے۔ (بحار الانوار: ۴۵/۹۱ ب ۳۷ ح ۳۰)

امام سجادؑ نے اہلِ کوفہ سے اپنے خطبے میں اس طرح فرمایا تھا:

أَنَا بْنُ مَنِ انْتُهِكَ حَرِيمُهُ وَسُلِبَ نَعِيمُهُ، وَانْتُهِبَ مَالُهُ، وَسُبِيَ عِيَالُهُ أَنَا بْنُ الْمَذْبُوحِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ مِنْ غَيْرِ ذَحْلٍ وَلَا تُرَاثٍ أَنَا بْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْرًا۔

"میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کے احترام کی ہتک کی گئی اور جس کے اموال

کو لوٹ لیا گیا اور اس کی ثروت کو تاراج کر دیا گیا اور اس کے اہل و عیال کو قیدی بنالیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے فرات کے کنارے بغیر کسی سابقہ رنجش اور عداوت کے ذبح کر دیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے "صبر" کے طریقے سے قتل کیا گیا"۔

(یعنی آپؑ کو شکنجے میں پھنسا کر، آپؑ کے اردگرد گھیرا ڈال کر ہر کسی نے جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا آپ کے بدن مبارک پر مارا یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے)۔ (لہوف ۱۵۷، بحار الانوار: ۴۵/۱۱۳، احتجاج: ۲/۳۲)

مرحوم واعظ قزوینی کہتے ہیں: مجمع البحرین میں رسول خداؐ سے روایت ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں: کسی بھی حیوان کو "صبر" کے طریقہ سے نہ ذبح کرو۔

زمانہ جاہلیت میں "صبر" کے طریقے سے قتل کرنے کا رواج تھا وہ جس جانور کو مارنا چاہتے تھے اسے محبوس کر لیتے۔ اس کے بعد اس قدر پتھر، لاٹھیاں اور کلہاڑیاں اس کے جسم پر مارتے کہ وہ مر جاتا۔ (ریاض القدس: ۲/۱۶۸، مجمع البحرین: ۳/۳۶۰، نہایہ ابن اثیر ۳/۸)

معاویہ بن وہب نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: میرا ایک سوال ہے لیکن اس کے عرض کرنے میں شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا: اے معاویہ بیان کیجئے۔ اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپؑ کے دادا حسینؑ کے جسم پر ایک ہزار نو سو پچاس زخم آئے تھے اور یہ سب کے سب آنحضرت کے سامنے کے حصے پر لگے تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟ امامؑ نے یہ بات سنی تو ایک آہ بھری اور صدائے گریہ بلند کرتے ہوئے فرمایا:

یَابْنَ وَهْبٍ لَقَدْ جَدَّدْتَ اَحْزَانِیْ وَاَحْرَقْتَ قَلْبِیْ -

"اے وہب کے بیٹے تو نے میرا دل دکھادیا ہے اور میری مصیبت کو تازہ کر دیا ہے"۔

اے وہب کے بیٹے یہ حدیث صحیح ہے اور تمام کے تمام زخم آپ کی پیشانی سے لے کر ناف مبارک تک لگے تھے۔ لیکن اے فرزند وہب! یہ زخم اس طرح تھے کہ تلوار پر تلوار، نیزے پر

نیزہ اور تیر پر تیر لگا تھا۔ اور جن (ملعونوں) کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا وہ پتھر اٹھاتے تھے اور مظلوم کے نازک بدن پر مارتے تھے۔

حَتّٰى صَارَ كَالْقُنْفُذِ.

"آپ کے جسم پر اس قدر تیر لگے کہ وہ خار پشت کی مانند بن گیا"۔

(انوار الشہادۃ/۶۰ ف ۵)

maablib.org

ذوالجناح کی خیموں میں واپسی

گرتے ہیں اب حسینؑ فرس پر سے ہے غضب　　چھوٹی لجام دستِ مطہر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب　　گردن ڈھلی، عمامہ گرا سر سے ہے غضب

قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا
دیوار کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

(میر انیسؔ)

جب امام مظلومؑ گھوڑے سے گرے تو آپ کے گھوڑے نے آپ کی حمایت کی۔ وہ (دشمن) سواروں پر پل پڑا اور انہیں زین سے زمین پر گرانے لگا۔ حتیٰ کہ اس نے چالیس ملعونوں کو پامال کر کے رزقِ خاک بنایا۔ پھر اپنے آپ کو خونِ حسینؑ میں غلطاں کیا۔ وہ اونچی آواز سے ہنہناتا ہوا اور پاؤں کو زمین پر مارتا ہوا خیموں کی طرف روانہ ہوا۔ (مناقب ابن شہر آشوب: ۴/۵۸، بحار الانوار: ۴۵/۵۶)

امام جعفر صادقؑ کی روایت میں اس طرح منقول ہے۔ اور حسین ابن علیؑ کے گھوڑے نے اپنے ایال و کاکل کو ان کے خون میں غلطان کیا اور باآواز بلند ہنہناتا ہوا خیموں کی طرف دوڑا۔

جب نبی زادیوں نے گھوڑے کی آواز سنی تو خیموں سے باہر دوڑیں اور گھوڑے کی زین کو خالی دیکھ کر سمجھ گئیں کہ حسینؑ شہید ہو گئے: جناب ام کلثومؑ نے گھوڑے کے سر پر ہاتھ رکھا اور روتے ہوئے فرمایا: "وامحمداہ" نانا محمدؐ! (آپ کا) حسینؑ بیابان میں پڑا ہے اور اس کا عمامہ اور عبا لوٹ لئے گئے ہیں"۔ (امالی صدوق/ ۱۶۳م ۳۰)

علامہ مجلسیؒ نقل کرتے ہیں: حسین علیہ السلام کا گھوڑا (یزیدی لشکر سے بھاگ نکلا) جب

عمر سعد ملعون نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر میرے نزدیک لاؤ)۔ اس نے اپنے بال خون حسینؑ سے غلطان کئے اور خواتین کے خیموں کی طرف دوڑا اور ہنہناتا ہوا خیموں کے نزدیک پہنچا اور سر کو زمین پر مار مار کر جان دے دی۔

جب اہلِ حرم نے امامؑ کے گھوڑے کو دیکھا تو گریہ وشیون کرنے لگے۔ ام کلثومؑ نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے فریاد کی:

وَامُحَمَّدَاهُ ' وَاجَدَّاهُ ' وَانَبِیَّاهُ ، وَاَبَاالْقَاسِمَاهُ وَاعَلِیَّاهُ ' وَاجَعْفَرَاهُ ' وَاحَمْزَتَاهُ ' وَاحَسَنَاهُ -

یہ حسینؑ ہے جو کربلا کے بیابان میں پڑا ہے۔ اس کا سر پس پشت سے کاٹ دیا گیا اور عمامہ وردا لوٹ لئے گئے۔ پھر آپ بے ہوش ہو گئیں۔ (بحار الانوار: ۴۵/۶۰)

همه از خیمه ها بیرون دویدند

ولی سالار زینبؑ را ندیدند

صاحب مناقب' ابن بابویہ' ابی مخنف اور صاحب منتخب نے کچھ لفظی تفاوت کے ساتھ روایت کی ہے کہ گھوڑے نے ابتداء میں امامؑ کے بدن شریف اور جسم لطیف کو سونگھا اور چوما اور اپنی پیشانی اور چہرے کو خاک وخون میں ملا۔

وَهُوَ مَعَ ذٰلِكَ يَصْهِلُ وَيَبْكِيْ بُكَاءَ الثَّكْلٰى حَتّٰى أَعْجَبَ كُلَّ مَنْ حَضَرَ -

''اس کے باوجود وہ گھوڑا پسر مردہ ماں کی طرح فریاد وفغاں کرتا تھا اور اس قدر روتا تھا کہ ہر موجود شخص تعجب کرتا تھا''۔

(جب کہ کوئی شخص بھی موجود نہ تھا جو امام مظلومؑ کی (شہادت کی) خبر اہلِ حرم تک پہنچائے) ذوالجناح خیموں کی طرف روانہ ہوا اور اس قدر نوحہ وفریاد کی کہ یہ آواز پورے بیابان میں پھیل گئی۔ جونہی اس حیوان کی آواز اہلِ حرم کے کانوں تک پہنچی جناب زینبؑ نے شہزادی سکینہؑ کی طرف دیکھ کر کہا: اے سکینہ! یہ میرے بھائی حسینؑ کا گھوڑا ہے جو (خیموں کی طرف)

رہا ہے۔شاید تمہارے بابا اس پر سوار ہوں۔

سکینہؑ خیموں سے باہر آئیں، ذوالجناح پر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ بابا گھوڑے پر سوار نہیں تھے۔زین خالی تھی اور گھوڑے نے اپنے بال خون میں غلطان کر رکھے تھے۔سکینہؑ نے یہ منظر دیکھ کر فریاد بلند کی:

قُتِلَ وَاللّٰهِ الْحُسَيْنُ۔

''خدا کی قسم! حسینؑ شہید ہو گئے''

وَاقَتِيْلَاهُ، وَاغَرِيْبَاهُ، وَابُعْدَ سَفَرَاهُ، وَاطُولَ كُرْبَاهُ، وَاضَيْعَتَاهُ۔

اور منہ پر پیٹنے لگیں۔زینب عالیہؑ نے معصوم سکینہؑ کی آواز سنی تو آپ کے دل سے ''وَاحُسَيْنَاهُ'' کی صدائے نالہ بلند ہوئی، عورتیں خیموں سے باہر نکلیں۔سب نے اپنے لباس چاک کئے اور منہ پر پیٹتے ہوئے صدائے نالہ بلند کی:

وَامُحَمَّدَاهُ، وَاعَلِيَّاهُ، وَافَاطِمَتَاهُ، وَاحَسَنَاهُ، وَاحُسَيْنَاهُ۔

وہ کہتی تھیں:

اَلْيَوْمَ مَاتَ مُحَمَّدٌ الْمُصْطَفٰى، اَلْيَوْمَ مَاتَ عَلِيٌّ الْمُرْتَضٰى اَلْيَوْمَ مَاتَتْ فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ۔

''آج محمد مصطفیٰؐ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، آج علی مرتضیٰ شہید کر دیئے گئے، آج فاطمہ زہراؑ انتقال فرما گئیں''۔

جب بیبیوں کے گریہ وفغاں کی آوازیں ملائکہ آسمان تک پہنچیں تو وہ بھی آہ وزاری کرنے لگے۔(مہیج الاحزان/۲۷۷م ۱۱انوار الشہادۃ/۲۲ف۲)

حدیث میں منقول ہے کہ اہل حرم میں سے ایک خاتون نے ذوالجناح کی طرف منہ کر کے فرمایا:

لَيْسَ لَكَ الْوَفَاءُ لِمَ اَذْهَبْتَهُ وَمَاجِئْتَ بِهِ۔

"تو نے بے وفائی کیوں کی، انہیں لے گیا مگر واپس نہ لایا؟"

شہزادی سکینہؑ نے اپنے بازو ذوالجناح کی گردن میں حمائل کر دیئے اور اس کی گردن کے بالوں سے خون لے کر اپنے سر اور چہرے پر ملتے ہوئے فرمایا: اے ذوالجناح مجھے بتاؤ کہ:

هَلْ سُقِيَ أَبِيْ أَوْ قُتِلَ عَطْشَانًا؟

"کسی نے میرے بابا کو پانی پلایا یا انہیں پیاسا ہی شہید کر دیا گیا؟"

راوی کہتا ہے: جوں ہی گھوڑے نے سکینہؑ کی یہ بات سنی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور خیموں سے باہر نکل کر خود کو خاک پر گرا دیا اور اپنا سر زمین پر مارنے لگا یہاں تک کہ وفات پا گیا۔ اور ایک روایت کے مطابق نہر فرات میں چھلانگ لگا دی اور غائب ہو گیا۔ (انوار الشہادۃ/۲۳)

امام زمانہ بقیۃ اللہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی زیارت ناحیہ مقدسہ میں آتا ہے:

وَأَسْرَعَ فَرَسُكَ شَارِدًا اِلٰى خِيَامِكَ قَاصِدًا مُحَمْحِمًا بَاكِيًا فَلَمَّا رَأَيْنَ النِّسَاءُ جَوَادَكَ مَخْزِيًّا وَنَظَرْنَ سَرْجَكَ عَلَيْهِ مَلْوِيًّا بَرَزْنَ مِنَ الْخُدُوْدِ نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ، عَلَى الْخُدُوْدِ لَاطِمَاتِ الْوُجُوْهِ سَافِرَاتٍ، وَبِالْعَوِيْلِ دَاعِيَاتٍ وَبَعْدَ الْعِزِّ مُذَلَّلَاتٍ وَاِلٰى مَصْرَعِكَ مُبَادِرَاتٍ وَالشِّمْرُ جَالِسٌ عَلٰى صَدْرِكَ وَمُوْلِغٌ سَيْفَهُ عَلٰى نَحْرِكَ قَابِضٌ عَلٰى شَيْبَتِكَ بِيَدِهِ ذَابِحٌ لَكَ بِمُهَنَّدِهِ قَدْ سَكَنَتْ حَوَاسُّكَ وَخَفِيَتْ اَنْفَاسُكَ وَرُفِعَ عَلَى الْقَنَاةِ رَأْسُكَ.

"اور آپؑ کا گھوڑا نالہ و شیون کرتا ہوا آپؑ سے جدا ہوا۔ وہ ہنہناتا ہوا اور گریہ کرتا ہوا خیام حرم کی طرف تیزی سے بڑھا، جب مخدرات نے گھوڑے کو (آپؑ سے) خالی پایا تو خیموں کے سراپردہ سے برآمد ہوئیں۔ ان کے بال ان کے چہروں پر پریشان تھے، جن سے انہوں نے پردہ کا کام لے رکھا تھا۔ وہ اپنے چہروں پر پیٹتی تھیں اور باآواز بلند گریہ کرتے ہوئے آپ پر نوحہ خواں اور فریاد کناں تھیں۔ وہ (مخدراتِ عصمت)

عزت وآبرو کی زندگی کے بعد ذلت وخواری میں گرفتار ہوئیں اور آپ کی قتل گاہ کی طرف سے گزاری گئیں۔ اس عالم میں کہ شمر آپ کے سینے پر سوار تھا اور آپ کے گلوئے مبارک پر تلوار چلا رہا تھا۔ اس ملعون نے آپ کی ریش مبارک کو ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا اور اس نے آپؑ کا سر بدن مبارک سے جدا کر دیا۔ آپؑ بے حس وحرکت پڑے تھے اور آپؑ کی سانسیں ڈوب چکی تھیں اور پھر آپ کا سر مبارک نیزے پر بلند کیا گیا"۔

(بحار الانوار: ۱۰۱/۳۲۲)

مرحوم سپہر رقم طراز ہیں: جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو آپ کے گھوڑے نے میدان میں فریاد بلند کی اور ہنہناہٹ کی۔ ابن سعد نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ اس گھوڑے کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ یہ محمد مصطفیٰؐ کا گھوڑا ہے۔

لشکر کے سپاہیوں نے اسے پکڑنا چاہا تو اس نے اپنی ٹانگوں سموں اور دانتوں سے ان پر حملہ کر دیا اور انہیں زین سے زمین پر گرا دیا۔

اور صاحبِ عوالم کی روایت کے مطابق چالیس افراد کو مار گرایا۔ ابن سعد نے کہا: اسے چھوڑ دو، دیکھتے ہیں یہ کیا کرتا ہے۔ جب وہ پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنا سر اور چہرہ امام حسینؑ کے خون سے آلودہ کر رہا تھا اور اس کے بعد امام کے حرم سرا کی طرف روانہ ہو گیا۔ (ناسخ التواریخ: ۳/۲)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلظَّالِمَةُ الظَّالِمَةُ مِنْ اُمَّةٍ قَتَلَتْ اِبْنَ بِنْتِ نَبِیِّهَا وَهُمْ یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ الَّذِیْ جَاءَ بِهٖ اِلَیْهِمْ.

"اس امت سے فریاد فریاد کہ جو پیغمبر کی بیٹی کے فرزند کو قتل کریں گے۔ اس حال میں کہ وہ اس قرآن کی تلاوت بھی کر رہے ہوں گے جو ان پر نازل ہوا"۔ (ناسخ التواریخ: ۳/۵)

دنیا اُجڑ گئی

بھیا میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں کیا کروں   کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں؟ کیا کروں؟
کس کی دھائی دوں؟ کیسے چلاؤں؟ کیا کروں؟   بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں؟ کیا کروں؟

دنیا تمام اجڑ گئی ویرانہ ہوگیا ہے
جیتوں یہاں کہ گھر تو عزاخانہ ہوگیا

(میر انیس)

امام مظلوم کی شہادت کے وقت شدید سیاہ اور تاریک غبار نے آسمانِ کربلا کو ڈھانپ لیا۔ روزِ روشن، شبِ تاریک کی صورت اختیار کر گیا اور اس قدر سرخ آندھی چلی کہ کسی کو کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

لوگوں نے سمجھا کہ ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ ایک ساعت (گھنٹہ) یہ صورت حال رہی لیکن اس کے بعد فضا روشن ہوگئی۔ (لہوف/۱۲۷)

ابن قولویہ نے حبی سے روایت کی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو ہمارے اہل بیتؑ نے مدینہ میں یہ آواز سنی کہ آج اس امت پر مصیبت نازل ہوگئی۔ یہ کبھی کوئی خوشی نہ دیکھیں گے جب تک کہ قائم آل محمدؑ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کا ظہور نہیں ہو جاتا۔ جو تمہارے سینے کو (غم و اندوہ سے) شفا بخشیں گے اور تمہارے دشمنوں کو قتل کر کے تمہارے مقتولین کے خون کا بدلہ لیں گے۔

پس یہ صدا سن کر بھی جزع وفزع کرتے ہوئے اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے: کوئی ایسا حادثہ واقع ہو گیا ہے جس کی ہم کو خبر نہیں۔ جب امام مظلومؑ کی شہادت کی خبر (مدینہ) پہنچی تو

انہوں نے حساب لگایا کہ وہ آواز اسی رات مدینہ میں سنی گئی تھی جس دن آپ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

راوی کا کہنا ہے کہ میں نے عرض کیا: میں آپؑ کے قربان! ہم آپ کس زمانے تک قتل وغارت اور خوف و وحشت کا شکار رہیں گے؟

امام صادقؑ نے فرمایا: جب تک ظہور مہدیؑ نہیں ہو جاتا۔

جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو کسی نے لشکر کوفہ کے درمیان فریاد بلند کی اور لشکریوں سے کہا: میں کس لئے نالہ و فریاد بلند نہ کروں کہ میں رسولؐ خدا کو کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ وہ ایک نظر زمین پر ڈالتے ہیں اور دوسری نظر تمہارے گروہ پر۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وہ اہل زمین پر نفرین نہ کر دیں اور سب ہلاک ہو جائیں۔

لشکر کوفہ میں سے بعض نے بعض سے کہا: یہ دیوانہ ہے، اور ان میں سے جو توبہ کرنے والے تھے وہ اس آواز پر متنبہ ہوئے اور کہنے لگے: خدا کی قسم ہم نے اپنے آپ سے کیا کر لیا۔ سمیہ کے بیٹے کی خاطر ہم نے بہشت کے جوانوں کے سردار کو قتل کر دیا اور انہوں نے عبداللہ (ابن زیاد) کے خلاف خروج کر دیا اور معاملہ انتہا تک پہنچ گیا۔

راوی نے عرض کیا: میں آپ کے قربان' وہ فریاد بلند کرنے والا کون تھا؟ امامؑ نے فرمایا: وہ جبرئیلؑ کے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ اور اگر اسے اجازت ہوتی تو وہ نعرہ بلند کرتا اور ان کافروں کی روحیں ان کے جسموں سے نکل جاتیں اور وہ واصلِ جہنم ہو جاتے۔ لیکن خدائے متعال نے ان کو مہلت دی کہ ان کے گناہ اور بڑھ جائیں اور انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

(کامل الزیارات/۳۳۶ ب ۱۰۸ ح ۱۴)

فرشتوں' پیغمبروںؑ اور ان کے اوصیاء نیز جنات کے رونے' اور امام مظلومؑ پر ان کی عزا داری' نوحہ مرثیہ خوانی' اور شہادت مظلوم کے روز موجودات عالم پر مرتب ہونے والے اثرات' آسمان و زمین اور تمام موجودات کے گریہ کرنے اور دنیا کے منقلب ہونے اور اجڑ جانے' نیز مخالف آندھیوں کے چلنے' فضا کے متغیر ہو جانے، کسوف و خسوف' آسمان سے خون کے برسنے اور فضا کے

اس قدر تاریک ہو جانے کہ دن کے وقت ستارے دکھائی دینے لگیں' نیز ہر اٹھائے جانے والے پتھر کے نیچے سے تازہ خون کے دیکھے جانے اور آسمان پر سرخی نمودار ہونے وغیرہ کے بارے میں اس قدر زیادہ احادیث پیش کی گئی ہیں کہ جنہیں علمائے عامہ نے بھی اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔

اس سلسلے میں بحارالانوار: (۴۵/۲۰۰تا۲۳۱' نفس المہموم/۳۷۶تا۳۹۶ باب چہارم' کامل الزیارات باب ۲۳تا۳۱' احقاق الحق ۱۱/۴۵۸تا۴۹۰' منتہی الآمال: ۱/۴۵۱' مقتل مقرم/۳۶۵تا۳۷۹)

اور اہل سنت کے منابع: طبقات ابن سعد جزء امام حسینؑ/۹۱ ح ۳۲۶ حلیۃ الاولیاء: ۲/۳۷۶' تفسیر طبری ۲۵/۷۴' تاریخ دمشق جلد امام حسین علیہ السلام/۲۳۵' مختصر تاریخ دمشق: ۷/۱۳۹' مجمع الزوائد: ۹/۱۹۷' الصواعق المحرقۃ/۱۹۳' تذکرۃ الخواص/۲۳۵' ذخائر العقبیٰ/۱۳۵' مقتل خوارزمی: ۲/۸۹تا۹۱' الاتحاف بحب الاشراف/۲۷' نظم درر السمطین/۲۲۰' کفایۃ الطالب/۲۹۳' المعجم الکبیر: ۳/۱۱۳'۱۱۹ و تاریخ الخلفاء/۲۰۷' سیر اعلام النبلاء: ۳/۳۱۴' البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۷۱' کامل ابن اثیر: ۴/۹۰' الذریۃ الطاہرۃ دولابی/۱۳۵ ح ۱۷۰' ینابیع المودۃ/۳۲۰ تا ۳۲۲ ب ۶۰ و ص ۳۵۶ ب ۶۲ وغیرہ سے رجوع فرمائیں۔

maablib.org

امام مظلومؑ کے لباس کی لوٹ کھسوٹ

حاکم نے جو دیکھی شہؑ مظلوم کی پوشاک ٹکڑے تھا ہر اک جا سے وہ ملبوسِ تن چاک
عابدؑ سے وہ تب کہنے لگا حاکمِ سفاک یہ رخت کہن پہنے تھے سبطِ شہؑ لولاکؐ
حیرت ہے مجھے جامۂ شاہِ شہداءؑ پر
دعویٰ تھا خلافت کا اسی کہنہ قبا پر
(میر انیس)

راوی کہتا ہے: اس کے بعد ان لعینوں نے حسینؑ کے ملبوسات کو لوٹنا چاہا۔ اسحاق بن حویہ حضرمی نے آپ کا پیراہن لوٹ لیا اور جب وہ ایسا کر رہا تھا تو وہ برص (پھلبہری) کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور اس کے بدن کے بال جھڑ گئے۔

روایت میں ہے کہ آپ کے پیراہن میں ایک سو دس سے زیادہ تیروں، نیزوں اور تلواروں کے نشان دیکھے گئے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: امام حسینؑ کے پیکر مطاہر پر نیزوں کے انتالیس (۳۹) اور تلواروں کے تیس (۳۰) زخم موجود تھے۔

بحر بن کعب تیمی ملعون نے آپ کی شلوار لوٹ لی اور روایت میں ہے کہ وہ زمین میں دھنس گیا اور اس کے پاؤں نے حرکت ترک کر دی۔ اخنس بن مرثد (اور کچھ کے مطابق جابر بن یزید اودی) آپ کا عمامہ لوٹ کر لے گیا اور جونہی اس نے اسے سر پر رکھا وہ دیوانہ ہو گیا۔

آپ کے نعلین مبارک اسود بن خالد لعین نے لوٹ لئے۔ اور بجدل بن سلیم کلبی ملعون نے آپ کی انگوٹھی لوٹنے کے لئے انگوٹھی سمیت آپ کی انگلی کاٹ لی۔ جب مختار نے اسے پکڑا

تو اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنے خون میں تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہوا۔(لہوف/۱۲۹' بحارالانوار:۴۵/۵۷'مثیر الاحزان/۷۶ مذکورہ بالا اشیاء کی ترتیب میں تبدیلی کے ساتھ)

محدث قمیؒ تحریر کرتے ہیں: مقاتل کی کتابوں میں تمام شہداء کے لباس اور اسلحہ کو لوٹ لئے جانے کے بارے میں مذکور نہیں ہے۔ لیکن یہی نظر آتا ہے کہ کوفہ کے گھٹیا لوگوں نے کسی شہید کی کوئی چیز نہیں چھوڑی ہوگی اور جو بھی ان کے بدن پر تھا لوٹ لیا گیا۔

ابن نما رقم طراز ہیں: حکیم بن طفیل نے حضرت عباسؑ کا لباس مبارک اور اسلحہ لوٹ لیا۔

اور امام جعفر صادقؑ کی زیارت شہداؑ میں اس طرح منقول ہے۔

وَسَلَبُوكُمْ لِابْنِ سُمَيَّةَ وَابْنِ آكِلَةِ الْأَكْبَادِ۔

"سمیہ کے بیٹے کی خوشنودی کے لئے اور جگر کھانے والی کے بیٹے کی خوشی کے لئے آپ (کے لباس) کو لوٹ لیا گیا"۔

اور معتبر حدیث میں امام زین العابدینؑ سے کی گئی روایت میں مروی ہے:

وَكَيْفَ لَا أَجْزَعُ وَأَهْلَعُ وَقَدْ أَرٰى سَيِّدِي وَإِخْوَتِي وَعُمُومَتِي وَوُلْدَ عَمِّي وَأَهْلِي مُصْرَعِينَ بِدِمَائِهِمْ مُرَمَّلِينَ بِالْعَرَاءِ مُسَلَّبِينَ، لَا يُكَفَّنُونَ وَلَا يُوَارَوْنَ۔

"میں کس طرح جزع فزع نہ کروں اور بے قرار نہ ہوں جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے آقا (ابا عبداللہ الحسینؑ) اور میرے بھائی اور میرے چچا اور میرے چچا زاد اور میرے اہل خانہ کربلا کے بیابان میں خون میں غلطاں پڑے تھے ان کے لباس اور وسائل کو لوٹ لیا گیا۔ انہیں بے کفن چھوڑ دیا گیا اور دفن تک نہ کیا گیا"۔ (منتہی الآمال:۱/۳۹۸)

تاراجیٔ خیام

اے قبرِ مصطفیؐ کے مجاور! ترے نثار　　اے بے کس و غریب مسافر! ترے نثار
اے تشنہ کام و صابر و شاکر ترے نثار　　اے دین حق کے حامی و ناصر ترے نثار

آئے تھے کربلا میں شہادت کے واسطے
اِک دن میں گھر لٹا دیا اُمت کے واسطے

(میر انیس)

جب لشکر کوفہ نے امام مظلومؑ کو شہید کر دیا تو وہ آلِ رسولؐ اور نورِ چشم بتولؑ کے خیموں کو لوٹنے کے لئے بڑھے (اور جو کچھ اسباب و اثاثہ لباس اور زیورات امامؑ کے عزیزوں کے پاس تھا، لوٹ لیا حتیٰ کہ وہ ملعون مُخدراتِ عصمت کے سروں سے چادریں بھی اتار کر لے گئے۔ پیغمبر کی بیٹیوں اور خاندان رسالت کی خواتین کو خیموں سے باہر نکال دیا گیا۔ جب کہ عمر سعد کے لشکر کا ایک دستہ اپنے مقتول ساتھیوں پر نوحہ سرائی کر رہا تھا۔

حمید بن مسلم روایت کرتا ہے کہ میں نے بکر بن وائل کے طائفہ کی ایک عورت کو دیکھا کہ جو اپنے شوہر کے ہمراہ عمر سعد کے ساتھیوں کے درمیان موجود تھی۔ جب اس نے لوگوں کو خواتین و دخترانِ حسینؑ اور ان کے خیمے پر ہجوم کرتے ہوئے اور ان کو لوٹتے کھسوٹتے دیکھا تو تلوار ہاتھ میں پکڑ کر خیموں کی طرف بڑھی اور آواز دی:

اے قبیلہ بکر کے مردو! کیا رسول خداؐ کی بیٹیوں کے تن سے لباس بھی لوٹ لئے جائیں گے؟ اور "لاحکم الا للہ" (یہ خوارج کا شعار تھا) رسولؐ خدا کی خون خواہی کے لئے قیام کیجئے۔ اس کے شوہر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی قیام گاہ کی طرف لے گیا۔ (لہوف/۱۳۱)

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: اور جو کچھ گھوڑے، اونٹ اور مال اسباب تھا سب کچھ لوٹ لیا گیا۔ یہاں تک کہ خواتین کے لباس (چادریں اور زیورات) بھی لوٹ لئے گئے۔

حمید بن مسلم کہتا ہے: میں نے آپؑ کے خاندان کی کوئی ایسی عورت نہ دیکھی کہ جس کے جسم پر چادر بچی ہو اور لوٹ نہ لی گئی۔ اور اگر کسی بی بی نے اس سلسلے میں رکاوٹ کی تو زبردستی اور ظلم سے اس کی چادر چھین لی گئی۔

پھر ہم علی بن الحسینؑ کی طرف، جو کہ سخت بیماری کی حالت میں اور صاحب فراش تھے، بڑھے۔ شمر کے ہمراہ پیادوں کا ایک گروہ تھا۔ وہ شمر سے کہنے لگے: ہم اس بیمار کو قتل کر دیں؟ میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا بیماروں کو بھی قتل کیا جاتا ہے! یہ جوان مریض ہے جو بیماری اسے ہے یہی اس کے لئے کافی ہے۔ پس میں ان سے چمٹا رہا تاکہ انہیں اس ارادے سے باز رکھوں۔

عمر سعد خیموں کے دروازے پر آیا۔ مخدرات عصمت نے اس کے سامنے فریاد کی اور گریہ فرمایا۔ ابن سعد نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کوئی شخص ان خواتین کے خیموں میں داخل نہ ہو اور کوئی اس جوان بیمار کو تنگ نہ کرے۔

بیبیوں نے اس سے درخواست کی کہ ہمارا جو سامان لوٹا گیا ہے وہ ہمیں واپس کرا دیا جائے تاکہ ہم اپنے جسموں کو ڈھانپ سکیں۔

عمر نے کہا: جس کسی نے بھی ان بیبیوں کی کوئی چیز چھینی ہے وہ انہیں واپس کر دے لیکن خدا کی قسم کسی شخص نے ایک چیز بھی واپس نہ کی۔ (ارشاد: ۲/۱۱۲)

جب شمر اس خیمے میں آیا کہ جس میں علی بن الحسینؑ بستر بیماری پر پڑے تھے تو اس نے تلوار کھینچی تاکہ آپ کو شہید کر دے۔ حمید بن مسلم نے کہا: سبحان اللہ! کیا اس بیمار کو قتل کرو گے؟! البتہ انہیں قتل نہ کیا گیا۔

بعض کا کہنا ہے: عمر سعد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: کیا تمہیں خدا سے شرم نہیں آتی کہ اس بیمار جوان کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ شمر ملعون نے کہا: عبید اللہ (ابن زیاد) کا حکم ہے کہ حسینؑ کے سبھی فرزندوں کو قتل کر دیں۔

عمر نے اس کے سامنے رکاوٹ کی اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اہل بیتؑ کے خیموں کو جلا دینے کا حکم دیا۔ (نفس المھموم/۳۷۹، روضۃ الصفا: ۳/۱۷۰)

فاطمہؑ بنت امام حسینؑ کا کہنا ہے: میں خیمے کے دروازے پر کھڑی تھی اور اپنے بابا اور ان کے اصحاب کو اس حالت میں زمین پر پڑے دیکھ رہی تھی جیسے عید قربان کے دن گوسفندوں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ ان پر گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے۔ میں اس فکر میں تھی کہ بابا کے بعد بنی امیہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ آیا وہ ہمیں قتل کرتے ہیں یا قیدی بناتے ہیں؟ اچانک میں نے ایک سوار کو دیکھا جو خواتین کو نیزے سے مار رہا تھا اور انہیں بھگا رہا تھا۔ اور وہ ایک دوسرے کی پناہ لے رہی تھیں۔ ان کے سروں سے چادریں چھینی جا رہی تھیں اور ان کے زیورات اتارے جا رہے تھے، اور وہ فریاد کر رہی تھیں۔

(وَاجَدَّاہُ وَابَتَاہُ ' وَاعَلِیَّاہُ وَآی اِذکم یَاوِر وَاحَسَنَاہُ)

''ہائے ہمارے نانا' ہائے ہمارے بابا' ہائے علی مولا' افسوس مددگاروں کی کمی' ہائے امام حسنؑ! کیا کوئی پناہ دہندہ نہیں جو ہمیں پناہ دے؟ کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو دشمنوں کو ہم سے دور کرے''۔

یہ حالت دیکھ کر میرا دل اڑنے لگا اور جسم لرزنے لگا۔ میں نے خوف سے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور اپنی پھوپھی ام کلثوم کی طرف لپکی (کہ ان کی پناہ لے سکوں) مبادا وہ شخص میری طرف بڑھنے کا ارادہ کرے۔

اتنے میں اس شخص نے میری طرف بڑھنے کا ارادہ کیا، اور میری طرف روانہ ہوا۔ میں اس کے خوف سے بھاگی اور سوچا کہ میں اس سے محفوظ ہو جاؤں لیکن وہ میرے پس پشت سے آیا اور میرے دونوں شانوں کے درمیان ایسا نیزہ مارا کہ میں زمین پر گر پڑی۔ اس نے میرے کانوں کو پھاڑ کر میرے گوشوارے چھین لئے۔ اور میری چادر (مقنعہ) بھی چھین لی۔ میرے سر اور چہرے سے خون رواں تھا اور سورج میرے سر پر چمک رہا تھا۔ میں (اس حالت میں) بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنی پھوپھی کو دیکھا جو میرے پاس بیٹھی گریہ کر رہی تھیں اور کہتی تھیں

(بیٹی) اٹھ بیٹھو کہ ہم چلیں۔ دیکھو خواتین اور تمہارے بیمار بھائی پر کیا گزری ہے۔

پھر اتفاق سے ہم خیموں کی طرف چلیں تو کوئی خیمہ ایسا نہ تھا جسے لوٹا نہ گیا ہو۔ میرے بھائی علیؑ بن الحسینؑ (اپنے خیمے میں) پڑے تھے اور بھوک پیاس نیز بیماری کے سبب بیٹھنے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ پس ہم ان پر روتی تھیں اور وہ ہم پر روتے تھے۔ (بحار الانوار: ۴۵/۶۰، مہیج الاحزان/۲۸۰ م ۱۱)

فاطمہؑ بنت حسینؑ سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں بچی تھی اور سونے کے دو خلخال (پازیبیں) میرے پاؤں میں تھیں۔ ایک نامرد (بے غیرت) میرے پاؤں سے پازیبیں کھینچتا تھا اور ساتھ ساتھ گریہ بھی کرتا تھا۔ میں نے کہا: اے دشمن خدا! تو روتا کیوں ہے؟ کہنے لگا کیسے نہ روؤں کہ رسولؐ خدا کی بیٹی کو لوٹ رہا ہوں۔

میں نے کہا: اگر تو یہ بھی جانتا ہے کہ میں رسولؐ خدا کی بیٹی ہوں تو پھر مجھے لوٹتا کیوں ہے؟ وہ کہتا تھا: اگر میں نہیں لوٹوں گا تو کوئی اور لوٹ لے جائے گا۔ (جلاء العیون/۳۱۲)

ملاحظہ کیجئے جہالت اور گمراہی، انسان کو کہاں لے جاتی ہے!

صاحبانِ مقاتل نے (آل اللہ حزب اللہ) کے خیموں کی غارت گری اور ان کے اموال کی لوٹ کھسوٹ کے بارے میں ایسے ایسے واقعات تحریر کیے ہیں کہ قلم ان کو تحریر کرنے سے شرم محسوس کرتا ہے۔

maablib.org

سید الشہداءؑ کے لاشۂ اطہر کی پامالی

امام مظلومؑ کی شہادت کے بعد عمر سعد ملعون نے لشکر کے درمیان کھڑے ہو کر آواز دی: کون ہے جو انعام کا مستحق قرار پائے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حسینؑ کے پشت و سینہ کو ایک کر دے، اور جسم کو سموں سے پامال کرے؟

دس اشخاص اس کام کے لئے تیار ہوئے اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر گھوڑے آپ کے بدن اطہر پر دوڑا دیئے۔ اور مظلوم و غریب امامؑ کے سینہ و پشت اور پہلو کی ہڈیوں کو چور چور کر دیا۔ (لہوف/۱۳۴، مثیر الاحزان/۷۸، ارشاد: ۲/۱۱۸، نفس المہموم/۳۷۷، بحار الانوار: ۴۵/۵۹، مناقب ۴/۱۱۱، مقتل خوارزمی ۲/۳۸، تاریخ طبری: ۵/۴۵۴، مقتل مقرم/۳۸۹ کامل ابن اثیر، مروج الذہب، بدایہ ابن کثیر، تاریخ الخمیس، اعلام الوریٰ اور روضۃ الواعظین وغیرہ سے منقول۔ اور اس جرم و جنایت سے تاریخ کے چہرے کو سیاہ کر دیا۔

کافی (۱/۴۶۷ باب مولد الحسینؑ ح ۷) میں ایک حدیث میں نقل ہے کہ جب زینب کبریٰ اور اہلِ حرم متوجہ ہوئے کہ عمر سعد لعین لاشوں کی پامالی کا ارادہ رکھتا ہے فضہؑ کنیزِ حضرت زہراؑ نے عرض کیا: اس بیابان میں ایک شیر ہے، میں اس کے پیچھے جاتی ہوں تاکہ وہ اس کام میں مانع ہو۔

اس حدیث میں ظاہراً یہ ہے کہ شیر آیا اور مانع ہوا لیکن تواریخ اور احادیث کہ جن سے بعض (محدثین اور مورخین) نے نقل کیا ہے وہ اس کے برخلاف ہیں۔ چنانچہ بعض نے اس طرح بتایا ہے کہ جب شیر آیا تو کام تمام ہو چکا تھا۔ لیکن یہ حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔

جب یہ دس افراد (جنہوں نے ان لاشوں پر گھوڑے دوڑائے تھے) ابن زیاد کے

دیک پہنچے تو اسید بن مالک ملعون جوان میں سے ایک تھا' کہنے لگا:

نَحْنُ رَضَضْنَا الصَّدْرَ بَعْدَ الظَّهْرِ
بِكُلِّ يَعْبُوبٍ شَدِيْدَ الْأَسْرِ

''ابن زیاد نے کہا: تم کون ہو؟ کہا ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے پشتِ حسینؑ پر گھوڑے دوڑائے، یہاں تک کہ چکی چلنے کے عمل کی طرح اس کے سینے کی ہڈیوں کو نرم کر دیا''۔

ابن زیاد نے حکم دیا:

ابو عمر زاہد نے کہا: ان دس کے دس افراد کی تحقیق کی گئی ہے یہ سب کے سب زنا زادے ہیں۔

مختارؓ نے (اپنے دور حکومت میں) انہیں تلاش کروایا اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گڑوا کر ان کی پشتوں پر گھوڑے دوڑا دیئے اور وہ اسی حالت میں واصلِ جہنم ہوئے۔ (لہوف/۱۳۵' بحار الانوار: ۴۵/۵۹)

زیارت ناحیہ مقدسہ میں آیا ہے:

تَطَؤُكَ الْخُيُولُ بِحَوَافِرِهَا

''اور اس کے بعد اس کے بدن پر گھوڑے دوڑا دیئے گئے''۔ (بحار الانوار: ۱۰۱/۳۲۲)

وَلَقَدْ اَوْطَأَهُ الْخَيْلُ بَعْدَ ذٰلِكَ ــ (بحار الانوار: ۴۵/۹۱)

آپ نے اپنی شہزادی سکینہؑ کو قتل گاہ میں غشی کی حالت میں فرمایا:

وَأَنَا السِّبْطُ الَّذِیْ مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ قَتَلُوْنِی
وَبِجُرْدِ الْخَيْلِ بَعْدَ الْقَتْلِ عَمْدًا سَحَقُوْنِی

''میں پیغمبر کا بیٹا ہوں مجھے، بے جرم وخطا قتل کر دیا گیا اور قتل کرنے کے بعد وہ یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ مجھ پر گھوڑے دوڑا کر میری ہڈیوں کو چور

کردیں"۔ (تذکرۃ الشہداء: ۳۷۳)

جناب ام کلثومؑ کی نظر جب اپنے بھائی کی لاش پر پڑی تو فرمایا:

فَجُثْمَانُهٗ تَحْتَ الْخُیُوْلِ وَرَاْسُهٗ
عِنَادًا بِاَطْرَافِ الْاَسِنَّةِ تُرْفَعُ

"اس کا چہرہ (سموں) سے پامال ہے اور سر نیزے پر بلند ہے"۔ (تذکرۃ الشہداء /۳۷۳)

آتش زدگیِ خیام

وہ خیمہ جو رتبے میں تھا کعبے کے برابر اور اوج میں تھا گنبدِ گردوں سے بھی بہتر
مسند وہ جو تھی جلوہ گر احمدؐ و حیدرؑ وہ فرش جو تھا نور میں جوں عرشِ منور

دنیا میں بنا دیں کی تھی جس گھر کی زمیں سے
اعدا نے وہ گھر پھونک دیا آتشِ کیں سے
(میر انیس)

مرحوم سید بن طاؤس فرماتے ہیں: اس کے بعد خواتین کو خیموں سے باہر نکال دیا گیا اور خیام کو آگ لگا دی گئی۔

فَخَرَجْنَ حَوَاسِرَ مُسَلَّبَاتٍ حَافِيَاتٍ بَاكِيَاتٍ يَمْشِينَ سَبَايَا فِي أَسْرِ الذِّلَّةِ۔

"مخدرات عصمت چادریں لٹنے کے بعد برہنہ سر، ننگے پاؤں، گریہ وفریاد کرتی ہوئیں خیموں سے باہر نکلیں اور انہیں قیدی بنالیا گیا اور ظالم انہیں اس ذلت کے عالم میں اپنے ہمراہ کوفہ لے چلے"۔ (لہوف/۱۳۲)

ابن نما کا کہنا ہے: سردار انبیاء کی بیٹیاں اور جناب فاطمہ زہراؑ کی نور چشم اس عالم میں خیموں سے باہر آئیں کہ ان کے سر برہنہ تھے اور ان کی نوحہ اور گریہ وشیون کی فریاد بلند ہو رہی تھی اور وہ (اپنے) جوانوں اور بوڑھوں پر گریہ کر رہی تھیں۔ اس اثنا میں خیام کو آگ لگا دی گئی جس کے خوف سے وہ خیموں سے باہر نکلیں۔ (مثیر الاحزان/۷۷)

امام رضاؑ فرماتے ہیں: محرم وہ مہینہ تھا جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی جنگ کو حرام

سمجھتے تھے لیکن ہمارے خون کو اس مہینے میں بھی حلال سمجھا گیا اور ہماری حرمت کی ہتک کی گئی اور ہمارے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا گیا۔

وَأُضْرِمَتِ النِّيرَانُ فِي مَضَارِبِنَا ، وَانْتُهِبَ مَا فِيهَا مِنْ ثِقْلِنَا
وَلَمْ تُرْعَ لِرَسُولِ اللهِ حُرْمَةٌ فِي أَمْرِنَا.

''اور ہمارے خیموں میں آگ لگا دی گئی اور جو کچھ ان میں قیمتی اور نفیس مال تھا لوٹ لیا گیا۔ اور ہمارے بارے میں رسولؐ خدا کی حرمت کی بھی رعایت نہ کی گئی''۔ (امالی صدوق/۱۲۸م ۲۷ ح ۲)

بعض مقاتل میں مذکور ہے کہ جناب زینب کبریٰؑ امام زین العابدینؑ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا: اے گزشتہ گان کی یادگار اور باز ماندگان (باقی بچ جانے والوں) کے فریادرس! ہمارے خیموں کو آگ لگا دی گئی ہے: ہمارے لئے (اس صورت حال میں) کیا حکم ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: عَلَيْكُنَّ بِالْفِرَارِ۔ ''فرار اختیار کرو''

پس رسولؐ خدا کی بیٹیاں فریاد کرتی ہوئیں اور گریہ کناں خیموں سے نکلیں۔ لیکن زینب کبریٰؑ امام زین العابدینؑ کے حرکت نہ کر سکنے کے سبب ان کے پاس کھڑی رہیں۔

راوی کہتا ہے: میں نے ایک بی بی کو دیکھا جو خیمے کے دروازے میں کھڑی تھی اور چاروں طرف سے آگ کے شعلوں میں گھری ہوئی تھی۔ کبھی وہ اپنے دائیں اور بائیں اور کبھی آسمان کی طرف نگاہ کرتی تھی اور کبھی خیمے میں داخل ہوتی اور باہر نکلتی تھی۔

میں تیزی سے اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے بی بی! آپ فرار کیوں نہیں اختیار کرتیں؟ جب کہ آگ آپ کے چاروں طرف شعلہ زن ہے، تمام بیبیاں بھاگ نکلی ہیں آپ ان سے ملحق کیوں نہیں ہوتیں؟

وہ بی بی رونے لگی اور فریاد کرنے لگی: اس خیمے میں میرا ایک بیمار ہے جو بیٹھ سکتا ہے اور نہ چل سکتا ہے۔ اس حالت میں کہ آگ نے اسے گھیر رکھا ہے میں کیسے اس سے جدا ہو جاؤں۔ (معالی السبطین: ۲/۵۲)

شامِ غریباں

(گیارہویں کی رات)

میداں میں ہوا خاتمہ جب آلِ عباؑ کا　　گھر لُٹ گیا تاراج امامِ دوسرا کا
کنبہ ہوا محبوس شہِؑ عقدہ کشا کا　　عریاں ہوا سر بلوے میں خاصانِ خدا کا

جن بیبیوں کا سایہ نہ دیکھا تھا کسی نے
افسوس انہیں بے پردہ کیا فوجِ شقی نے

(میر انیسؔ)

دسویں محرم کی شام کے وقت (اہلِ بیتؑ کے) دو بچے خوف، وحشت اور پیاس کے سبب اس دنیا سے انتقال فرما گئے۔ جب حضرت زینبؑ نے عورتوں اور بچوں کو جمع کیا تو دو بچے نہ ملے۔ ان کی تلاش کی گئی تو وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالے خوابیدہ نظر آئے۔ جب ان دونوں کو حرکت دی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ پیاس کی شدت کے سبب اس دار فانی سے رخصت ہو گئے ہیں۔

جب لشکری اس واقع سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے ابن سعد سے کہا: ہمیں اجازت دو کہ ان (غریبوں) تک پانی لے جائیں۔ جب ان عزیزانِ حسینؑ کے لیے پانی لایا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر پانی پینے سے انکار کر دیا کہ ہم کیسے پانی پئیں جب کہ فرزند رسولؐ کو پیاسا ذبح کر دیا گیا؟ (معالی السبطین :۲/۵۳ مقتل ابن العربی اور مرحوم شیخ محمد حسن کی نقل کے ساتھ انوار الشہادۃ ص۳۱ تا ۳۳ ف ۲، میں مذکور ہے۔)

مرحوم آیت اللہ بیر جندی کہتے ہیں: سید بن طاؤسؒ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ

جب ان بے کس بیبیوں نے خیام کو نامحرم مردوں سے بھرا ہوا پایا تو "وَامُحَمَّدَاہُ وَعَلِیّاہُ" کی صدائیں بلند کیں۔ اور ننگے پاؤں شہداء کی قتل گاہ کا رخ کیا۔

"مقتل" نامی کتاب میں محمد بن عبداللہ حائری سے روایت ہے کہ امام حسینؑ نے حضرت زینبؑ کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بچوں کو مجتمع رکھنا اور ان کا خیال کرنا۔ خیام کی تاراجی کے بعد جناب زینبؑ ان بچوں کو اکٹھا کرنے کے لئے نکلیں جو بیابان میں سرگرداں تھے۔ تو زینبؑ عالیہ نے دو بچوں کو ایک درخت کے نیچے دشمن کے خوف اور پیاس سے مردہ پایا۔ اور اس کی تائید بحار الانوار میں منقول اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ (بحار الانوار: ۴۴/ ۳۰۸)

منقول ہے:

یَامُوْسٰی صَغِیْرُ ھُمْ یُمِیْتُہُ الْعَطَشُ وَکَبِیْرُ ھُمْ جِلْدُہُ مُنْکَمِشٌ.

"اے موسیٰ! ان کے بچے پیاس سے مرجائیں گے اور بڑوں کی جلدِ بدن پھٹ جائے گی"۔

لیکن انہیں سید الشہداء کے اپنے بچوں کے علاوہ ہونا چاہیے۔ (کبریت احمر/ ۲۳۳ جز ۲ م ۲۰)

مرحوم امام مقتل حائری کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فاضل بسطامی "تحفۃ الحسینیہ" میں امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف سے روایت کرتے ہیں:

جس وقت (فوج یزید نے) اہل بیتؑ کو سوار کرانا چاہا تو فہرست کے مطابق ایک بچہ اور ایک بچی غائب تھے۔ عمر سعد کے حکم سے لشکریوں نے ادھر ادھر تلاش کیا لیکن یہ دو بچے نہ مل سکے۔ شمر ملعون مقامِ تفحص سے برآمد ہوا اور ہر طرف گھوڑا بھگایا۔ جب اس کا گزر ایک درخت کے پاس سے ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہ بچے اس درخت کے سائے کے نیچے سوئے پڑے ہیں۔ اس ملعون نے گھوڑے سے جھک کر انہیں تازیانے مارنا شروع کیے لیکن انہوں نے کوئی حرکت نہ کی۔ یہ لعین گھوڑے سے اترا اور ان کے چہروں پر تھپڑ مارنے لگا۔ ان غریبوں نے پھر بھی حرکت نہ کی تو یہ لعین سمجھ گیا کہ یہ دونوں اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔

اور شیخ ابو الفتوح کی کتاب "مختاریہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چھوٹی بچیاں، جن میں سے ایک امام حسنؑ کی بیٹی اور دوسری سید الشہداء، امام حسینؑ کی بیٹی تھیں امام مظلوم کو خون میں غلطاں دیکھ کر اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔

اور "تحفۃ الذاکرین" کرماشاھی اور لسان الواعظین صفحہ آخر پر یہ مضمون منقول ہے کہ جس وقت خیموں کو آگ لگائی گئی تو خیموں سے تئیس (۲۳) چھوٹے بچے برآمد ہوئے جو پیاس کی وجہ سے نڈھال تھے اور خوف کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔

ایک بوڑھے لشکری نے عمر سعد سے کہا: اگر تمہارا خیال ان کو یزید کے پاس لے جانے کا ہے تو ان میں سے ایک نفر بھی شام میں زندہ نہیں پہنچے گا۔ ان کو پانی پلانے کا حکم دو تا کہ یہ پیاس سے مر نہ جائیں۔

عمر سعد نے کہا: ان کو پانی پلاؤ۔ سقاؤں نے مشکیں پانی سے بھریں اور بیبیوں کے پاس پہنچے۔ سب سے پہلے رقیہؑ (ذاکرین برصغیر کے مطابق سکینہؑ) کو سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے پانی کا جام دیا۔ رقیہؑ نے پانی پکڑا اور مقتل کی جانب چل دیں۔

پوچھا گیا: تم کہاں جا رہی ہو؟ کہا: میرے بابا جب میدانِ جنگ میں گئے تھے تو ان کے لب پیاسے تھے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ پانی ان کو پہنچاؤں۔ (ثمرات الحیاۃ: ۲/۳۱۶)

گیارہویں کی رات زینب کبریٰ نے دیکھا کہ رقیہؑ خیمے میں نہیں ہے زینبؑ وام کلثومؑ رقیہؑ کی تلاش میں بیاباں میں نکلیں۔ جب مقتل میں پہنچیں تو دیکھا کہ رقیہ بابا کی لاش پر پڑی ہوئی ہے اور اپنے ہاتھوں کو بابا کے سینے سے چپکائے بابا سے دردِ دل بیان کر رہی ہے۔

زینب کبریٰ نے بہت کوشش کی کہ پیاری رقیہؑ کو بابا کے سینے سے جدا کرسکیں لیکن رقیہؑ کسی قیمت پر ایسا کرنے کو تیار نہ تھیں۔ لہٰذا بی بی زینبؑ نے ام کلثومؑ سے کہا: بہن خیمے میں جا کر سکینہؑ کو لاؤ شاید وہ ہی بہن کو باپ کے سینے سے جدا کر سکے۔

سکینہؑ آئیں اور رقیہؑ کو خیام میں واپس لانے پر راضی کیا۔ راستے میں سکینہؑ نے رقیہ سے کہا: اے بہن! تو نے بابا کو کیسے پہچانا؟

کہا: بہن! میں بابا بابا پکارتے ہوئے ادھر ادھر تلاش کر رہی تھی۔ اچانک میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا تھا: رقیہؑ ادھر آ جاؤ جب میں پہنچی تو دیکھا کہ رقیہؑ مقتل میں ہے۔

محرمیہ نامی کتاب کے صفحہ ششم پر رقم ہے: زینب عالیہؑ نے گیارہویں کی رات ادھ جلے خیمے کی پشت سے جانسوز نالہ وشیون کی آواز سنی۔ تیزی سے آئیں تو دیکھا کہ علی اصغرؑ کی ماں ربابؑ زار و قطار رو رہی ہیں۔ فرمایا: اے بی بی! ہمیں ان بچوں کی خاطر صبر سے کام لینا چاہیے۔

ربابؑ نے کہا: آج عصر کے وقت جب ہمیں پانی دیا گیا تو میری چھاتی میں دودھ اتر آیا۔ میرا شیر خوار علی اصغرؑ کہاں ہے کہ اسے دودھ پلا سکوں؟ (نہضت حسینی: ۲/۱۸ تا ۲۱، البتہ ماخذ کتاب تحقیق کا طالب ہے)

بعض اہل علم و فضل نے نقل کیا ہے کہ: زینب عالیہؑ نے نماز شب کو تمام عمر ترک نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ گیارہویں کی قیامت خیز) رات کو بھی۔

امام سجادؑ فرماتے ہیں: میں نے اس رات (بھی) اپنی پھوپھی زینبؑ کو دیکھا کہ نماز پڑھنے میں مشغول بیٹھی ہیں۔ اور فاضل بیر جندی نے بعض معتبر مقاتل سے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ نے اپنی بہن (زینبؑ) سے وداع فرمایا تو اس وداع آخر میں فرمایا:

يَاأُخْتَاهُ ، لَا تَنْسِيْنِیْ فِی نَافِلَةِ اللَّيْلِ۔

''اے بہن! نوافل شب میں مجھے فراموش نہ کرنا''۔ (زینب کبریٰ از علامہ نقدی/۸۱)

ابی مخنف نے طرماح بن عدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں واقعہ کربلا کے مقتولین میں شامل تھا (زخموں کی زیادتی کے سبب مقتل میں پڑا تھا لیکن مجھ میں کچھ رمق باقی تھی البتہ بے حال تھا۔

(خدا کی) قسم مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ خواب نہ تھا، میں نے بیس نورانی سواروں کو دیکھا کہ جنہوں نے سفید لباس پہن رکھے تھے۔ اور ان سے اٹھنے والی مشک وغیرہ کی خوشبو و مشام جاں کو معطر کر رہی تھی وہ مقتل میں تشریف لائے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: شاید یہ ابن زیاد

ہو اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ امام حسینؑ کا مثلہ کرنے کے لئے آیا ہو۔ وہ سوار حسینؑ کے لاشے پر پہنچے۔ جوان سب کے آگے تھا وہ لاش حسینؑ کے پاس بیٹھ گیا اور اسے سینے سے چمٹا لیا۔ اور اپنے ہاتھ سے کوفہ کی طرف اشارہ کر کے امامِ مظلومؑ کے خون آلود سر کو منگوایا اور آپؑ کے بدن پر رکھا۔ یہ سب دیکھ کر میرے ہوش وحواس اڑ گئے۔ میں نے خود سے کہا: ابن زیاد اس قدر قدرت ہرگز نہیں رکھتا۔ یعنی یہ ابن زیاد نہیں ہے۔

خوب غور وفکر کے بعد میں نے سوچا یہ بزرگوار رسولؐ خدا ہوں گے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تم پر سلام۔ سید الشہداءؑ نے جواب سلام دیا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا:

يَا وَلَدِيْ قَتَلُوْكَ أَتَرَاهُمْ مَاعَرَفُوْكَ وَمِنَ الْمَاءِ مَنَعُوْكَ وَعَنْ حَرَمِ جَدِّكَ أَخْرَجُوْكَ؟

"اے میرے بیٹے! انہوں نے تمہیں قتل کر دیا! کیا تمہیں پہچانا نہ کہ تم پر پانی بند کر دیا اور تمہیں تمہارے جد کی حرمت سے خارج کر دیا؟"

ان پر افسوس، میرے بیٹے! تم نے اپنا تعارف کروایا ہوتا کہ شاید انہیں تم پر رحم آ جاتا؟

امام حسینؑ نے روتے ہوئے فرمایا: ناناؐ جان! میں نے اپنا تعارف کروایا تو انہوں نے کہا: ہم تمہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں، لیکن پھر بھی مجھے ظلم اور دشمنی سے قتل کر دیا۔

اس وقت رسولؐ خدا نے اپنے ہمراہیوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: اے میرے باپ آدمؑ! اے میرے باپ نوحؑ، اے میرے باپ ابراہیمؑ، اے میرے باپ اسماعیلؑ، اے میرے بھائی موسیٰؑ اور اے میرے بھائی عیسیٰؑ! سب عرض کرنے لگے: "لبیک" (یا رسول اللہ)

فرمایا: آپ نے دیکھا کہ میرے بعد میری امت کے شقی ترین لوگوں نے میری عترت کے ساتھ کیا سلوک کیا! خدا میری شفاعت انہیں نصیب نہ کرے۔ تمام پیغمبروںؑ نے آمین کہی۔ اور دیر تک روتے رہے۔ انہوں نے رسول خدا کو تعزیت وتسلیت بھی کی۔ آپؐ نے خاک کی مٹھی اٹھائی اور اپنے سر اور داڑھی میں ڈال لی۔ امام حسینؑ نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے مصائب بیان کیے تو رسولؐ خدا نے انہیں سن کر نالہ وزاری کی۔ یہاں تک کہ غش کھا گئے، اور میں سنتا اور دیکھتا

رہا۔ پھر امام مظلوم کے بدن کو جیسا کہ وہ پہلے تھا چھوڑ کر کربلا سے چلے گئے۔
(مقتل ابی مخنف/ ۱۵۷، انوار نعمانیہ: ۳/ ۲۵۳ ریاض القدس: ۲/ ۲۰۱، ناسخ التواریخ: ۳/ ۱۵)

یہ آنکھ ہوئی جاتی ہے نم شامِ غریباں
ہاں! تیرے عزادار ہیں ہم شامِ غریباں
میں ماتمِ شبیرؑ کا اک حلقۂ زنجیر
رکھنا مرے اشکوں کا بھرم! شامِ غریباں
(نعمان منظور)

-----------✿-----------

maablib.org

سرہائے شہداء کی کوفہ روانگی

سر سناں پہ سج کے جانے والے! سلام تجھ پر
کٹا کے سر مسکرانے والے! سلام تجھ پر
تو مر کے جینا سکھانے والوں کا رہنما ہے
لہو کی مشعل جلانے والے! سلام تجھ پر
(احمد ندیم قاسمی)

عمر سعد نے امام حسینؑ کا سر مبارک روز عاشور ہی کو خولی بن یزید اور حمید بن مسلم ازدی کے ہاتھ عبید اللہ ابن زیاد کو بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ آپؑ کے ساتھیوں اور عزیزوں کے سروں کو جدا کر دو (جو کہ شیخ مفید علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق ۷۲ تھے اور انہیں شمر بن ذی الجوشن، قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج کے ہمراہ کوفہ روانہ کر دیا اور خود عمر بن سعد گیارہویں محرم کی ظہر تک کربلا میں رہا۔ پھر کوفہ روانہ ہو گیا۔ (ارشاد: ۲/۱۱۸ الہوف ۱۳۲)

خولی نے امام حسینؑ کے سر مبارک کو اٹھایا اور اسی رات تیزی کے ساتھ کوفہ پہنچ گیا۔ چونکہ رات کا وقت تھا اور ابن زیاد سے ملاقات ممکن نہ تھی اس لئے اپنے گھر چلا گیا۔ اس ملعون کی دو بیویاں تھیں ایک بنی اسد میں سے اور دوسری نوار بنت مالک اور یہ رات نوار کی تھی۔

طبری اور ابن نما نے خولی کی بیوی نوار سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: وہ ملعون آنحضرتؑ کے سر کو گھر میں لایا اور تغار کے نیچے رکھ دیا۔ اور خود کمرے میں داخل ہو کر اپنے بستر میں آرام کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا: کیا خبر لائے ہو؟ کہنے لگا: تمہارے لئے ایک زمانے کی دولت لایا ہوں: سر حسینؑ تمہارے گھر میں ہے۔

میں نے کہا تجھ پر لعنت' لوگ تو سونا چاندی لائیں اور تو رسولؐ خدا کے بیٹے کا سر لے آیا ہے۔ خدا کی قسم میں ہرگز تمہارے ساتھ ہم بستری نہیں کروں گی۔

وہ کہتی ہے: میں بستر سے اٹھی اور گھر کے صحن میں آئی اور اس تغار کے پاس جس کے نیچے سر مطہر رکھا ہوا تھا آ کر بیٹھ گئی۔ خدا کی قسم میں نے آسمان کا ایک ستون دیکھا کہ جو اس جگہ سے آسمان تک بلند تھا۔ اور اس کے اردگرد سفید رنگ کے پرندے طواف کر رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو وہ ملعون سر مبارک کو ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ (تاریخ طبری: ۴۵۵/۵، نفس المہموم/۳۸۲ منتہی الآمال: ۳۰۱/۱)

دوسری روایت کے مطابق خولی نے امام حسینؑ کے سر کو اٹھایا اور کوفہ کا رخ کیا۔ اس کی منزل کوفہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر تھی چنانچہ اپنے گھر چلا گیا۔ اس کی بیوی انصار میں سے تھی اور اہل بیت کو دل و جان سے دوست رکھتی تھی۔

خولی نے اس کے ڈر سے امامؑ کے سر کو ایک تنور میں چھپا دیا، اور خود اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اس کی بیوی نے پوچھا: تم یہ چند روز کہاں رہے؟ اس نے جواب دیا: ایک شخص یزید کا باغی تھا، ہم اس کے ساتھ جنگ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ عورت نے کوئی بات نہ کی اور کھانا لائی' خولی نے کھانا کھایا اور سو گیا۔

وہ عورت ہر رات نماز شب کے لئے اٹھتی تھی۔ جب اس رات اٹھی تو گھر کو روشن دیکھا۔ جیسے لاکھوں شمعیں اور چراغ روشن کئے گئے ہوں۔ جب اس نے غور سے دیکھا' تو روشنی اس تنور سے ابھر رہی تھی۔ وہ متعجب ہوئی کہ میں نے تو اس تنور میں آگ ہی نہیں جلائی، یہ روشنی کہاں سے آ گئی؟۔

اس حال میں کہ یہ نور آسمان کی طرف اٹھ رہا تھا۔ اس نے چار عورتوں کو دیکھا جو آسمان سے اُتریں اور اس تنور کے پاس پہنچیں۔ ان میں سے ایک نے اس سر کو تندور سے باہر نکالا۔ اسے چوما' اپنے سینے سے لگایا اور روتے ہوئے فرمایا: ہائے ماں کے شہیدؑ! ہائے ماں کے مظلومؑ! خداوند متعال قیامت کے دن تیرے قاتلوں سے میرا انصاف کرے گا۔ اور جب تک مجھے

انصاف نہ ملا میں پایہ عرش سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گی۔ وہ عورتیں بہت روئیں اور اس سر کو تنور میں رکھ کر غائب ہوگئیں۔

وہ عورت اٹھی اور تنور کے پاس جا کر اس سر کو باہر نکالا اور اسے غور سے دیکھتی رہی۔ چونکہ اس نے امام حسینؑ کو بہت دیکھ رکھا تھا۔ لہٰذا پہچان گئی۔ اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئی۔ اس بے ہوشی کے عالم میں اس نے ایک ہاتف کی آواز سنی کہ اٹھ بیٹھو تمہارا تمہارے شوہر کے گناہ میں مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

اس عورت نے ہاتف (غیبی) سے پوچھا: یہ چار عورتیں جو تنور کے پاس آ کر گریہ وزاری کرتی رہی ہیں یہ کون تھیں؟ آواز آئی: وہ خاتون جس نے اس سر کو سینے سے لگایا اور سب سے زیادہ روتی رہی وہ فاطمہ زہراؑ تھیں۔ اور دوسری ان کی والدہ محترمہ خدیجہ کبریٰ' تیسری عیسیٰ کی ماں مریم اور چوتھی آسیہ زوجہ' فرعون تھیں۔ جب وہ عورت ہوش میں آئی تو کسی کو نہ پایا۔ سر کو اٹھایا اور چومنے لگی۔ (روضۃ الشہداء/۳۶۱)

خولی کی بیوی کا کہنا ہے: میں بے ہوش پڑی تھی اور میں نے غشی کے عالم میں دیکھا کہ بہشت کی حوریں آئی ہیں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ آسمان سے پانچ عماریاں اتری ہیں۔ ان سے سیاہ لباس پہنے کچھ عورتیں برآمد ہوئیں اور تنور کے گرد حلقہ باندھ کر ماتم کرنے لگیں۔ ان کے درمیان ایک بی بی نے جس کا سن مبارک ان سب سے کم تھا اور گریبان پھٹا ہوا تھا، روتے ہوئے سر مبارک کو تنور سے باہر نکالا اور سینے پر رکھ کر آہ وفریاد کرنے لگی اور فرماتی تھی:

وَلَدِی ، وَلَدِی ، یَاحُسَیْنُ ، أَیُّهَا الشَّهِیْدُ ، أَیُّهَا الْمَظْلُوْمُ ، قَتَلُوكَ! وَمَا عَرَفُوْكَ وَمِنْ شُرْبِ الْمَاءِ مَنَعُوْكَ

"میرے بیٹے' میرے بیٹے' اے حسینؑ' اے شہید' اے مظلوم' تجھے قتل کر دیا گیا! اور تجھے پہچانا نہ گیا اور تجھ پر پانی بند کر دیا گیا"۔

شہید ثالث "مجالس" میں تحریر فرماتے ہیں: خولی کی بیوی نے کہا: میں نے دیکھا کہ اس بی بی نے خون سے بھرے اس سر کو اپنے زانو پر رکھا وہ اپنی چادر کے ایک کونے سے اس کے سر

چہرے اور ریش مبارک سے خاک و خون کو پونچھتی تھی اور فرماتی تھی۔

حسینؑ جان! زمین اپنی اس وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ (ریاض القدس: ۲/۲۰۵)

یہاں پر ایک ہندو شاعر گردھاری پرشاد باقی کی عرضِ حال ملاحظہ ہو:

کہا شہ نے نہیں کوئی رفیق اب
فقط ذاتِ خدا ہے اور میں ہوں

maablib.org

گیارہ محرم الحرام اسیریٔ خاندانِ حسینؑ

چلاتی تھی مقتل کی طرف زینبؑ مضطر　　یا سبط نبیؐ لوٹی گئی آپؑ کی خواہر
بازو مرے رسّی میں بندھے چھن گئی چادر　　حلقے میں ستم گاروں کے تنہا ہوں کھلے سر
فریاد ہے منہ اشکوں سے دھونا نہیں ملتا
تم قتل ہوئے اور مجھے رونا نہیں ملتا
(میر انیس)

جب عمر سعد ملعون نے شہدائے عظام کے سروں کو کوفہ روانہ کر دیا تو دسویں محرم کا دن اختتام کو پہنچا۔ وہ گیارہ محرم کی ظہر تک کربلا ہی میں رہا اور اپنے لشکر کے مقتولین پر نماز جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کیا۔ جب کہ عزیز فاطمہ (حسینؑ) اور ان کے ساتھیوں کو عریاں حالت میں زمین کربلا پر ہی چھوڑ دیا گیا۔

اس وقت امام مظلومؑ کے پسماندگان اور اہل و عیال کو کربلا سے کوچ کا حکم دیا گیا اور انہیں بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کیا گیا۔ ان مظلوموں کو رسولؐ خدا کی امانت ہونے کے باوجود دشمن کی سپاہ کے درمیان خستہ حالی میں بغیر محملوں اور بغیر سایہ و سائبان کے ترک اور روم کے قیدیوں کی طرح قید و بند کی سخت ترین صعوبتوں کا نشانہ بنایا۔ سید سجادؑ کے گلے میں آہنی طوق پہنایا گیا' جس کے دونوں طرف زنجیر لگے ہوئے تھے۔ جن کے ذریعے آپؑ کے دونوں ہاتھ بھی گردن سے باندھ دیئے گئے تھے اور زنجیر کے دونوں سرے باندھنے کے بعد دونوں ہاتھ دبانے سے اس طرح باہم مل گئے تھے کہ دوبارہ جدا نہ ہوں گے۔ اس حالت میں ان مظلوموں کو قتل گاہ شہداء سے گزارا گیا جوں ہی بیبیوں کی نظر امام حسینؑ اور دیگر شہداء کے ابدان مبارک پر پڑیں تو وہ اپنے

منہ پیٹ کر رہ گئیں، اور نالہ و بین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ (نفس المہموم/۳۸۵ منتہی الآمال ۱/۴۰۲ بحار الانوار: ۴۵/ ۱۰۷)

مرحوم سید بن طاؤس فرماتے ہیں: بیبیوں کو برہنہ سر اور برہنہ پا خیموں سے باہر لایا گیا اور انہیں اسیری کی ذلت سے دو چار کیا گیا۔ بیبیاں فریاد کرتی تھیں کہ تمھیں خدا کی قسم! ہمیں مقتلِ حسینؑ کی طرف سے لے چلو۔

عمر سعد اور اس کے ساتھیوں نے ایسا ہی کیا۔ جب خاندانِ رسولؐ و بتولؑ کی نظریں مقتولین کے لاشوں پر پڑیں تو وہ بین کرتی تھیں اور اپنے چہروں کو (پیٹتی) اور نوچتی تھیں۔

قَالَ فَوَاللّٰهِ لَا أَنْسىٰ زَيْنَبَ بِنْتَ عَلِيٍّ تَنْدُبُ الْحُسَيْنَ وَتُنَادِيْ بِصَوْتٍ حَزِيْنٍ وَقَلْبٍ كَئِيْبٍ: يَامُحَمَّدَاهُ صَلّٰى عَلَيْكَ مَلَائِكَةُ (مَلِيْكُ) السَّمَاءِ هٰذَا حُسَيْنٌ مُرَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ مُقَطَّعُ الْأَعْضَاءِ وَبَنَاتُكَ سَبَايَا اِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكىٰ وَاِلىٰ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفىٰ، وَاِلىٰ عَلِيٍّ الْمُرْتَضىٰ، وَاِلىٰ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ، وَاِلىٰ حَمْزَةَ سَيِّدِ الشُّهَدَاءِ يَامُحَمَّدَاهُ هٰذَا حُسَيْنٌ بِالْعَرَاءِ تَسْفِيْ عَلَيْهِ الصَّبَا قَتِيْلُ أَوْلَادِ الْبَغَايَا وَاحُزْنَاهُ وَاكَرْبَاهُ اَلْيَوْمَ مَاتَ جَدِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا أَصْحَابَ مُحَمَّدَاهُ هٰؤُلَاءِ ذُرِّيَّةُ الْمُصْطَفىٰ يُسَاقُوْنَ سَوْقَ السَّبَايَا وَفِيْ رِوَايَةٍ: يَامُحَمَّدَاهُ بَنَاتُكَ سَبَايَا وَذُرِّيَّتُكَ مُقَتَّلَةٌ تَسْفِيْ عَلَيْهِمْ رِيْحُ الصَّبَا وَهٰذَا حُسَيْنٌ مَجْزُوْزُ الرَّأْسِ مِنَ الْقَفَا مَسْلُوْبُ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ بِأَبِيْ مَنْ لَا غَائِبٌ فَيُرْتَجىٰ وَلَا جَرِيْحٌ فَيُدَاوىٰ، بِأَبِيْ مَنْ نَفْسِيْ لَهُ الْفِدَاءُ بِأَبِي الْمَهْمُوْمِ حَتّٰى قَضىٰ بِأَبِي الْعَطْشَانِ حَتّٰى مَضىٰ بِأَبِيْ مَنْ شَيْبَتُهُ تَقْطُرُ بِالدِّمَاءِ. بِأَبِيْ مَنْ جَدُّهُ مُحَمَّدٌ الْمُصْطَفىٰ بِأَبِيْ مَنْ جَدُّهُ رَسُوْلُ اِلٰهِ السَّمَاءِ بِأَبِيْ مَنْ هُوَ سِبْطُ نَبِيِّ الْهُدىٰ بِأَبِيْ (ابْنُ)

مُحَمَّدٍا لمُصْطَفٰی بِأَبِی (اِبْنُ) خَدِیْجَةَ الکُبْریٰ بِأَبِی (اِبْنُ) عَلِیِّ الْمُرْتَضٰی بِأَبِی (اِبْنُ) فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ سَیِّدَةِ النِّسَاءِ بِأَبِی (اِبْنُ) مَنْ رُدَّتْ لَهُ الشَّمْسُ قَالَ الرَّاوِیْ: فَأَبْکَتْ وَاللّٰهِ کُلَّ عَدُوٍّ وَصَدِیْقٍ

''راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں زینبؑ بنت علیؑ کو نہیں بھول سکتا کہ جو غمناک آواز اور درد بھرے دل سے (اپنے بھائی) حسینؑ پر روتی تھیں اور فرماتی تھیں: اے محمد! آسمان کے فرشتے آپ پر سلام بھیجتے ہیں۔ یہ آپ کا حسینؑ ہے کہ خون میں غلطان ہے اور اس کے اعضاء جدا ہو چکے ہیں۔ اور یہ آپؐ کی بیٹیاں ہیں کہ جنہیں قیدی بنالیا گیا ہے پس خدا کی بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں اور محمد مصطفیٰؐ، علی مرتضیٰؑ، فاطمہ زہراؑ، حمزہ سید الشہداء سے بھی شکوہ کناں ہوں۔ اے محمد (مصطفیٰؐ) یہ حسینؑ ہے جو کربلا کے صحرا کی جانب چل پڑا ہے اور بادصبا اس کے بدن پر خاک ڈال رہی ہے۔ اسے حرام زادوں نے شہید کیا ہے۔ ہائے کتنا بڑا غم ہے اور کتنی عظیم مصیبت؟ گویا آج میرے نانا رسول خداؐ اس دنیا سے کوچ فرما گئے ہوں۔ اے اصحاب محمدؐ! یہ خاندانِ مصطفیٰؐ ہے جسے قیدی بنا کر لے جایا جا رہا ہے۔'' اور دوسری روایت میں ہے کہ (جناب زینب کبریٰؑ فرماتی تھیں) اے محمدؐ! آپ کی بیٹیاں قیدی بنالی گئیں اور آپ کے خاندان کو قتل کر دیا گیا۔ بادصبا ان کے جسموں پر خاک ڈال رہی ہے اور یہ حسینؑ ہے کہ جس کا سر پس گردن سے کاٹا گیا۔ اور عمامہ وردا لوٹ لئے گئے۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جو ایسے سفر پر نہ گیا جس سے واپس لوٹنے کی امید ہو اور نہ ایسا زخم اٹھایا کہ جو مرہم قبول کرے۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جس پر کاش میری جان بھی قربان ہو جائے۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جو دنیا

سے غم و غصہ کی حالت میں گیا۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جس نے پیاسے ہونٹوں سے جان دی۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جس کی ریش مبارک سے خون بہہ رہا تھا۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جس کے نانا محمد مصطفیٰؐ تھے۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جس کے نانا آسمانوں کے خدا کے رسولؐ تھے۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جو مظہر ہدایت کا بیٹا تھا۔ میرے بابا خدیجہ کبریٰ کے بیٹے پر قربان' میرے بابا علی مرتضیٰ کے بیٹے پر قربان، میرے بابا فاطمہؑ زہراؑ سیدۃ النساء کے بیٹے پر قربان۔ میرے بابا اس ہستی کے بیٹے پر قربان کہ جس کے لئے سورج واپس پلٹا تا کہ وہ نماز ادا کر سکے"۔

بقول میر انیس:

چلاتی تھی اے زینتِ آغوشِ پیمبرؑ　　گردن کو اٹھاؤ' بہن آئی ہے کھلے سر

آئی یہ صدا لاشِ شہؑ دیں سے مکرر　　بھائی ترے قربان ہوا اے مری خواہر

سچ ہے کہ عجب تم پہ ستم ہوتے ہیں زینبؑ

ترے لیے نیزے پہ بھی ہم روتے ہیں زینبؑ

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم (زینب عالیہؑ کے یہ بین سن کر) ہر دوست دشمن رونے لگا۔ اس کے بعد شہزادی سکینہؑ نے اپنے بابا حسینؑ کی لاش کو آغوش میں لے لیا۔

فَاجْتَمَعَتْ عِدَّةٌ مِنَ الْاَعْرَابِ حَتّٰى جَرُّوْهَا عَنْهُ.

"عربوں کا ایک گروہ آیا اور اسے باپ کی لاش سے کھینچ کر جدا کر دیا"۔

(لہوف ص ۱۳۲ اور اس عبارت میں سے تھوڑے سے حصے کو ابن نما نے مثیر الاحزان ۷۷ میں نقل کیا ہے)

جب مقتل میں پہنچے تو اہلِ بیتؑ رسالت کی نظر خاک و خون میں غلطان اپنے عزیزوں کے جسموں اور کٹے ہوئے اعضاء پر پڑی۔ آہوں کا طوفان برپا ہو گیا اور آنکھوں سے اشکوں کا

سیلاب اُمڈ آیا۔ جب ان کی نظر شہیدوں کے درمیان میں پڑے لاشہ سید الشہداء پر پڑی تو انہوں نے گریہ وشیون کی صدا بلند کی۔ اور اپنے آپ کو اونٹوں سے گرا دیا اور اپنے گریہ ونوحے سے ملائے اعلیٰ کے رہنے والوں کو بھی رُلا دیا۔ وہاں موجود لوگوں کے دل حسرت کی آگ سے جل اٹھے۔

زینب خاتونؑ نے فریاد بلند کی: "وامحمداہ" یہ برگزیدہ حسینؑ آپ کے پیارے بیٹے ہیں، جو کٹے ہوئے اعضاء کے ساتھ خاک وخون میں غلطاں ہیں، جن کو تشنہ لب، پس گردن سے ذبح کر دیا گیا اور اب بغیر عمامہ وردا کے خاکِ کربلا پر پڑے ہیں۔ آپ کا چہرۂ منور خون سے سرخ ہو چکا ہے اور ریش مبارک خون سے خضاب شدہ ہے۔

ہم آپ کی اولاد ہیں کہ جنہیں اسیر بنا لیا گیا اور ہم آپ کی بیٹیاں ہیں کہ جنہیں پکڑ کر لے جایا رہا ہے اور آپ کی حرمت کے سبب ہمارے حق میں ذرا برابر رعایت نہ کی گئی۔ ہمارے خیمے لوٹ لئے گئے اور انہیں آگ لگا دی گئی۔

اس کے بعد (زینب عالیہؑ نے) اپنی والدۂ ماجدہ جناب فاطمہ زہراؑ سے مخاطب ہو کر انہیں کربلا کے شہیدوں اور رنج ومحن میں مبتلا اسیروں کی حالت کی شکایت کی اور صحرا کے جانوروں، نیز دریا کی مچھلیوں کو آتش حسرت سے کباب کر دیا۔

پس زینب عالیہؑ نے اپنا منہ شہیدوں کے اس بادشاہ کی طرف کیا اور سوختہ جگر اور خون فشاں ہونٹوں سے کہا: اے فرزند مصطفیٰؐ، اے جگر گوشہ علی مرتضیٰؑ، اے فاطمہ زہراؑ کی آنکھوں کے نور، اے خدیجہ کبریٰؑ کے بدن کے ٹکڑے، اے آل عباء کے شہید اور اے رنج ومحن میں مبتلا لوگوں کے پیشوا میری جان آپ پر قربان!

مظلوم کربلا کی بیٹی شہزادی سکینہؑ دوڑتی ہوئی آئیں اور اپنے آپ کو والد بزرگوار کے جسد منور پر گرا دیا۔ یا سکینہؑ اپنے باباؑ کے بدن پر اپنا چہرہ ملتی تھیں اور روتی تھیں۔ حتیٰ کہ وہاں موجود سب دوست دشمن یہ منظر دیکھ کر گریہ وفغاں کرنے لگے اور اکثر روتے روتے بے ہوش ہو گئے پھر اس مصیبت زدہ (بچی) کو زبردستی امام مظلومؑ سے جدا کر دیا گیا۔ (جلاء العیون: ۴۲۰)

زینب علیاؑ کا جگر پھٹ گیا۔ حیرانگی اور مدہوشی میں نظر دوڑائی اور کہا:

أَخِيْ ، أَأَنْتَ أَخِيْي! أَأَنْتَ بْنُ أُمِّيْ وَابْنُ وَالِدِيْ!

''اے میرے بھائی' میرا بھائی تو ہے؟ میری ماں اور میرے باپ کا بیٹا تو ہے؟''

پتھروں لاٹھیوں اور ٹوٹے ہوئے نیزوں کو ہٹایا اور بھائی کی لاش کو نکال کر پہلے اپنے ہونٹ اس شہید راہِ حق کے کٹے ہوئے گلے پر رکھے اور اس جگہ کو چوما جسے نہ پیغمبرؐ نے چوما ہوگا نہ علیؑ و فاطمہؑ نے کس جگہ سے چوما؟ تمام کٹی ہوئی رگوں کو غم واندوہ کی شدت میں اپنے آپ کو بھائی کی لاش پر گرادیا اور اپنے اعضاء بھائی کے خون سے رنگین کر لئے۔ بی بی نے پُرسوز نالہ وزاری کی اور فرمایا:
اے زینبؑ کے دل کے ٹکڑے' اے میری آنکھوں کے نور' اے میرے بھائی!

لَيْتَنِيْ كُنْتُ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ عَمْيَاءَ۔

''اے کاش! میں اندھی ہوگئی ہوتی اور تم کو اس حالت میں نہ دیکھتی''۔

لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ وَلَا أَرَاكَ كَمَا أَنْتَ عَلَيْهِ لَيْتَنِيْ وُسِدْتُ الثَّرٰى

''اے کاش! تمہیں اس حال میں دیکھنے سے پہلے میں مرچکی ہوتی اور مٹی میں دفن ہوچکی ہوتی''۔ (ریاض القدس:۲/۱۸۹)

اہل بیتؑ کا ہر فرد شہید مظلومؑ سے لپٹ لپٹ کر روتا تھا۔

سکینہؑ بنت الحسینؑ نے اپنے بابا کے پارہ پارہ بدن کو آغوش میں لیا اور اپنے سینے کو مظلومؑ کے سینے پر رکھ کر ایسی نالہ وزاری کی کہ جو سنگِ خارا کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کردیتی ہے۔ شہزادی روتی تھی اور نالہ وفریاد کرتی تھی۔

عمر سعد نے حکم دیا کہ اہل بیتؑ کو قتل گاہ سے دور ہٹا دیا جائے' ظالموں نے خوف وتہدید سے اہل بیتؑ کو دور ہٹایا۔ شہزادی سکینہؑ کو باپ کی لاش سے بڑی مشکل سے جبراً جدا کیا گیا۔

سید سجادؑ کو طوق پہنایا گیا اور جب مرض کی شدت کے سبب آپ میں طاقت نہ رہی تو

آپ کے دونوں پاؤں کو اونٹ کے پیٹ کے نیچے سے ایک دوسرے سے باندھ دیا گیا کہ اونٹ کی پشت سے گرنہ پڑیں۔ اوران ہستیوں کو ترک و روم کے قیدیوں کی طرح (کوفہ) لے جایا گیا۔ (ناسخ التواریخ: ۳/۳۰)

مقتل کی بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ جناب زینب عالیہؑ نے بھائی کے جسد مبارک کو آغوش میں لیا اور اپنے ہونٹ بھائی کے کٹے ہوئے گلے پر رکھے اور بوسہ لے کر فرمایا: بھائی! اگر مجھے یہاں سے جانے یا ٹھہرنے میں اختیار ہوتا تو میں آپؑ کے پاس ٹھہرنے کو ترجیح دیتی، خواہ اس بیابان کے درندے میرا گوشت (نوچ کر) کھا جاتے۔ بھائی میں بیبیوں اور بچوں کے دفاع کے لئے باقی ہوں اور میری پشت کوڑوں کے لگنے سے سیاہ ہو چکی ہے۔ (معالی السبطین: ۲/۳۲)

جب جناب زینبؑ نے خون میں آلودہ جسدِ مبارک پر نظر کی تو بارگاہ ایزدی میں عرض کیا: خدایا! آلِ محمدؐ کی یہ قلیل سی قربانی قبول فرما۔ (الطراز المذھب (ناسخ حضرت زینبؑ): ۱/۷۵)

لٹائی تو نے حیات اور کائنات پائی
ابد تک پھیل جانے والے سلام تجھ پر
(احمد ندیم قاسمی)

روایت میں ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کو کنویں سے باہر نکالا گیا تو مصر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ راستے میں آپ کا گزر اپنی ماں کی قبر کے پاس سے ہوا۔ جونہی یوسفؑ کی نظر اپنی ماں کی قبر پر پڑی ماتھے سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ آپ نے خود کو اونٹ سے گرا دیا اور ماں کی قبر پر بیٹھ کر اپنے بچپن کو یاد کرنے لگے کہ کس طرح ماں کی آغوش میں ہوتے تھے اور اب اونٹ پر سوار کر کے شہر بہ شہر پھرایا جا رہا ہے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور آپ نے فریاد بلند کی:

یَا أُمَّاهُ ، اِرْفَعِیْ رَأْسَكِ وَانْظُرِیْ فِیْ اِبْنِكِ ۔

"اے مادر گرامی! قبر سے سر نکال کر اپنے بیٹے کے حالِ زار پر نظر کیجئے"
(کہ راہِ خدا میں دنیا کے مصائب میں گرفتار ہے)

جب سید الساجدین مقتل میں سے گزرے ہوں گے اور باپؑ کے لاشے کو زمین پر پڑا دیکھا ہوگا تو آپؑ پر کیا گزری ہوگی۔ کیا آپ کو وہ زمانہ نہ یاد آیا ہوگا جب بابا آپؑ کو آغوش میں بٹھا کر چومتے تھے اور اب اس بیماری' اسیری اور ذلت میں گرفتار ہیں۔ نہیں اللہ کی قسم! نہیں! سید الساجدینؑ اپنے آپ سے بے فکر تھے بلکہ آپ تو یہ یاد کر رہے تھے کہ وہ بدن جو دوشِ رسول پر جگہ پاتا تھا۔ وہ بغیر غسل وکفن کے عریاں و برہنہ زمین پر پڑا ہے اور کوئی اس کی خبر گیری تک کے لئے نہیں آیا۔ یہ سوچ کر آپ کی حالت اس قدر خراب ہوگئی کہ جیسے ابھی جان بدن سے نکلنے والی ہو۔ (مہیج الاحزان/۲۷۵)

مورخین نے تحریر کیا ہے حضرت حمزہؑ سید الشہداء کی بہن صفیہ نے جب ان کے بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو چاہا کہ اپنے بھائی کی لاش پر پہنچیں۔ رسولؐ خدا نے ان کے بیٹے زبیر سے فرمایا: دوڑ کر جاؤ اور اپنی ماں کو روکو تا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو اس حالت میں نہ دیکھیں۔

زبیر نے اپنی ماں سے کہا: امی جان! رسولؐ خدا نے حکم دیا ہے کہ آپ واپس چلی جائیں۔ صفیہ نے کہا: کس لئے؟ میں نے سنا ہے کہ میرے بھائی حمزہ کو شہید کر دیا گیا اور اس کے بعد ان کا مثلہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا پیٹ بھی پھاڑ دیا ہے اور میں جانتی ہوں کہ یہ سب راہِ خدا میں ہوا ہے اور راہ خدا میں یہ سب (قربانی) قلیل ہے۔ ان شاء اللہ میں صبر کروں گی۔

زبیر واپس آئے اور رسول خدا کو اپنی والدہ کی بات پہنچائی (کہ انہوں نے صبر سے کام لینے کا وعدہ کیا ہے)، تب آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی اور صفیہ بھائی کی لاش پر پہنچیں۔ اور تاریخ میں یہ بھی منقول ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت حمزہؑ کی لاش کو ڈھانپ دیا۔ حتیٰ کہ پاؤں کو بھی ننگا نہ چھوڑا کہ صفیہ اپنے بھائی کو اس حالت میں نہ دیکھیں۔

اور جب واپس لوٹیں تو صفیہ میں تاب شکیبائی نہ رہی۔ اپنے عزیزوں کو دیکھا تو رو دیں اور رسولؐ خدا نیز حضرت فاطمہ زہراؑ بھی اس کے رونے پر گریہ کناں ہوگئے۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

لَنْ أُصَابَ بِمِثْلِكَ أَبَدًا۔

"میں اس طرح مصیبت زدہ کبھی نہ ہوا تھا"۔

(اب تصور کیجئے کہ) زینبؑ بنت علیؑ کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اللہ ہی جانتا ہے! اول تو کوئی ان کی دلداری کے لئے موجود نہ تھا۔ نہ باپ، نہ ماں' نہ بھائی۔ ثانیاً جب آپ نے لاش برادر کو دیکھا تو جسم اقدس کی کوئی جگہ صحیح و سالم نہ تھی۔ اور لاش مطہر پتھروں' لاٹھیوں' نیزوں اور تلواروں میں ڈھکی ہوئی تھی۔ بنت علیؑ نے بے اختیار فرمایا:

أَأَنْتَ اَخِیْ! أَأَنْتَ ابْنُ اُمِّیْ.

"کیا میرا بھائی حسین تو ہے؟ کیا میرا ماں جائے تو ہے؟"

اب بجائے اس کے کہ کوئی تسلیت کو آتا (ظالموں نے مظلوم حسینؑ کی مظلوم بہن کو) تازیانوں اور نیزوں سے بھائی کی لاش سے ہٹا دیا۔ یہ بھی منقول ہے کہ رسولؐ خدا نے اپنی پھوپھی جناب صفیہ کے حق میں فرمایا تھا:

اِنِّیْ اَخَافُ عَلٰی عَقْلِهَا' فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰی صَدْرِهَا فَدَعَالَهَا.

"میں اپنی پھوپھی کی عقل پر خوفزدہ ہوں۔ آپ نے اپنا دست مبارک اس بی بی کے سینے پر رکھا" اور ان کے لئے دعا فرمائی:

قیاس کیجئے اُم المصائب زینب بی بیؑ پر کیا حالت گزری ہوگی۔ آسمان و زمین ان کے مصائب پر رو دیئے ہوں گے۔ حضرت حجتؑ ہر روز ان مصائب کا تذکرہ کر کے خون کے آنسو روتے ہیں۔

ان تمام مصائب کے باوجود مخدرۂ عصمت وعفت اپنے فرائض سے غافل ہرگز نہ تھیں۔ ابن قولیہؒ کے ایک شاگرد نے امام سجادؑ سے سند معتبر کے ساتھ روایت کی ہے کہ آپ نے زائدہ سے فرمایا:

روز عاشور ہم پر ایسے ایسے مصائب و آلام وارد ہوئے کہ میرے بابا' اپنے بیٹوں' بھائیوں اور تمام اہل بیتؑ کے ہمراہ شہید کر دیئے گئے اور حرم حسینؑ کی محترم بیبیوں کو بے پالان اونٹوں پر سوار کیا گیا' میں نے اپنے بابا اور دیگر تمام شہداء کے جسموں کو خون میں غلطان عریاں

حالت میں خاک پر پڑے پایا کہ کسی نے ان کو دفن نہ کیا تھا۔ مجھ پر یہ صورت حال بہت گراں گزری اور میں اس قدر غمزدہ ہوا کہ نزدیک تھا کہ روح بدن سے پرواز کر جائے۔ میری پھوپھی زینبؑ نے جب مجھے اس حال میں دیکھا تو فرمایا:

مَالِی اَرَاکَ تَجُودُ بِنَفسِکَ یَابَقِیَّۃَ جَدِّی وَاَبِی وَاِخوَتِی!

''میں تمہیں کس حالت میں مشاہدہ کر رہی ہوں۔ اے میرے نانا' بابا اور بھائی کی نشانی' میں تمہیں اس حالت میں دیکھ رہی ہوں کہ جیسے تم اپنی جان' جانِ آفرین کے سپرد کرنے والے ہو''۔

میں نے کہا: پھوپھی جان! میں کس طرح بے چین اور زندگی سے دستبردار نہ ہوں جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے بھائی' میرے چچا اور چچا زاد نیز دیگر افراد خاندان خون میں غلطان اس بیابان میں پڑے ہیں۔ نہ انہیں کفن پہنائے گئے ہیں اور نہ سپرد خاک کیا گیا ہے اور نہ کوئی ان کے سرہانے آیا ہے اور نہ کوئی انسان ان کے پاس موجود ہے۔ گویا ہم دیلم وخزر میں سے ہیں (یعنی ہمیں مسلمان تک نہیں سمجھا گیا)

میری پھوپھی زینبؑ نے کہا: جو کچھ نظر آ رہا ہے اس سے بے تاب نہ ہوں' خدا کی قسم یہ ایک عہد تھا جو رسولؐ خدا نے آپؑ کے جد امجد' والد گرامی اور چچا جان سے لیا تھا اور رسولؐ خدا نے ان میں سے ہر ایک کے مصائب کی انہیں خبر دی تھی اور خدائے متعال نے اس امت کے تمام لوگوں سے عہد و پیمان لیا تھا کہ اس زمین کے فرعون منشوں میں سے کوئی انہیں نہیں پہچانے گا۔ لیکن معروف اہل آسمان ان پارہ پارہ جسموں کو جمع کر کے سپرد خاک کریں گے اور تمہارے بابا کی قبر پر نشان بنائیں گے تاکہ ہمیشہ باقی رہے اور مرور زمانہ سے محو نہ ہونے پائے' (اور اطراف عالم) سے لوگ وہاں آئیں گے۔ اور ان کی زیارت کریں گے) اور ہر چند کفر کے پیشوا (سلاطین جور اور ان گمراہ شدہ لوگوں کے پیروؤں کو مٹانے کی کوشش کریں گے لیکن ان کا اثر روشن تر ہوتا جائے گا۔ اور روز بہ روز بڑھتا چلا جائے گا۔ (کامل الزیارت/۲۶۰ ب ۸۸ ح ۱)

کفعمیؒ نے جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب میرے بابا

شہید ہو گئے تو میں نے ان کے بدن نازک کو آغوش میں لیا۔ میں بے ہوش ہو گئی۔ میں نے اس حالت میں سنا کہ میرے بابا فرماتے تھے:

شِیعَتِی مَا اِنْ شَرِبْتُمْ رَیَّ عَذْبٍ فَاذْکُرُوْنِی
اَوْ سَمِعْتُمْ بِغَرِیْبٍ اَوْ شَھِیْدٍ فَانْدُبُوْنِی

"اے میرے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پیو تو مجھے ضرور یاد کرنا اور جب کسی غریب یا شہید کا نام سنو تو مجھ پر گریہ وندبہ کرنا"۔

پس شہزادی خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھی۔ شہزادی کی آنکھیں رو رو کر زخمی ہو گئیں اور وہ اپنے رخساروں پر پیٹ رہی تھی اس اثنا میں ہاتف غیبی کی آواز سنائی دی:

بَکَتِ الْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ عَلَیْهِ
بِدُمُوْعٍ غَزِیْرَةٍ وَ دِمَاءِ
یَبْکِیَانِ الْمَقْتُوْلَ فِی کَرْبَلَا
بَیْنَ غَوْغَاءِ اُمَّةٍ اَدْعِیَاءِ
مُنِعَ الْمَاءُ وَھُوَ مِنْهُ قَرِیْبٌ
عَیْنُ اَبْکِی الْمَمْنُوْعَ شُرْبَ الْمَاءِ

"آسمان و زمین اس پر خون کے آنسو بہاتے ہیں اور اس پر گریہ کناں ہیں جو کربلا میں بدذات و بدنہاد لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔
اس پر پانی بند کر دیا گیا حالانکہ پاس ہی پانی (فرات) بہہ رہا تھا۔ اے آنکھ! اس پر آنسو بہا جسے پانی پینے سے منع کر دیا گیا"۔ (مصباح کفعمی ۱۴۱/۷ فصل خطبات)

اور ایک دیگر روایت کے مطابق: حضرت سکینہؑ نے اپنے آپ کو لاشۂ امامؑ پر گرا دیا اور گریہ و فریاد کرتے ہوئے شہزادی پر غشی کی حالت طاری ہو گئی۔ وہ فرماتی ہیں، میں نے غشی کی حالت میں سنا کہ میرے بابا فرما رہے تھے:

شِیْعَتِی مَا اِنْ شَرِبْتُمْ مَاءَ عَذْبٍ فَاذْکُرُوْنِی
اَوْسَمِعْتُمْ بِغَرِیْبٍ اَوْشَهِیْدٍ فَانْدُبُوْنِی
وَاَنَا السِّبْطُ الَّذِیْ مِنْ غَیْرِ جُرْمٍ قَتَلُوْنِی
وَبِجُرْدِ الْخَیْلِ بَعْدَ الْقَتْلِ عَمْدًا سَحَقُوْنِی
لَیْتَکُمْ فِی یَوْمِ عَاشُوْرَا جَمِیْعًا تَنْظُرُوْنِی
کَیْفَ اَسْتَسْقِیْ لِطِفْلِیْ فَاَبَوْا اَنْ یَرْحَمُوْنِی
وَسَقَوْهُ سَهْمَ بَغْیٍ عِوَضَ الْمَاءِ الْمَعِیْنِ
یَالَرُزْءٍ وَمُصَابٍ هَدَّا اَرْکَانَ الْحَجُوْنِ
وَیْلَهُمْ قَدْ جَرَحُوْا قَلْبَ رَسُوْلِ الثَّقَلَیْنِ
فَالْعَنُوْهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ شِیْعَتِیْ فِی کُلِّ حِیْنٍ

"اے میرے شیعو! جب بھی ٹھنڈا پانی پیو تو مجھے ضرور یاد کرنا اور جب بھی کسی غریب یا شہید کا نام سنو تو میری غربت وشہادت پر ندبہ وگریہ کرنا۔ میں تمہارے پیغمبرؐ کا بیٹا ہوں جسے بے جرم وخطا شہید کر دیا گیا۔ اور قتل کرنے کے بعد میرے جسم کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا گیا' حتیٰ کہ میری ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔

کاش تم روز عاشور موجود ہوتے تو دیکھتے کہ میں کس طرح اپنے بچوں کے لئے پانی طلب کرتا تھا۔ لیکن (ملعون) مجھ پر رحم نہیں کرتے تھے اور مجھے پانی نہیں دیتے تھے۔ بلکہ پانی کے عوض انہوں نے میرے (شیرخوار بچے (علی اصغرؑ) کے گلے پر تیر مارا۔ اس مصیبت پر انصاف کہ ان ظالموں نے کعبہ اور ہدایت کے ستونوں کو منہدم کر دیا۔ اس گروہ پر افسوس کہ جس نے جن وبشر کے رسولؐ کے دل کو زخمی کر دیا اے میرے شیعو! ہر وقت جس قدر ہو سکے ان پر لعنت کرتے رہنا"۔

راوی کہتا ہے: سکینہؑ ہوش میں آئیں تو نہایت غم زدہ تھیں۔ وہ اپنے رخساروں پر پیٹتی تھیں اور نوحہ و بین کرتی تھیں۔ پس کچھ ظالم آئے اور انہوں نے اسے کھینچ کر باپ کے لاشے سے کر جدا کر دیا۔ (مہیج الاحزان /۲۸۶م ۱۱ وقائع الایام خیابانی /۱۱۴ میں دمعۃ الساکبہ سے منقول ہے)

روایت میں ہے کہ امام حسینؑ کی چھوٹی بیٹی باپ کے لاشے کے پاس بیٹھ کر شاید باپ کو سونگھتی اور چومتی تھی' اور باپ کی انگلیوں کو اپنے دل پر رکھتی تھی اور کبھی آنکھوں پر پھیرتی تھی۔ اور اپنے بابا کے خون کو اپنے بالوں اور چہرے پر ملتی تھی اور کہتی تھی:

اے بابا! آپ کی شہادت نے شماتت کرنے والوں کی آنکھوں کو روشن کر دیا اور دشمن خوش ہو گئے ہیں۔ بابا! بنو امیہ نے مجھے یتیمی کا لباس پہنا دیا ہے۔ بابا جان! جب تاریک رات ہو گی تو میں کس کی پناہ لوں گی' اور اگر پیاسی ہوں گی تو مجھے کون سیراب کرے گا؟

بابا جان! میرے گوشوارے اور میری ردا لوٹ لی گئی۔

يَا أَبَتَاهُ ، أَتَنْظُرُ إِلَى رُؤُوسِنَا الْمَكْشُوفَةِ وَإِلَى أَكْبَادِنَا الْمَلْهُوفَةِ وَإِلَى عَمَّتِيَ الْمَضْرُوبَةِ وَإِلَى أُمِّيَ الْمَسْجُونَةِ۔

"بابا! کیا آپ ہمارے ننگے سروں اور غمزدہ دلوں کو دیکھ رہے ہیں۔ میری پھوپھی کو تازیانے مارے گئے اور میری ماں کو قیدی بنا لیا گیا"۔

راوی کہتا ہے کہ اس بچی کا گریہ و ندبہ سن کر (سب کی) آنکھیں اشکبار ہو گئیں"۔ (مقتل جامع مقرم: ۲/۷۰)

قیامت اس وقت برپا ہوئی جب ان بے رحم بدوؤں نے بیبیوں کو شہداء کے لاشوں سے جدا کر دیا اور وہ مقتولین کے درمیان دوڑتے تھے۔ مخدراتِ عصمت نے شہداء پر گریہ ختم کیا اور ننگے پاؤں روانہ ہو گئیں۔ مظلوم سکینہؑ جس نے اپنے بابا کے لاشے کو آغوش میں کھینچ رکھا تھا' اسے بابا سے جدا کرنے کی کوشش کی گئی مگر وہ نہ اٹھی۔ ان بے رحم ظالموں کے ایک گروہ نے جس میں شمر بھی شامل تھا مظلوم شہزادی کے سر پر مارنا شروع کیا۔ اور اس کے لباس کو پکڑ پکڑ کر کھینچا۔ انہوں نے

جو بھی ظلم کیا سکینہؑ باپ کے لاشے سے نہ اٹھی۔ ان ظالموں نے مظلوم شہزادی کو تازیانے مارنے شروع کر دیئے۔ شہزادی پھر بھی نہ اٹھی۔ البتہ اپنی پھوپھیوں' بہنوں اور کنیزوں سے امداد طلب کی۔ زینب عالیہؑ نے سفارش کی مگر ان لعینوں نے ایک نہ سنی اور ظلم و ستم اور قہر و غضب سے بچی کو باپ کے لاشے سے جدا کر دیا۔ (ریاض القدس: ۲/۱۹۱)

ای خصم بدمنش تو مزن تازیانہ ام
من از کنار کشتہ بابا نمی روم
از سایہ محبت این مہربان پدر
با کعب نیزہ در تف گرما نمی روم
من با علی اکبرؑ و عباسؑ آمدم
از این دیار بیکس و تنہا نمی روم
تنہا بہ روی خاک چنین ماندہ بے کفن
در شام و کوفہ ہمرہ سرہا نمی روم
سیلی مزن بہ صورتم ای شمر بی حیا
من بی علی اکبرؑ و لیلا نمی روم

"اے بدنما دشمن! تو مجھے تازیانے نہ مار۔ میں اپنے بابا کے لاشے سے نہیں ہٹوں گی۔ میں اپنے مہربان باپ کے سایۂ محبت سے نیزے کی انی اور گرمی کی شدت کے سبب بھی جدا نہیں ہوں گی۔ میں علی اکبرؑ اور عباسؑ کے ساتھ آئی تھی اس دیار سے بے کسی و تنہائی میں (کہیں) نہیں جاؤں گی۔ میں ان لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر سروں کے ہمراہ شام نہیں جاؤں گی۔ اے بے حیا شمر! میرے منہ پر تھپڑ مت مار میں علی اکبرؑ اور لیلیٰ کے بغیر نہیں جاؤں گی"۔

نبریدم کہ در این دشت مرا کاری ست
گرچہ گل نیست ولی صفحہ گلزاری ہست
ساربانا نزنید انھمہ آواز رحیل
آخر این قافلہ را قافلہ سالاری ہست
اے پدر ھیچ نمی پرسی کاندر چمنت
بال و پر سوختہ ومرغ گرفتاری ھست
دشمنان خیرہ و من بیکس وبی یارو غریب
ہر طرف می نگرم کافرو خونخواری ھست

"مجھے مت لے جاؤ کہ مجھے اس دشت میں ایک کام ہے۔ اگرچہ یہاں پھول نہیں ہیں، لیکن یہ (دشت) ایک صفحہ گلزار ہے۔
ابھی تو ساربان نے قافلے کے چلنے کی گھنٹی بھی نہیں دی، آخر اس کارواں کے ساتھ ایک قافلہ سالار بھی موجود ہے۔
اے بابا! آپ کے اس چمن میں کوئی میرا پرسان حال نہیں، میرے بال و پر جل چکے ہیں اور میں قیدی پرندہ ہوں۔
دشمن (دشمنی میں) اندھے ہیں اور میں بے کس، بے یارومددگار اور غریب الوطن ہوں۔ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہوں کافر اور خون خوار ہی دکھائی دیتے ہیں"۔

عبداللہ بن سنان اپنے باپ سے نقل کرتا ہے کہ میرے باپ نے کہا: عمر سعد نے حکم دیا کہ بیبیوں کو سوار کرو۔ اونٹ حرم رسولؐ کے قریب لائے گئے، اور وہ لعین قافلہ حسینی کی خواتین اور بچوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے تھے اور کہتے تھے ابن سعد کا حکم ہے کہ سوار ہو جاؤ۔
جناب زینبؑ نے جب یہ منظر دیکھا تو ندا بلند کی۔

سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَكَ يَابْنَ سَعْدٍ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، تَأْمُرُ هٰؤُلَاءِ

الْقَوْمَ بِاَنْ يُرَكِّبُونَا وَنَحْنُ وَدَائِعُ رَسُوْلِ اللّٰهِ! فَقُلْ لَهُمْ: يَتَبَاعَدُوْنَ عَنَّا يُرَكِّبُ بَعْضُنَا بَعْضاً.

"اے ابن سعد! خدا دنیا و آخرت میں تیرا چہرہ سیاہ کرے' تم نے ان ظالموں کو حکم دیا کہ ہمیں سوار کرائیں' حالانکہ (تو جانتا ہے) کہ ہم رسولؐ خدا کی امانتیں ہیں۔ ان سے کہو: ہم سے دور ہو جائیں' ہم خود ہی سوار ہو جاتے ہیں"۔

عمر سعد نے کہا: ان سے دور ہٹ جاؤ۔ بی بی زینبؑ اور بی بی ام کلثومؑ آگے بڑھیں اور ہر بی بی کو اس کے نام سے آواز دی اور سوار کرایا۔ جب بھی بیبیاں سوار ہو گئیں اور حضرت زینبؑ کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا تو آپ نے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی لیکن جناب زین العابدینؑ کے علاوہ کسی کو نہ پایا' جو کہ بیمار بھی تھے۔ وہ زینب عالیہؑ کے پاس آئے اور فرمایا: پھوپھی جان! آپ سوار ہو جائیں اور مجھے ان لوگوں پر چھوڑ دیں۔

زینب عالیہؑ نے حکم امامؑ کی مخالفت نہ کی اور اپنے اونٹ کی طرف بڑھیں۔ دائیں' بائیں نگاہ دوڑائی تو ریگ صحرا پر پڑے لاشوں اور دشمنوں کے ہاتھوں میں نیزوں پر سوار سروں کے علاوہ کسی کو نہ پایا۔ بی بی نے نالہ و فریاد بلند کرتے ہوئے کہا:

وَاغُرْبَتَاهُ ' وَااَخَاهُ ' وَاحُسَيْنَاهُ ' وَاعَبَّاسَاهُ ' وَارِجَالَاهُ ' وَاضَيْعَتَاهُ بَعْدَكَ يَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ

"ہائے غریب' ہائے میرا بھائی' ہائے میرا حسینؑ' ہائے میرا عباسؑ' ہائے جوانانِ بنو ہاشمؑ' ہائے اے ابا عبداللہ! آپ کے بعد ہماری بربادی"۔

راوی کہتا ہے: جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے ان خواتین عصمت کا حجاز میں عزت و رفعت اور عظمت و جلالت سے گھر سے باہر نکلنے کا وہ زمانہ یاد آ گیا اور میں ان کے حالِ زار پر رو دیا۔

پھر کہتا ہے: جب امام زین العابدینؑ نے یہ منظر دیکھا تو باوجود اس کے وہ بیماری کے

جب خود پر قابو نہ رکھتے تھے۔ کمزوری سے لرزتے ہوئے اپنا عصا اٹھایا' اس کا سہارا لیا اور پھوپھی زینب کی طرف چلے۔ بیمار نے اپنا زانو خم کیا اور فرمایا: پھوپھی جان! سوار ہو جاؤ کہ میرا دل ڈوب رہا ہے اور میرا غم اور بڑھ رہا ہے۔ جب بیمار (امامؑ) نے چاہا کہ اس مخدرۂ عصمت کو اونٹ پر سوار کرائیں تو کمزوری سے لرزہ براندام ہوئے اور زمین پر گر پڑے۔

شمر لعین نے جب یہ دیکھا تو آگے بڑھا اور آپ کو تازیانہ مارا۔ بیمار کربلا نے ممانعت کی۔ (البتہ تذکرۃ الشہداء ۳۸۱ پر ابو اسحاق اسفرائینی نے نقل کیا ہے کہ شہداء کے سر عمر سعد لعین کے ساتھ ہی کوفہ میں پہنچے)

وَاجَدَّاہُ ' وَامُحَمَّدَاہُ ' وَاعَلِیَّاہُ ' وَاحَسَنَاہُ ' وَاحُسَیْنَاہُ

"ہائے میرے نانا' ہائے محمد (مصطفیٰ)، ہائے علی (مرتضیٰ)، ہائے حسن (مجتبیٰ)، ہائے حسین (شہید کربلا)"۔

زینب عالیہؑ نے روتے ہوئے فرمایا:

وَیْلَکَ یَاشِمْرُ ' رِفْقًا بِیَتِیْمِ النُّبُوَّۃِ ' وَسَلِیْلِ الرِّسَالَۃِ، وَحَلِیْفِ التُّقٰی ' وَتَاجِ الْخِلَافَۃِ

"وائے ہو تم پر شمر! خاندانِ نبوت کے یہ یتیم' جانشینِ رسالت، تاج دارِ خلافت اور صاحب تقویٰ ہستی ہیں، ان سے نرمی سے پیش آؤ"۔

مر گیا شمر ظلم ڈھانے سے
شاہ زندہ ہیں سر کٹانے سے
کتنی تاریک ہوگئی دنیا
چاند زہراؑ کا ڈوب جانے سے

(احمد شریف)

بی بی نے یہ فرما کر شمر لعین کو بیمار کربلا سے دور کیا ہی تھا کہ ایک بوڑھی حبشن کنیز آگے بڑھی اور زینبؑ عالیہ کو سوار کرایا۔ راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ آواز آئی: میں

طہ زہرا کی کنیز فضہ ہوں۔

بعدازاں امام سجادؑ کو ایک کمزور و لاغر اونٹ پر سوار کیا گیا۔ امامؑ ضعف کی شدت کے سبب سواری پر قادر نہ تھے۔ جب ابن سعد کو اس بات کی خبر دی گئی تو اس حرام زادے نے کہا: ان کے پاؤں اونٹ کے پیٹ کے نیچے باندھ دو۔ چنانچہ ان لعینوں نے ایسے ہی کیا اور انہیں اس طرح سفر پر روانہ کیا گیا۔ (معالی السبطین ۵۴/۲)

بزرگوں کے اخبار و گفتار سے اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت عصمتؑ دو دفعہ مقتل میں تشریف لائے۔ ایک بار سید الشہداءؑ کی شہادت کے بعد' جس وقت گھوڑا بغیر سوار کے خیام میں آیا جس کا ذکر زیارت ناحیہ میں بھی ہے۔

اِلٰی مَصْرَعِكَ مُبَادِرَاتٍ

''یعنی آپ کے مقتل کی طرف دوڑیں''۔

اور دوسری بار گیارہ محرم کو اس وقت کہ جب انہیں قیدی بنا کر کوفہ لے جایا گیا۔ مرحوم سید بن طاؤس وغیرہ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ انہوں نے خود ہی خواہش کی تھی کہ ہمیں مقتل سے گزار کر لے جایا جائے۔

یہ مفہوم جو چند صفحے پہلے بھی ریاض القدس کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ شمر ملعون نے سکینہؑ کو بابا کے لاشہ سے ہٹانے کے لئے اس مظلومہ کو تازیانہ مارا۔ ارشاد اور لہوف کے حوالے سے گزشتہ فصل میں گزرنے والے مفہوم سے کہ عمر سعد ملعون نے شہداء کے سروں کو شمر اور قیس بن اشعث کی ہمراہی میں کوفہ روانہ کر دیا تھا۔ تضاد رکھتا ہے۔

maablib.org

شہدائے کربلا کی تدفین

مرحوم شیخ مفیدؒ تحریر فرماتے ہیں: جب ابن سعد (ملعون) نے کربلا سے کوچ کیا تو بنی اسد کے ایک گروہ نے' جو اس وقت غاضریہ میں موجود تھا' جب محسوس کیا کہ اب ابن سعد اور اس کا لشکر کربلا سے جا چکے ہیں تو وہ امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کے اجساد مطہر کے پاس آیا۔ ان پر نماز جنازہ پڑھی اور انہیں اس ترتیب سے کہ جہاں اب امام حسینؑ کی مرقد مبارک ہے وہاں آپ کو اور آپؑ کے پائے مبارک کے پاس آپ کے فرزند علی اصغرؑ کو دفن کیا۔

دیگر شہیدوں کی تدفین کے لئے جس میں آپ کے خاندان اور یار و انصار شامل تھے اور آپ کے اردگرد زمین کربلا پر پڑے تھے' آپؑ کے پاؤں میں ایک گڑھا (گودالی) کھود کر سب کو وہاں لا کر دفن کر دیا۔ عباسؑ بن علیؑ کو جس جگہ وہ شہید ہوئے یعنی غاضریہ کے راستے میں جہاں اب ان کی مرقد مبارک ہے دفن کیا گیا۔ (ارشاد: ۲/۱۱۸)

مرحوم عماد الدین طبری رقم طراز ہیں: جب عمر سعد ملعون کربلا سے چلا گیا تو بنی اسد کا قافلہ کہیں سے کوچ کر کے آ رہا تھا۔ جب اہلِ قافلہ کربلا پہنچے اور یہ صورت حال ملاحظہ کی تو انہوں نے امام حسینؑ کو دفن کیا۔ اور علی بن الحسینؑ کو ان کے پائے مبارک میں دفن کیا۔ جب کہ حضرت عباسؑ (علمدار) کو دریائے فرات کے کنارے' جہاں انہوں نے جام شہادت نوش کیا تھا دفن کیا گیا۔ باقی تمام شہداء کے لئے ایک (ہی) قبر کھودی گئی اور تمام کو اس میں رکھ دیا گیا۔ اور حر بن یزید کو ان کے نزدیک جس جگہ انہیں شہید کیا گیا تھا دفن کیا گیا۔

یہ امر معین نہیں ہے کہ ہر ایک شہید کی قبر کہاں ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ امام عالی مقامؑ کے پاؤں کی طرف یا حائر میں تمام (شہداء) کے تمام دفن ہیں۔ مگر یہ کہ علی اصغرؑ امام

کے پاؤں کے قریب تر دفن ہیں' اور بنی اسد دوسرے قبائل عرب پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم نے حسین علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھی اور ہم نے امام اور ان کے اصحاب کو دفن کرنے میں شرکت کی۔ (کامل بہائی: ۲/ ۲۸۷)

مورخین نے اس جگہ کا ذکر نہیں کیا کہ امام سجادؑ اپنے والد گرامی اور دیگر تمام شہدائے کرام کی تدفین کے وقت موجود تھے اور بعض کا خیال ہے کہ چونکہ آپؑ اس وقت دشمن کے اسیر تھے لہٰذا یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ کربلا آتے اور اپنے پدر بزرگوار کو دفن فرماتے۔ لیکن علمائے امامیہ کی نقل کردہ صحیح احادیث۔ (نفس المہموم/ ۳۸۹)

بحارالانوار: ۲۲/ ۵۱۳باب وفاتہؑ ح ۱۳' ج ۲۷/ ۲۸۸تا۲۹۱باان الامام لایکفنہ ولا یدفنہ الاالامام وج ۴۵/ ۲۳۰و) میں ہے کہ امام کے غسل وکفن اور دفن کا متصدی کسی دوسرے امام کے لئے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ امام سجاد علیہ السلام سیدالشہداءؑ کی تدفین کے لئے کربلا تشریف لائے تھے اور (اعجاز امامت سے) امامؑ کے لئے یہ کار آسان ہے اگرچہ بظاہر وہ دشمن کی قید میں تھے۔ اس کے علاوہ بھی امام حسینؑ کی تدفین امام سجادؑ کے ہاتھوں ہونے کے بارے میں بہت سی روایات منقول ہیں۔ اس سلسلے میں کتب احادیث کی طرف رجوع فرمائیں۔ البتہ ہم ان میں سے چند ایک احادیث درج کئے دیتے ہیں۔

احتجاج رضاؑ جو کہ واقفیہ (فرقہ) پر لکھی گئی کتاب میں ہے کہ علی بن حمزہ نے امام رضاؑ پر اعتراض کیا کہ آپ کے آباؤ اجداد سے ہمارے لئے روایت کی گئی ہے کہ امام کے جنازے کا متصدی امام کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ (چونکہ واقفیہ امام رضاؑ کی امامت کے منکر تھے اور حضرت موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے وقت آپؑ مدینہ میں تھے جب کہ امام کا جنازہ ہارون کے متعین کردہ لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔ اس کی مراد یہ تھی کہ اگر حضرت رضاؑ امام تھے تو وہ اپنے بابا کے کفن دفن میں شرکت کرتے اور چونکہ آپؑ نے شرکت نہیں فرمائی اس لئے امام نہیں تھے۔

آٹھویں امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: مجھے بتاؤ کہ حسینؑ بن علیؑ امام تھے یا نہیں تھے؟ اس نے جواب دیا کہ امام تھے۔

حضرتؑ نے فرمایا: ان کی تدفین کا متصدی کون تھا؟ اس نے کہا: علی بن الحسینؑ۔
امام رضاؑ نے فرمایا: علیؑ بن الحسینؑ (اس وقت) کہاں تھے؟ کیا وہ کوفہ میں ابن زیاد کی قید میں نہ تھے؟

اس نے کہا: علیؑ بن الحسینؑ خفیہ و پوشیدہ (اعجاز امامت سے) وہاں سے نکلے اور انہیں کچھ خبر ہی نہ ہوئی۔ آپ کربلا پہنچے اور اپنے باپ کے اُمور تدفین کے متولی بنے۔
امام رضاؑ نے اس سے فرمایا: وہ ذات کہ جس نے علی بن الحسینؑ کو یہ قدرت عطا کی کہ جس سے وہ (کوفہ سے) کربلا پہنچے اور اپنے والد گرامی کی تدفین کے متولی بنے۔ کیا وہ اس کام کے ذمہ دار کو (یعنی مجھے) یہ قدرت عطا نہیں کر سکتا تھا کہ مدینے سے بغداد پہنچے اور اپنے بابا کی تدفین کا متصدی قرار پائے' جو نہ زندان میں تھا اور نہ اسیر۔ (رجال کشی: ۲/۷۶۴ ضمن ح ۸۸۳' بحار الانوار: ۴۸/۲۷۰ نفس المہموم/۳۸۹)

اس حدیث سے نہ صرف اس بات کی صراحت ہوتی ہے کہ امام کو امام ہی دفن کر سکتا ہے بلکہ ہم امام حسینؑ کی تدفین کے قضیے کی امام سجادؑ کے ہاتھوں انجام دہی تک بھی رسائی حاصل کرتے ہیں۔ یہ امر اس قدر مشہور تھا کہ علی بن حمزہ تک بھی اس کا معترف تھا۔
شیخ صدوقؒ اور شیخ طوسیؒ نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ایک صبح حضرت اُم سلمہؓ کو روتے ہوئے دیکھا گیا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: کل رات میرا بیٹا حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔ چونکہ میں نے رسولِ خداؐ کو ان کی رحلت سے لے کر آج تک خواب میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن کل رات میں نے انہیں نہایت رنجیدہ اور دل شکستہ حالت میں دیکھا ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! آپ اس قدر محزون اور گریاں کیوں نظر آ رہے ہیں؟ فرمایا: میں کل سے لے کر آج تک حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے لئے قبریں کھودنے میں مصروف رہا ہوں۔ (بحار الانوار: ۴۵/۲۳۰ ب ۴۲ ح ۱' نفس المہموم/۳۹۰)
یہ حدیث مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ رسول خداؐ نے بھی سید الشہداءؑ کی تدفین میں شرکت کی تھی۔

مرحوم ملا باقر بہبہانی نے بعض معتبر کتب سے روایت کی ہے کہ جب عمر سعد نے کربلا کی طرف کوچ کیا اور (اہل بیتؑ کے) قیدیوں اور شہداء کے سروں کو کوفہ لے گئے۔ تب قبیلہ بنی اسد نے فرات کے کنارے خیمے لگا رکھے تھے۔ ان کی خواتین باہر نکلیں تاکہ پانی لے کر آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ فرات کے کنارے اور فرات سے دور تک کچھ لاشیں خاک پر پڑی ہیں۔ ان کے درمیان میں ایک ایسی لاش ہے جو سب لاشوں سے زیادہ منور اور عطر بیز ہے۔

ان خواتین نے نالہ وفریاد کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! یہ تو حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ کی لاشیں ہیں۔ وہ نالہ وفریاد کرتی ہوئیں اپنے خیموں کی طرف واپس پلٹ گئیں اور کہنے لگیں: اے بنی اسد! تم (آرام سے) بیٹھے ہوئے ہو اور حسینؑ اور اہل بیت حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی لاشیں قربانی کے جانوروں کی طرح صحرا کی ریت پر پڑی ہیں۔ اور ہوا ان کے جسموں پر خاک ڈال رہی ہے۔ اگر تمہیں ان سے محبت وموالات ہے تو آؤ ان کو دفن کرو ورنہ ہم خود دفن کریں گی۔

وہ کہنے لگے: ہم ابن زیاد اور ابن سعد سے ڈرتے ہیں کہ ہم پر لشکر کشی نہ کردیں اور ہمارے قتل وغارت کا باعث بنیں۔ قوم کے بزرگ نے کہا: ہم کوفے کے راستے پر نگہبان بٹھا دیتے ہیں اور خود لاشوں کو دفن کرتے ہیں۔ جب وہ لاش حسینؑ کے کنارے آئے تو گریہ کناں تھے۔ انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ آپؑ کے بدنِ مطہر کو اٹھائیں مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ کہنے لگے: پہلے ہم دیگر تمام شہدا کو دفن کرتے ہیں۔

ان کے سردار نے کہا: ان لاشوں کو کوئی نہیں پہچانتا کیونکہ یہ بغیر سروں کے اور خاک آلودہ حالت میں ہیں اور اگر کسی نے ہم سے پوچھا تو اسے کیا جواب دیں گے؟ ابھی وہ اسی گفتگو میں تھے کہ ایک سوار کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر متفرق ہوگئے۔ سوار لاشوں کے نزدیک پہنچ کر پیدل ہوگیا اور رکوع کی حالت کی طرح تعظیم بجالایا اور اپنے آپ کو لاش حسینؑ پر گرادیا۔ وہ لاش امام کو سونگھتا اور چومتا تھا۔ وہ اس قدر رویا کہ اس کا گلو بند آنسوؤں سے تر ہوگیا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا تم یہاں کیسے کھڑے ہو؟ وہ کہنے لگے: ہم ان لاشوں کا تماشا کرنے آئے

ہیں۔ اس سوار نے کہا: نہیں تم انہیں دفن کرنے آئے ہو۔

وہ کہنے لگے: ہاں ایسا ہی ہے۔ لیکن ہم لاش حسینؑ کو تو اٹھا ہی نہیں سکے اور دوسرے تمام شہداء کی بھی ہمیں کوئی پہچان نہیں ہے (جب اس سوار نے) یہ بات سنی تو نالہ و فریاد کرنے لگا۔ اس نے ایک جاں سوز آہ کھینچی اور روتے ہوئے کہا:

یَا اَبَتَاہُ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ لَیْتَکَ کُنْتَ حَاضِرًا وَتَرَانِی اَسِیْرًا ذَلِیْلًا۔

"بابا جان! کاش آپ زندہ ہوتے اور مجھے اس اسیری اور ذلت کی حالت میں دیکھتے"۔

پھر وہ شخص اٹھا اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں تمہیں ان کی نشاندہی کراتا ہوں)

اور ایک خط کھینچ کر فرمایا: اس جگہ کو کھودو۔ جب ایک گڑھا کھد گیا تو کئی لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں لاؤ اس طرح ہم نے سترہ (۱۷) بے سر لاشوں کو اس جگہ دفن کر دیا۔

اس کے بعد اس نے ایک اور خط کھینچا اور فرمایا: گڑھا کھودو' اور باقی لاشوں کو ہم نے اس میں دفن کر دیا۔ فقط ایک لاشہ رہ گیا تو فرمایا: یہ لاشہ ان کے سرہانے دفن کیا جائے گا۔

ہم نے چاہا کہ لاش حسینؑ کی تدفین میں اس کی مدد کریں لیکن اس ہستی نے نہایت مہربانی سے فرمایا: تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم حیران تھے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے ہم سب تو اس لاش مطہر کے ایک عضو تک کو حرکت نہیں دے سکے؟

فَبَکٰی بُکَاءً شَدِیْدًا فَقَالَ: مَعِیَ مَنْ یُعِیْنُنِی۔

"اس نے شدید گریہ کرتے ہوئے فرمایا: کوئی میرے ساتھ ہے تو میری مدد کرے گا"۔

پھر اپنے دونوں ہاتھ پشت حسینؑ پر رکھے اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَلَاحَوْلَ

وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِیْمِ۔

اور تنہا اس لاش کو قبر میں رکھا۔

ثُمَّ وَضَعَ خَدَّهٗ عَلٰی مَنْحَرِهِ الشَّرِیْفِ وَهُوَ یَبْکِیْ وَیَقُوْلُ: طُوْبٰی لِاَرْضٍ تَضَمَّنَتْ جَسَدَكَ الشَّرِیْفَ' اَمَّا الدُّنْیَا فَبَعْدَكَ مُظْلِمَةٌ وَالْاٰخِرَةُ بِنُوْرِكَ مُشْرِقَةٌ، اَمَّا الْحُزْنُ فَسَرْمَدٌ وَاللَّیْلُ فَمُسَهَّدٌ، حَتّٰی یَخْتَارَ اللّٰهُ لِیْ دَارَكَ الَّتِیْ اَنْتَ مُقِیْمٌ بِهَا فَعَلَیْكَ مِنِّی السَّلَامُ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

"پھر اپنا چہرہ باپ کے کٹے ہوئے گلے پر رکھا اور فرمایا خوش نصیب ہے یہ زمین جو آپؑ کے جسد مطہر کو آغوش میں لے رہی ہے۔ آپؑ کے بعد دنیا تاریک ہوگئی اور آخرت آپؑ کے نور سے روشن ہوگئی۔ میرا غم ہمیشہ رہنے والا ہے اور میری راتیں جاگتے گزریں گی۔ جب تک کہ خداوند کریم مجھے اس منزل پر فائز نہیں کردیتا جس پر آپ مقیم ہوں اے فرزند رسولؐ خدا آپ پر میرا سلام ہو"۔

پھر قبر مطہر کے دھانے کو پتھروں سے بند کیا اور آپ پر مٹی ڈالی اور اپنا ہاتھ قبر مبارک پر رکھا کر اپنی انگلیوں سے تحریر کیا:

هٰذَا قَبْرُ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ الَّذِیْ قَتَلُوْهُ عَطْشَانًا غَرِیْبًا

"یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی قبر ہے جسے پیاس اور غربت (بے وطنی) میں شہید کردیا گیا"۔

اس کے بعد ہم سے فرمایا: دیکھو کوئی باقی تو نہیں رہ گیا؟

ہم نے کہا: ہاں ایک بہادر کا لاشہ نہر علقمہ کے کنارے پڑا ہے اور دو لاشے اس کے نزدیک پڑے ہیں۔ زخموں کی زیادتی کی وجہ سے انہیں جس طرف سے حرکت دیتے ہیں وہ

دوسری طرف زمین پر گر جاتے ہیں۔

فرمایا: آ و چلیں جب اسے دیکھا تو اپنے آپ کو اس لاشے پر گرا دیا۔ وہ روتے بھی تھے اور چومتے بھی تھے اور فرماتے تھے:

یَاعَمَّاهُ ' لَیْتَکَ تَنْظُرُ حَالَ الْحَرَمِ وَالْبَنَاتِ وَهُنَّ یُنَادِیْنَ وَاعَطَشَاهُ وَاغُرْبَتَاهُ.

''اے عمو جان! کاش آپ اہلِ حرم اور بیٹیوں کی حالت دیکھتے کہ وہ کیسے ہائے پیاس اور ہائے غربت (بے وطنی) کی فریاد بلند کر رہی تھیں''۔

عَلَی الدُّنْیَا بَعْدَکَ الْعَفَا' یَاقَمَرَ بَنِیْ هَاشِمٍ فَعَلَیْکَ مِنِّی السَّلَامُ مِنْ شَهِیْدٍ مُحْتَسِبٍ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهُ۔

''اے قمر بنی ہاشمؑ! آپ کے بعد دنیا پر خاک' میرا آپ پر سلام کہ آپ راہ خدا میں شہید کر دیئے گئے اور اس کی جزا حاصل کی' آپ پر خدائے متعال کی رحمتیں اور برکتیں ہوں''۔

ہم نے زمین میں گڑھا کھودا' اور انہوں نے اکیلے اس جسدِ مطہر کو سپرد خاک کیا اور ہم میں سے کسی کی شراکت قبول نہ کی۔ قبر مبارک کو بند کیا اور مٹی ڈال دی۔ بعد میں میں حکم دیا کہ دوسرے دو لاشوں کو دفن کر دو۔

(جب ہم ان لاشوں کی تدفین سے فارغ ہوئے تو اس سوار نے کہا: چلو اب ہم حر بن یزید کی لاش کو بھی دفن کریں۔ وہ آگے آگے چلے اور ہم ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ جب اس لاشے پر پہنچے تو فرمایا:

أَمَّا أَنْتَ فَقَدْ قَبِلَ اللهُ تَوْبَتَکَ 'وَزَادَ فِیْ سَعَادَتِکَ بِبَذْلِکَ نَفْسَکَ أَمَامَ ابْنِ رَسُوْلِ اللهِ؟

''خدا نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہاری سعادت کو بڑھایا' کیونکہ تم نے فرزند رسول کی راہ میں جان قربان کرنے میں سبقت حاصل کی''۔

بنی اسد نے ارادہ کیا کہ اس لاشے کو بھی اٹھا کر دوسرے شہداء کے پاس لے جائیں لیکن اس ہستی نے منع فرما دیا اور فرمایا: اس کو اسی مقام پر دفن کردو۔ اس کے بعد وہ جواں اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا کہ سوار ہو۔ ہم نے چاروں طرف سے اسے گھیرے میں لے لیا کہ اس سے کچھ پوچھیں۔ اس نے خود ہی فرمایا: وہ قبر حسینؑ ہے جس کو تم پہچانتے ہو۔ دور پہلی گودالی میں آپ کے اہل بیت یعنی جوانانِ بنی ہاشم ہیں اور آپ کے ان سب سے نزدیک تر بیٹے علی اکبرؑ ہیں۔ اور دوسرے گڑھے میں آپؑ کے اصحاب ہیں اور وہ علیحدہ قبر آپؑ کے علمدار حبیب ابن مظاہرؓ کی ہے۔

اور وہ بہادر جو نہر (علقمہ) کے کنارے پڑے تھے وہ عباسؑ ابن امیر المومنینؑ ہیں۔

اور دوسرے دو لاشے اولاد امیر المومنینؑ کے تھے اگر کوئی تم سے پوچھے تو اسے بتا دینا۔

ہم نے کہا: ہم آپؑ کو اس جسد مبارک کو قسم دیتے ہیں جسے تنہا (علیحدہ) دفن کیا گیا ہے۔ ہمیں اپنا تعارف کروائیے۔

فرمایا: میں تمہارا امام علی بن الحسینؑ ہوں۔

ہم نے کہا: آپ علیؑ ہیں!

فرمایا: ہاں اور ہماری نظروں سے غائب ہو گئے۔

(وقایع الایام تتمہ محرم/ ۱۳۷ معالی السبطین: ۲/ ۳۸ دار السلام عراقی/ ۵۱۴ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ از مدینۃ العلم مرحوم سید نعمت اللہ جزائری)

شیخ طوسی کی روایت سے استفادہ ہوتا ہے کہ بنی اسد ایک تازہ حصیر بوریا لائے اور لاشِ حسینؑ کو اس پر رکھ کر دفن کیا گیا۔ جیسا کہ دیزج (جسے متوکل ملعون نے امام حسینؑ کی قبر کو منہدم کرنے پر مامور کیا تھا) سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں اپنے مخصوص غلاموں کے ساتھ آیا اور قبر حسینؑ کو شگافتہ کیا۔ میں نے ایک تازہ حصیر (بوریا) دیکھا کہ حسینؑ کا بدن اس کے اوپر پڑا تھا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی، میں نے اس حصیر کو اسی حالت میں چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ قبر (مطہر) پر مٹی ڈال دی جائے اور اس پر پانی چھڑکا جائے۔ (بحار الانوار: ۴۵/ ۳۹۴ ب ۵۰ ح ۲ امالی طوسی: ۱/ ۳۲۴)

حَتّیٰ اَنْ لَاتَکْفِنُوْا عَلَوِیًّا
بَعْدَ مَاکُفِنَ الْحُسَیْنُ بَوَارًا
لَا تَمُدُّوا لَکُمْ عَنِ الشَّمْسِ ظِلًّا
اِنَّ فِي الشَّمْسِ مُهْجَةَ الْاَبْرَارِ
لَاتَشُقُّوا لِآلِ بِهْرٍ قُبُوْرًا
وَابْنُ طٰهٰ مُلْقًی بِلَا اِقْبَارٍ

محمد سعید بن عبداللہ حائری اپنے مقتل میں بنی اسد کے شہداء کی تدفین کے لئے آنے اور امام زین العابدینؑ کے اپنے بابا کو دفن کرنے کے لئے تشریف لانے کا تذکرہ کرنے کے بعد روایت کرتے ہیں کہ زخموں کی کثرت اور اعضائے مقدسہ کے جدا ہو جانے کی وجہ سے آنحضرت (امام سجادؑ) نے بنی اسد سے فرمایا کہ ایک حصیر لے آؤ۔

دو ہاتھ نمودار ہوئے اور انہوں نے لاشہ اقدس کو پکڑا' وہ دو ہاتھ رسولؐ خدا کے تھے اور قطع شدہ تمام اعضاء اس بوریا کے اوپر تھے حتیٰ کہ وہ انگلی جو بجدل ملعون نے کاٹی تھی وہ بھی دفن کی گئی۔ (کبریت احمر/۳۹۳)

کربلا میں زائرین کی ایک جماعت بزرگ عالم سید مرتضیٰ کشمیری کی خدمت میں پہنچی کہ شہزادہ علی اصغرؑ کی قبر مبارک کے بارے میں دریافت کریں۔ انہوں نے بہت زیادہ گریہ کرنے کے بعد جواب دیا میں نہیں جانتا۔ صبح آنا تمہیں تسلی بخش جواب دوں گا۔

رات کو خواب میں سید الشہداءؑ کو دیکھا کہ فرما رہے تھے: آقائے کشمیری! تم نے زائرین کا جواب کیوں نہیں دیا۔

مرتضیٰ کشمیری کہتے ہیں میں نے عرض کیا۔ میں انہیں کیا بتاتا کہ اس شہزادے کی قبر مطہر کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔

فرمایا: جان لو اور ان کو بتا دو کہ میرے بیٹے (علی اصغرؑ) کی قبر میرے سینے کے اوپر ہے۔ (مقتل جامع: ۱/۴۵۰)

پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرتؑ نے اپنے بچے کی لاش اطہر اپنے خیام کے پس پشت دفن کردی تھی۔ اور ابوخلیق کی خبر سے استفادہ ہوتا ہے کہ اس شہزادے کا لاشۂ اطہر زمین سے باہر نکالا گیا تھا۔ ظاہر ہے امام سجادؑ نے اس معصوم کے لاشہ اطہر کو بھی (یقیناً) دفن کیا ہوگا۔

مرحوم آیۃ اللہ بیرجندی یہ بعید خیال کرتے ہیں کہ حرؑ کی لاش کو دوسرے شہداء سے علیحدہ دفن کیا گیا ہو۔ لیکن بعد میں لکھتے ہیں:

البتہ شاہ اسماعیل صفوی کے دور میں قبر حر کی کھدائی اور ان کے بدنِ اطہر کو تازہ حالت میں دیکھنا' ان کے سر سے رومال اُتارنا اور خون کا جاری ہو جانا جس کی وجہ سے وہی رومال دوبارہ ان کے سر پر باندھ دیا گیا ''انوار نعمانیہ'' میں مذکور ہے۔ (جس کا تذکرہ ہم نے مقتلِ حر کے باب میں کردیا ہے۔ مؤلف)

مرحوم محدث قمی لکھتے ہیں: مرحوم شہیدؒ اپنی کتاب ''دروس'' میں حضرت ابا عبداللہؑ کی زیارت کے فضائل کا ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: جب بھی زیارت کیلئے جاؤ تو امام عالی مقامؑ کی زیارت کے بعد آپ کے بیٹے علیؑ بن الحسینؑ (علی اکبرؑ) کی زیارت کرو اور آپ کے بھائی حضرت عباسؑ کی زیارت کرو نیز حرؑ بن یزید کی زیارت کرو۔

اور یہ کلام ظاہر بلکہ صریح ہے کہ شیخ شہید کے زمانے میں جناب حرؑ کی قبر اس جگہ مشہور تھی اور اس شیخ جلیل کے نزدیک یہ بات معتبر تھی، اور اسی قدر یہ امر ہمارے لئے (معتبر) ہے۔ (منتہی الآمال: ۱/۳۰۶)

بعض لوگ حضرت حرؑ کے لاشے کو دیگر شہداء کے درمیان سے (علیحدہ مقام پر) لے جانے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ لشکر کوفہ ان کے جسم کو پامال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اور بعض کا کہنا ہے کہ ان کی والدہ ان کے ہمراہ تھی جس نے ان کے لاشے کو شہداء سے دور ہٹا دیا۔ (کبریت احمر/۴۱۸)

مرحوم عمادالدین طبری تحریر کرتے ہیں: حرؑ بن یزید کو اس جگہ کے نزدیک ہی دفن کیا گیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ (کامل بہائی: ۲/۲۸۷)

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کو باپ سے قربت کے سبب باپ کے پائین پا دفن کیا گیا۔ اور امتیاز کے لحاظ سے بھی آپؑ خاندان کے درمیان برخوردار تھے۔ اور حضرت ابوالفضلؑ عباس) کو علیحدہ اس لیے دفن کیا گیا کہ ان کی عظمت اور بزرگواری مشخص ہو اور ان کے بلند مقام کی وجہ سے انہیں عزت و جلالت دی گئی۔ نیز اس لیے کہ زائرین آنجناب سے بھی فیضِ عظمیٰ حاصل کریں۔

جب کہ حبیب ابن مظاہرؓ کو عمر رسیدہ ہونے کے سبب اور اس امتیاز کے سبب جو انہیں اصحاب (حسینؑ) کے درمیان حاصل تھا، علیحدہ دفن کیا گیا۔ جب کہ حر کو علیحدہ دفن کرنے کا باعث ان کے ایثار اور فداکاری کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ ان کی توبہ کے بلند مقام کو واضح کرنا تھا۔

تدفینِ شہداءؑ کا دن

مشہور ہے کہ شہدائے کربلا کے اجساد طاہرہ تین دن تک غیر مدفون حالت میں روئے زمین پر پڑے رہے۔ (منتہی الآمال: ۱/ ۴۰۷)

مرحوم سپہر تحریر کرتے ہیں:

تمام شہداء کو بارہ محرم کے دن سے پیشتر، کہ ان کی شہادت کا تیسرا دن تھا، سپردخاک کر دیا گیا۔ (ناسخ التواریخ: ۳/ ۳۴)

مرحوم آیت اللہ بیر جندی فرماتے ہیں:

اکثر (مورخین) نے شہدائے کربلا کا روزِ تدفین بارہ محرم تحریر کیا ہے۔ (کبریت احمر/ ۴۹۶)

اور مرحوم خیابانی نے بھی شہدا کی تدفین کا دن بارہ محرم لکھا ہے۔ (وقایع الایام تتمہ محرم/ ۱۳۲)

لیکن مرحوم مقرم، مسعودی کی اثبات الوصیہ کی نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

امام سجادؑ اپنے والد بزرگوار کی تدفین کے لیے محرم کی تیرہ تاریخ کو تشریف لائے۔ (مقتل مقرم/ ۴۱۴)

اے یزیدو! ہمیں بتلاؤ تمہارا بھی اگر
کہیں ذکر کفن و ذکر دفینہ آیا
(خالد احمد)

اسیریٔ اہلِ بیتؑ

لوٹو تبرکاتِ علیؑ و بتولؑ کو
قیدی بنا کے لے چلو آلِ رسولؐ کو

زیارت ناحیہ مقدسہ میں حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف فرماتے ہیں:

وَرُفِعَ عَلَى الْقَنَاةِ رَأْسُكَ وَسُبِيَ أَهْلُكَ كَالْعَبِيْدِ وَصُفِّدُوا فِي الْحَدِيْدِ فَوْقَ أَقْتَابِ الْمَطِيَّاتِ، تَلْفَحُ وُجُوهَهُمْ حَرُّ الْهَاجِرَاتِ يُسَاقُونَ فِي الْبَرَارِيْ وَالْفَلَوَاتِ أَيْدِيْهِمْ مَغْلُوْلَةٌ إِلَى الْأَعْنَاقِ مَا يُطَافُ بِهِمْ فِي الْأَسْوَاقِ۔

"آپؑ کے سرمبارک کو نیزے پر چڑھا دیا گیا اور آپؑ کے اہل و عیال کو غلاموں کی طرح اسیر کرلیا گیا اور (بے پالان) اونٹوں پر بٹھا کر زنجیروں سے باندھ دیا گیا۔ نصف النہار پر سورج کی گرمی نے ان کے چہروں کو جھلسا دیا۔ انہیں صحراؤں اور بیابانوں میں (منزل بہ منزل) آگے لے جایا گیا' ان کے ہاتھ زنجیروں کے ساتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے، اور انہیں اس حالت میں بازاروں میں پھرایا گیا"۔ (بحار: ۱۰۱/۳۲۲)

مرحوم حاج ملا سلطان علی روضہ خوان تبریزی' جو کہ عابدوں اور زاہدوں میں سے تھے، نقل فرماتے ہیں کہ میں حالتِ خواب میں حضرت بقیۃ اللہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے عرض کیا: میرے آقا! جو زیارت ناحیہ مقدسہ میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا:

فَلَأَنْدُبَنَّكَ صَبَاحًا وَمَسَاءً وَلَأَبْكِيَنَّ عَلَيْكَ بَدَلَ الدُّمُوْعِ دَمًا

(''ہر صبح و شام میں آپ کے لئے نالہ و فریاد کرتا ہوں اور آپ پر آنسوؤں کی بجائے خون روتا ہوں'') کیا یہ صحیح ہے؟

فرمایا: ہاں صحیح ہے' میں نے عرض کیا: وہ کون سی مصیبت ہے جس پر آپ نے آنسوؤں کی بجائے خون رونا شروع فرمایا: کیا وہ علی اکبرؑ کی مصیبت (شہادت) ہے؟ فرمایا: اگر علی اکبرؑ زندہ ہوتے تو اس مصیبت میں وہ بھی خون روتے۔

میں نے کہا: کیا یہ حضرت عباسؑ کی مصیبت ہے؟

فرمایا: اگر حضرت عباسؑ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی اس مصیبت میں خون روتے۔

میں نے کہا: یقیناً یہ حضرت سید الشہداءؑ کی مصیبت ہوگی؟ امامؑ نے فرمایا: اگر سید الشہداء زندہ ہوتے تو وہ بھی اس مصیبت میں خون روتے۔

میں نے عرض کیا: آخر وہ کون سی مصیبت ہے؟

فرمایا: یہ زینبؑ کی اسیری کی مصیبت تھی کہ جس میں میں ہمیشہ خون روتا ہوں

ام ایمن کی حدیث میں جو حضرت زینبؑ نے حضرت سجادؑ کے لئے نقل فرمائی۔ اس طرح منقول ہے کہ بی بی زینبؑ نے فرمایا۔ جب ابن ملجم نے میرے بابا کو ضربت لگائی تو میں نے اپنے بابا پر موت کے آثار طاری دیکھ کر عرض کیا: ام ایمن نے مجھے ایک حدیث نقل کی ہے میری خواہش ہے کہ میں وہ آپ سے سنوں۔ (عبقری الحسان مرحوم وندی: ۱/۹۸ بساط دوم)

آنحضرتؑ نے فرمایا: اے میری بیٹی! یہ حدیث اسی طرح ہے جیسے کہ ام ایمن نے روایت کی ہے (اور حضرت نے اس میں اضافہ فرمایا):

وَكَأَنِّي بِكِ وَنِسَاءِ أَهْلِكِ سَبَايَا بِهٰذَا الْبَلَدِ ' أَذِلَّاءَ خَاشِعِينَ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ،فَصَبْرًا صَبْراً، فَوَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَءَ النَّسَمَةَ مَا لِلّٰهِ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ وَلِيٌّ غَيْرَكُمْ وَغَيْرَ مُحِبِّيكُمْ وَشِيعَتِكُمْ.

''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اور دیگر خواتین اہل بیتؑ کو اسی شہر کوفہ میں قید

و بند میں اسیر اور ذلیل و خوار کیا جائے گا۔ اور آپ اس قدر خوفزدہ ہوں گی گویا لٹیرے آپ کو لوٹ رہے ہوں گے' پس تم صبر سے کام لینا۔ مجھے اس کی قسم کہ جس نے دانے کو شگافتہ اور موجودات کو خلق فرمایا کہ اس روز روئے زمین پر تمہارے علاوہ اور تمہارے دوستوں اور شیعوں کے علاوہ کوئی شخص ولی نہیں ہوگا''۔ (کامل الزیارات / ۲۶۶ ب ۸۸ آخر حدیث' بحار الانوار: ۴۵/۱۸۳)

حضرت زینبؑ کے اس خطبے میں جو آپ نے دربار یزید میں دیا مذکور ہے:

أَمِنَ الْعَدْلِ يَابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِيْرُكَ حَرَائِرَكَ وَإِمَائَكَ وَسَوْقُكَ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سَبَايَا قَدْ هُتِكَتْ سُتُوْرُهُنَّ وَاُبْدِيَتْ وُجُوْهُهُنَّ تَحْدُوْبِهِنَّ الْاَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ اِلٰى بَلَدٍ يَسْتَشْرِفُهُنَّ اَهْلُ الْمَنَاهِلِ وَالْمَنَاقِلِ وَيَتَصَفَّحُ وُجُوْهَهُنَّ الْقَرِيْبُ وَالْبَعِيْدُ وَالدَّنِيُّ وَالشَّرِيْفُ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِيٌّ وَلَا مِنْ حُمَاتِهِنَّ حَمِيٌّ

''اے ہمارے آزاد کردہ (طلقا) کے بیٹے! کیا یہی رسم عدالت ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردے میں بٹھا رکھا ہے' لیکن رسول خداؐ کی بیٹیاں اسیر و دست بستہ تیرے سامنے کھڑی ہیں۔ ان کے پردوں کی حرمت کی ہتک و توہین کی جا رہی ہے اور ان کے چہرے بے پردہ ہیں۔ دشمن انہیں شہر بہ شہر پھرا رہے ہیں۔ انہیں صحرائی اور کوہستانی لوگوں کے سامنے لایا جاتا ہے اور ہر نزدیک و دور اور ہر پست و شریف کی نگاہیں ان پر اٹھتی ہیں' نہ ان کے مردان کی سرپرستی کے لئے موجود ہیں اور نہ ان کے مددگار ان کی حمایت کے لئے۔ (لہوف / ۱۸۲ مقتل خوارزمی: ۲/۶۴' بحار الانوار: ۴۵/۱۳۴)

''عوالم'' (نامی کتاب) میں ہے کہ جب امام حسینؑ نے مدینہ سے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو رسولِ خدا کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

میرے بیٹے! اپنے عراق کے سفر سے مجھے غمزدہ نہ کرو' کیونکہ میں نے آپ کے ناناؐ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے: میرا بیٹا حسین کربلا میں شہید کر دیا جائے گا۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اے نانی جان! میں خود بھی یہ بات جانتا ہوں' پھر فرمایا: نانی جان!

قَدْ شَاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَرَانِيْ مَقْتُوْلاً مَذْبُوْحًا ظُلْمًا وَعُدْ وَانًا وَقَدْ شَاءَ اَنْ يَرىٰ حَرَمِيْ وَرَهْطِي وَنِسَائِيْ مُشَرَّدِيْنَ وَاَطْفَالِيِ مَذْبُوْحِيْنَ مَا سُوْرِيْنَ مُقَيَّدِيْنَ وَهُمْ يَسْتَغِيْثُوْنَ فَلاَ يَجِدُوْنَ نَاصِرًا وَلاَ مُعِيْنًا.

''خداوند عزوجل چاہتا ہے کہ مجھے ظلم و جور سے شہید ہوتا دیکھے اور میرے اہل و عیال' خاندان اور خواتین کو پریشان حال میں دربدر پھرایا جائے' وہ میرے بچوں کو سربریدہ اور اسیر و مغلوب حالت میں زنجیر بستہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ استغاثہ کر رہے ہوں اور کوئی ان کا فریاد رس نہ ہو''۔ (معالی السبطین: ۱/۳۳' بحار الانوار: ۴۴/۳۳۱)

اسی مفہوم کی مثل امام حسینؑ نے مکہ سے روانہ ہوتے وقت، اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ شَاءَ اَنْ يَرَاهُنَّ سَبَايَا (لہوف/۶۵)

''اللہ تعالیٰ کی مشاء و رضا ان کو قیدی ہوتے دیکھنا ہے''۔

اور امام حسینؑ نے اپنے فرزند امام سجادؑ سے وداع کے وقت بھی فرمایا تھا:

وَكَاَنِّي بِكَ يَا وَلَدِيْ اَسِيْرٌ ذَلِيْلٌ مَغْلُوْلَةٌ يَدَاكَ مَوْتُوْقَةٌ رِجْلاَكَ

''گویا میرے بیٹے میں تمہیں ذلت کی حالت میں اسیر دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو ان (ظالموں) نے بیڑیوں اور زنجیروں سے

باندھ رکھا ہے"۔ (معالی السبطین: ۲/۱۱)

خداوند متعال نے حضرت موسیٰ سے فرمایا تھا:......اے موسیٰ!

وَتَنفُرُ فَرَسُهُ وَتُحَمْحِمُ وَتَصْهَلُ وَتَقُولُ فِي صَهِيلِهَا الظَّلِيمَةُ الظَّلِيمَةُ مِنْ أُمَّةٍ قَتَلَتْ ابْنَ بِنْتِ نَبِيِّهَا فَيَبْقَى مُلْقًى عَلَى الرِّمَالِ مِنْ غَيْرِ غُسْلٍ وَلَا كَفَنٍ وَيُنْهَبُ رَحْلُهُ وَتُسْبَى نِسَاؤُهُ فِي الْبُلْدَانِ وَيُقْتَلُ نَاصِرُهُ وَتُشْهَرُ رُؤُوسُهُمْ مَعَ رَأْسِهِ عَلَى أَطْرَافِ الرِّمَاحِ

"اس کا گھوڑا بھاگتا ہوا ہنہناتے ہوئے کہے گا: ظلم کی انتہاء ہوگئی۔ ظلم کی انتہا ہوگئی (انصاف انصاف) کہ اس امت نے اپنے پیغمبرؐ کے بیٹے کو قتل کردیا۔ پھر وہ اسے زمین پر بے غسل وکفن چھوڑ دیں گے۔ اس کے مال و اسباب کو لوٹ لیا جائے گا اور (ظالم) اس کے اہل حرم کو شہر بہ شہر پھرائیں گے۔ اس کے ساتھیوں کو شہید کردیا جائے گا۔ اور ان کے سروں کو اس (حسینؑ) کے سر کے ہمراہ نیزوں پر چڑھا کر مختلف شہروں میں لے جایا جائے گا"۔ (بحار الانوار: ۴۴/ ۳۰۸ ب ۳۶' الخصائص الحسینیہ/ ۱۰۶)

جب حضرت زینبؑ کی ولادت باسعادت ہوئی تو رسولؐ خدا کو خبر دی گئی۔ آپ فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: نوزاد کو میرے پاس لاؤ۔ جب بچی کو پیغمبر اکرم کی خدمت میں لایا گیا تو آپؐ نے اسے اٹھایا اور اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ اپنا چہرہ اس کے چہرے پر رکھ دیا اور بلند آواز میں اتنا شدید گریہ فرمایا کہ آنسو آپؐ کے رخساروں پر رواں تھے۔

حضرت فاطمہؑ نے عرض کیا: خدا آپ کو کبھی نہ رلائے' آپ روتے کیوں ہیں؟

حضورؐ نے فرمایا: میری بیٹی! آگاہ ہو جاؤ کہ تمہاری یہ بچی جلد ہی طرح طرح کے مصائب اور ناگوار مشکلات میں مبتلا ہوگی۔ اے میرے جسم کے ٹکڑے اور میری آنکھوں کے نور! جو کوئی اس پر اور اس کے مصائب پر روئے گا اسے اس کے دونوں بھائیوں پر رونے کے برابر

ثواب عطا کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس بچی کا نام زینبؑ رکھا۔ (معالی السبطین :۲/ ۱۳۲، الطراز المذہب ناسخ حضرت زینب :۱/ ۴۶)

بعض (مورخین) نے یوں نقل کیا ہے کہ جب رسولؐ خدا کے آنسو جاری ہوئے تو حضرت فاطمہؑ نے کہا: جب میں نے حسنؑ کا قنداقہ آپ کے ہاتھ میں دیا تو آپ نے شدید گریہ کرتے ہوئے فرمایا: اسے زہر دے دیا جائے گا۔ اور جب میں حسینؑ کا قنداقہ آپ کی خدمت میں لائی تو آپ نے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا: اسے شہید کر دیا جائے گا۔ میں نے پوچھا کیا (یہ ظالم) زینبؑ کو بھی شہید کر دیں گے؟

حضورؐ نے فرمایا: نہیں! اسے قیدی بنایا جائے گا۔ (نہضت حسینی :۲/ ۴۸)

ہم نے امام حسینؑ کے وداع کے باب میں نقل کیا ہے کہ آپ نے حضرت زینبؑ سے فرمایا:

وَكَأَنِّي بِكُمْ غَيْرَ بَعِيدٍ كَالْعَبِيدِ يَسُوقُونَكُمْ أَمَامَ الرِّكَابِ وَيَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ.

"گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ تمہیں جلد ہی غلاموں کی طرح اپنے آگے آگے (ہانکتے ہوئے) لے چلیں گے (یعنی قیدی بنالیں گے) اور تمہیں سخت مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا"۔ (الطراز المذہب :/ ۲۲۵، معالی السبطین :۲/ ۱۴)

امام زین العابدینؑ نے زہری سے فرمایا تھا: جس وقت ہم مدینہ سے کربلا کی طرف روانہ ہوئے تو جناب زینبؑ کے سوار ہوتے وقت میرے چچا عباسؑ نے ایک طرف سے ان کا بازو پکڑا اور میرے بھائی علی اکبرؑ نے دوسری طرف سے۔ اچانک میرے بابا حسینؑ آئے اور اپنے زانوں کو خم کر کے (سہارا دے کر) اس معظمہ بی بی کو محمل میں سوار کرایا۔ اس کے بعد میرے بابا ایک کونے میں بیٹھ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

جناب زینبؑ نے میرے بابا سے عرض کیا: میں آپ کو ماں زہراؑ کی قسم دیتی ہوں، مجھے

بتاؤ کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟

فرمایا: میں تمہیں درپیش آنے والی اسیری کا تصور کر کے رو رہا ہوں اور کتاب "لولو والمرجان" میں تحریر ہے: ابوحمزہ ثمالی کہتا ہے کہ میں امام سجادؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا امام شدید گریہ فرما رہے تھے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: میں اہل بیت کی قید کو یاد کر کے رو رہا ہوں۔ (نہضت حسینی: ۲/۳۱و۳۲ البتہ مآخذ کتاب نیاز مند تحقیق ہیں)

"اسرار الشہادۃ" اور دوسری کتابوں میں مرقوم ہے: میں نے تقریباً چالیس محمل دیکھے جو قیمتی پوشش سے مزین تھے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: بنو ہاشم اپنی اپنی محرمات کو سوار کرائیں۔

اس دوران میں میں نے حشمت وجلال کا یہ منظر بھی دیکھا کہ سرائے حسینؑ سے ایک بلند وبالا جوان جس کے چہرے پر ایک تل تھا اور چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا برآمد ہوا اور فرمانے لگا، اے بنی ہاشم! دور ہٹ جاؤ۔ اس وقت دو مخدراتِ عصمت نہایت عفت سے دامن کشاں (گھر سے) باہر نکلیں۔ کنیزوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اس جوان نے زانو بچھائے اور وہ دونوں معظمہ بیبیاں سوار ہوئیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟

مجھے بتایا گیا: یہ امیر المومنینؑ کی بیٹیاں زینبؑ وام کلثومؑ ہیں اور یہ جوان قمر بنی ہاشم عباس ابن علیؑ ہے۔ (خصائص الزینبیہ/۸۶ خصیصہ ۲۱)

maablib.org

اہلِ بیتؑ کا کوفہ میں ورود

بارہ محرم کے دن اہل بیتؑ رسالت کوفہ میں داخل ہوئے۔(وقائع الایام تتمہ محرم/۲۱۴)

جب ابن زیاد کو یہ خبر ملی کہ اہل بیتؑ کوفہ کے نزدیک پہنچ گئے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ شہداء کے سر جو کہ ابن سعد نے پہلے ہی روانہ کر دیئے تھے، واپس لے جائے جائیں اور نیزوں پر نصب کر کے انہیں اہل بیتؑ کے ہمراہ شہر میں داخل کیا جائے اور کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھرایا جائے تا کہ یزید کی سلطنت کے قہر و غلبہ اور رعب و جلال کی لوگوں پر دھاک بیٹھ جائے اور لوگ مزید خوف زدہ ہو جائیں۔

جب کوفہ کے لوگوں کو اہل بیتؑ کے شہر میں داخلے کی خبر ملی تو وہ شہر سے باہر نکل آئے۔

مرحوم محتشم نے کہا تھا:

چون بی کسان آل نبیؐ دربدر شدند
در شہر کوفہ نالہ کناں نوحہ گر شدند
سرھای سروران ہمہ بر نیزہ وسنان
درپیش روی اہل حرم جلوہ گر شدند

از نالہ ھای پردگیانِ ساکنانِ عرش
جمع از پی نظارہ بہر رہگذر شدند
بی شرم امتی کہ نترسید از خدا
بر عترت پیغمبرؐ خود پردہ در شدند

دست از جفا نداشتہ بر زخم اہل بیت

ہردم نمک فشان بجفای دگر شدند

"جب آلِ نبی کے بے کس افراد دربدر ہو گئے تو وہ کوفہ شہر میں نالہ کناں اور نوحہ گر تھے۔ تمام شہداء کے سر نیزوں اور سنانوں پر نصب تھے اور انہیں اہلِ حرم کے آگے آگے لایا جا رہا تھا۔ پردہ داروں کے نالہ و فریاد سے عرش کے رہنے والے یہ منظرِ غم دیکھنے کے لئے ہر رہ گزار پر جمع ہو گئے۔ بے شرم امت جسے خوفِ خدا تک نہ تھا' خود اپنے پیغمبر کی عترت کی پردہ دری کر رہی تھی۔ انہوں نے جفا سے ہاتھ نہ اٹھایا اور اہل بیت نبیؐ کے زخموں پر ہر لحظہ نئے نئی جفا کی نمک فشانی کی"۔ (منتہی الآمال ۱/ ۴۰۷)

ابن سعد قیدیوں کو ہمراہ لیے جب کوفہ کے نزدیک پہنچا تو کوفہ کے لوگ قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لئے ان کے ارد گرد جمع ہو گئے۔

راوی کہتا ہے: کوفہ کی عورتوں میں سے ایک نے اپنا سر اٹھا کر کہا:

مِنْ أَيِّ الأُسَارىٰ أَنْتُنَّ؟ فَقُلْنَ: أُسَارىٰ آلِ مُحَمَّدٍ

"قیدیو! تم کس قبیلے سے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم آلِ محمدؐ ہیں (جو ان ظالموں کی قید میں ہیں")

بعض کتابوں میں اس واقعہ کو تفصیلاً درج کیا گیا ہے اور اس عورت کا نام "ام حبیبہ" مذکور ہے۔ جب اس عورت نے یہ بات سنی تو جلدی سے چھت سے نیچے اتری اور جو کچھ اوڑھنے کے کپڑے (چادریں' جالے اور روسریاں) اس کے گھر میں تھے' قیدیوں کو پیش کیے اور انہیں اوڑھائے۔

راوی کہتا ہے ان خواتین کے ہمراہ علیؑ بن الحسینؑ تھے جو بیماری کے سبب رنجور اور لاغر تھے۔ اور دوسرے حسن بن حسن مثنیٰؑ تھے کہ جنہوں نے اپنے چچا اور امام پر فدا کاری کی اور تلواروں اور نیزوں کے زخم برداشت کیے۔ اور چونکہ وہ زخموں کی زیادتی کے سبب ناتواں تھے اور ان میں

ابھی کچھ رمق (جان) باقی تھی کہ میدانِ جنگ سے باہر اٹھا لئے گئے۔

صاحب ''مصابیح'' تحریر کرتے ہیں: حسن بن حسنؑ مثنیٰ نے اپنے چچا کے ہمرکاب یوم عاشور ستر (۷۰) افراد کو قتل کیا اور اٹھارہ زخم برداشت کئے اور شہادت پائی۔ ان کے دائی اسماء بن خارجہ نے ان کو اٹھایا اور کوفہ لے گیا اور علاج معالجہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو گئے۔ اور انہیں مدینہ واپس پہنچا دیا گیا۔

امام حسنؑ کے دو بیٹے زید اور عمرو بھی قیدیوں کے اس قافلے کے ہمراہ تھے۔ جب اہلِ کوفہ کی نظریں ان (اہل بیتؑ) پر پڑیں تو وہ رونے لگے اور نوحہ سرائی کرنے لگے۔

امام سجادؑ نے فرمایا: تم ہمارے حالِ زار پر نوحہ و گریہ کر رہے ہو تو پھر جس شخص نے ہمیں قتل کیا وہ کون تھا؟ (لہوف/۱۴۴ اور تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مثیر الاحزان/۸۵)

علامہ مجلسیؒ نے بعض معتبر کتابوں سے مسلم گچکار (معمار) سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ابن زیاد نے مجھے دارالامارہ کی تعمیر و مرمت کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ اس دوران میں جب کام میں مشغول تھا تو میں نے اطرافِ کوفہ سے ''وھیاھو'' کی بلند آوازیں سنیں۔ جو مزدور میرے ساتھ تھا' میں نے اس سے پوچھا: کوفہ میں یہ شور و غوغا کیسا ہے؟ کہنے لگا: ایک خارجی شخص نے زید کے خلاف خروج کیا تھا اس کا سر لائے ہیں۔ میں نے کہا: یہ خارجی کون ہے؟ کہنے لگا: حسینؑ ابن علیؑ۔

میں نے یہ سننے کے باوجود خود پر قابو رکھا۔ جب یہ مزدور باہر گیا تو میں نے اپنے چہرے پر اتنے زور سے دو ہتھو مارا کہ آنکھوں کے ضائع ہونے کا خدشہ تھا' اپنے گچ آلود ہاتھوں اور چہرے کو صاف کیا اور دارالامارہ کے عقب سے باہر نکل آیا تاکہ محلہ کناسہ میں پہنچوں۔

لوگ قیدیوں اور سروں کی آمد کے منتظر تھے۔ میں بھی وہاں کھڑا ہو گیا۔ اچانک چالیس کے قریب محمل ظاہر ہوئے جو چالیس اونٹوں پر رکھے ہوئے تھے، اور ان کے درمیان سید الشہداؑ کے اہلِ حرم، عورتیں اور اولادِ فاطمہؑ تھے۔ علیؑ بن الحسینؑ ایک برہنہ (بے پالان) اونٹ پر سوار تھے۔ زنجیر کی سختی سے ان کی گردن کی رگوں میں سے خون بہہ رہا تھا اور وہ گریہ کر رہے تھے۔

مسلم کہتا ہے: میں نے کوفہ کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بچوں کو خرمے، نان اور اخروٹ دے رہے تھے۔ ام کلثومؑ نے اہلِ کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

إِنَّ الصَّدَقَةَ عَلَيْنَا حَرَامٌ –

''ہم اہل بیتؑ پر صدقہ حرام ہے''۔

اور ان اشیاء کو بچوں کے ہاتھوں سے لے کر دور پھینک دیا۔ لوگ ان کے مصائب پر گریہ کر رہے تھے۔ پھر ام کلثومؑ نے محمل سے سر باہر نکلا اور فرمایا: اے اہلِ کوفہ! خاموش ہو جاؤ تمہارے مردوں نے ہم کو قتل کیا اور تمہاری عورتیں ہم پر گریہ کرتی ہیں! خداوند متعال قیامت کے روز ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

وہ بی بی ابھی کلام کر ہی رہی تھی کہ شور و غوغا ختم ہوگیا اور نیزوں پر چڑھے شہداء کے سروں کو لایا گیا۔ ان سروں کے آگے آگے حسین علیہ السلام کا نورانی سر تھا جو تابندہ و درخشندہ اور رسولؐ خدا سے لوگوں میں سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ ریش مبارک (شب کی سیاہی کہ جس طرح چمکدار کالا پتھر چمکتا ہے) سے خضاب شدہ تھی۔ بالوں کی جڑوں میں سے سفیدی ظاہر ہو رہی تھی۔ آپ کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا اور ہوا آپ کی ریش مبارک کے بالوں کو دائیں اور بائیں حرکت دیتی تھی۔

حضرت زینبؑ کی نگاہ جوں ہی سرِ مبارک پر پڑی، آپ نے اپنی پیشانی کو محمل کے آگے کی لکڑی پہ مارا۔ آپ کے مقنعہ سے خون بہنے لگا۔ بی بی نے سوزِ دل کے ساتھ اس سر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

يَا هِلَالاً لَمَّا اسْتَتَمَّ كَمَالاً
غَالَهُ خَسْفُهُ فَأَبْدَى غُرُوبَا

مَا تَوَهَّمْتُ يَاشَقِيقَ فُؤَادِيْ
كَانَ هٰذَا مُقَدَّرًا مَكْتُوبَا

يَا أَخِي فَاطِمَ الصَّغِيرَةَ كَلِّمْهَا
فَقَدْ كَادَ قَلْبُهَا أَنْ تَذُوبَا

"اے ماہ نو! جب تم کمال پر پہنچے تو تجھے چاند گرہن نے آلیا اور تو چھپ گیا۔ اے میرے دل کے ٹکڑے مجھے یہ گمان تک بھی نہ تھا کہ ایسا دن بھی ہمارے مقدر کی تحریر میں رقم ہوگا۔

اے بھائی! یہ ننھی فاطمہؑ جب کلام کرتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ اس کا دل پگھل جائے گا"۔ (بحارالانوار: ۴۵/۱۱۴)

"کشف الغمہ" میں عاصم سے منقول ہے کہ زر نے کہا پہلا سر جو اہل اسلام میں نیزے پر سوار کیا گیا وہ امام حسینؑ کا سر تھا۔ اور میں نے اس دن سے زیادہ رونے والوں کو (کبھی) نہیں دیکھا۔ (تمقام زخار: ۲/۵۲۶)

ابن زیاد نے سرِ حسینؑ کو کوفہ کی گلی کوچوں اور قبائل میں پھرانے کے لئے روانہ کیا۔

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ اس نے کہا: نیزہ پر سوار یہ مقدس سر جب میرے گھر کے پاس سے گزرا تو میں اپنے بالا خانہ کے جھروکے میں بیٹھا تھا۔ جب یہ سر میرے برابر پہنچا تو میں نے سنا کہ وہ اس آیہ مبارکہ کی تلاوت کر رہا تھا۔

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا

"کیا تم گمان کرتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری واضح نشانیوں میں سے تھے"۔ (سورہ کہف آیہ ۹)

پس خدا کی قسم خوف و ہراس سے میرے بدن کے بال کھڑے ہوگئے۔ میں نے آواز دے کر کہا: اے فرزند رسولؐ! خدا کی قسم آپ کے سر کی کہانی اس سے بھی واضح تر اور حیرت انگیز ہے۔ (ارشاد ۲/۱۲۲)

(اہل سنت کے جن منابع میں امام حسینؑ کے سر مقدس کا نیزے پر کلام کرنا مذکور ہے وہ یہ ہیں۔ مفتاح النجاۃ فی مناقب آل العبا/ ۱۴۵ الخصائص الکبریٰ: ۲/ ۱۲۷، الکواکب الدریۃ/ ۵۷، اسعاف الراغبین/ ۲۱۸ نور الابصار/ ۱۲۵، مقدمہ لہوف/ ۱۴ طبع اسوہ کی طرف رجوع فرمائیں)

ابی مخنف نے حکایت بیان کی ہے کہ سہل شہرزوری حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر کوفہ پہنچا

تو کوفہ کو دگرگوں حالت میں دیکھا' بازار اور دکانیں بند تھیں اور لوگوں کا ہجوم تھا۔ کچھ ہنس رہے تھے کچھ رو رہے تھے۔ اس نے ایک آدمی سے سوال کیا کہ کیا خبر ہے؟ اسے شہادتِ حسینؑ کی خبر دی گئی۔ اسی حال میں قیدی اور شہداء کے سر کوفہ میں وارد ہوئے۔

آخر میں وہ رقم طراز ہے کہ ان نورانی سروں اور امامؑ کے اہل و عیال کو دروازہ بنی خزیمہ لے جانے کے لئے لایا گیا۔ ہم وہاں کافی دیر تک قیدیوں کو دیکھتے رہے مظلوموں کے سردار (حسینؑ) کا سر نیزے پر بلند تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے لب ہائے مبارک حرکت کر رہے ہیں۔ جب توجہ سے سنا تو سر مبارک سورۂ کہف پڑھ رہا تھا۔ جب اس آیت پر پہنچا:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا

سہل کہتا ہے: میں نے روتے ہوئے عرض کیا:

اے مولاؑ! آپ کا معاملہ عجیب تر اور عظیم تر ہے۔

(مقتل ابی مخنف/۱۶۲ ریاض القدس: ۲/۲۲۵' وقائع الایام تتمہ محرم ۲۲۱ تا ۲۲۳)

"روضۃ الاحباب" میں مرقوم ہے: جب ابن زیاد قافلہ اہل بیتؑ کے کوفہ سے نزدیک آجانے سے باخبر ہوا تو اس نے شہر کے پاسبانوں اور دیدہ بانوں کو حکم دیا کہ کوفہ کے لوگوں کو اطلاع دے دو کہ اہل بیتؑ کے (کوفہ میں) داخلے کے دن کوئی شخص اسلحہ لے کر گھر سے باہر نہ نکلے۔ اور دس ہزار سوار اور پیادے جو لشکر کے بہادروں میں سے تھے' شہر کوفہ کی شاہراہوں' راستوں' محلوں اور بازاروں میں گشت کرتے رہے' مبادا کہ قافلہ اہل بیتؑ کے گزرنے پر شیعانِ علیؑ جہاد کے لئے قیام نہ کردیں۔ (ناسخ التواریخ: ۳/۳۵)

maablib.org

کوفہ میں خطبہ زینبؑ

شیر دل ، شیر نظر ، شیر جگر ہے زینبؑ
اسداللہؑ کی بیٹی ہے اسد ہے زینبؑ
وہ جو ہے دونوں جہانوں کی عبادت سے گراں
تیری تقریر اسی وار کا قد ہے زینبؑ
(مشتاق حسین لکھنوی)

(بشیر بن خذیم حذیم بن شریک یا حذلم بن کثیر) کہتا ہے:

اس دن زینبؑ بنت علیؑ نے میری توجہ اپنی طرف جلب فرمائی' خدا کی قسم میں نے کسی سراپائے شرم وحیا بی بی کو آپ سے بڑھ کر سخنور نہیں دیکھا کیونکہ آپ نے یہ اندازِ گفتگو امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے سیکھا تھا۔ اسی طرح ہاتھ کے اشارے سے لوگوں سے کہا: خاموش ہو جاؤ۔ ان کے سانس سینوں میں رک گئے اور گھوڑوں کے گلوں میں جو "زنگھا" تھے ان کی حرکت تک رک گئی اس وقت آپؑ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلاةُ عَلٰی اَبِیْ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الْاَخْیَارِ ، اَمَّابَعْدُ ، یَااَهْلَ الْکُوْفَةِ! یَا اَهْلَ الْخَتْلِ وَالْغَدْرِ! اَتَبْکُوْنَ؟ فَلاَرَقَاتِ الدَّمْعَةُ وَلَا هَدَأَتِ الرَّنَّةُ اِنَّمَا مَثَلُکُمْ کَمَثَلِ الَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْکَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اِیْمَانَکُمْ دَخَلاً بَیْنَکُمْ اَلَاوَهَلْ فِیْکُمْ اِلَّا الصَّلَفُ وَالنَّطَفُ وَالصَّدْرُ الشَّنَفُ وَمَلَقُ الْاِمَاءِ وَغَمْزُ الْاَعْدَاءِ اَوْکَمَرْعٰی عَلٰی دِمْنَةٍ ' اَوْکَفِضَّةٍ

عَلٰی مَلْحُوْدَۃٍ اَلَاسَاءَ مَاقَدَّمَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وَفِي الْعَذَابِ اَنْتُمْ خَالِدُوْنَ. اَتَبْكُوْنَ وَتَنْتَحِبُوْنَ؟ اِیْ وَاللّٰهِ فَابْكُوا كَثِيْرًا وَاضْحَكُوا قَلِيْلًا، فَلَقَدْ ذَهَبْتُمْ بِعَارِهَا وَشَنَارِهَا (شَنَآنِهَا) وَلَنْ تَرْحَضُوهَا بِغَسْلٍ بَعْدَهَا اَبَدًا وَاَنّٰی تَرْحَضُوْنَ قَتْلَ سَلِيْلِ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ (النُّبُوَّةِ) وَمَعْدِنِ الرِّسَالَةِ وَسَيِّدِ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَلَاذِ خِيَرَتِكُمْ وَمَفْزَعِ نَازِلَتِكُمْ وَمَنَارِ حُجَّتِكُمْ وَمِدَرَةِ سُنَّتِكُمْ اَلَاسَاءَ مَاتَزِرُوْنَ، وَبُعْدًا لَكُمْ وَسُحْقًا، فَلَقَدْ خَابَ السَّعْيُ وَتَبَّتِ الْاَيْدِيْ وَخَسِرَتِ الصَّفْقَةُ وَبُؤْتُمْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْكُمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَيْلَكُمْ يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ، اَتَدْرُوْنَ اَیَّ كَبِدٍ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ فَرَيْتُمْ اَوْ اَیَّ كَرِيْمَةٍ لَهُ اَبْرَزْتُمْ! وَاَیَّ دَمٍ لَهُ سَفَكْتُمْ وَاَیَّ حُرْمَةٍ لَهُ اِنْتَهَكْتُمْ، وَلَقَدْ جِئْتُمْ بِهِمْ صَلْعَاءَ عَنْقَاءَ سَوْدَاءَ فَقْهَاءَ وَفِيْ بَعْضِهَا: خَرْقَاءَ شَوْهَاءِ كَطِلَاعِ الْاَرْضِ اَوْمَلَاءِ السَّمَاءِ وَاَفَعَجِبْتُمْ اِنْ مَطَرَتِ السَّمَاءُ دَمًا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی، وَاَنْتُمْ لَا تُنْصَرُوْنَ فَلَا يَسْتَخِفَنَّكُمُ الْمَهَلُ فَاِنَّهُ لَا يَحْفِزُهُ الْبِدَارُ وَلَا يَخَافُ فَوْتَ الثَّارِ وَاِنَّ رَبَّكُمْ لَبِالْمِرْصَادِ.

(مناقب شہر آشوب میں "كقصة علی محودة" ہے۔ قصہ سے عربی لغت میں گچ مراد ہے)

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے اور میرے جد محمد مصطفیٰؐ اور ان کی پاک اور برگزیدہ اولاد پر درود ہو۔ اے کوفہ کے لوگو! اے رنگ باز و اور بے وفاؤ! اب ہمارے حال پر گریہ کر رہے؟ تمہارے آنسو خشک نہ ہوں

اور تمہارا رونا (کبھی) ختم نہ ہو۔ تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو مضبوط تعلقات قائم کرنے کے بعد انہیں (خود ہی) توڑ دے اور اپنے استوار و محکم عہد و قسم کو ایک دوسرے کو فریب دینے اور فساد کاری کے لئے کام میں لائے۔ تم میں کیا فضیلت ہے؟ سوائے جھوٹ' بکواس' آلودگی اور کینہ سے بھرے سینوں کے۔ ظاہرا تم تملق کو کنیزوں کی طرح ہو اور بباطن نکتہ چینی کرنے والے دشمنوں کی طرح' یا تم اس سبزے کی طرح ہو جو گندگی کے ڈھیروں پر اُگتا ہے' یا اس سفیدی (گچ) کی طرح ہو جس سے مردے کی قبر کو سجاتے ہیں جان لو کہ اپنی آخرت کے لئے تم برا کردار آگے بھیج چکے ہو۔ جس کے سبب اللہ کے غضب میں گفتار ہو گے اور ہمیشہ کے لیے عذاب میں رہو گے۔ تم گریہ کرتے ہو؟ اور فریاد بلند کرتے ہو؟ ہاں خدا کی قسم تم اس سے بھی زیادہ روؤ گے اور بہت کم ہنسو گے کہ تم نے اپنے دامن کو عار و شرمندگی اور عیب پسندی سے آلودہ کر رکھا ہے جسے ہرگز دھو نہیں سکو گے۔ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو کہ خاتم نبوت اور معدن رسالت کے فرزند کے خون کو دھو سکو! جوانان اہل بہشت کے سردار کا خون۔۔ تمہارے نیکوں کی پناہ گاہ اور تمہیں پیش آنے والی ناگواریوں کی گریز گاہ، اور تمہارے لئے دلیل و حجت کے نور کے مینار اور تمہارے قوانین کے بزرگ و رہبر کا خون جان لو کہ تم بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہو۔ خدا کی رحمت سے دور ہو گئے ہو۔ تم نابود ہو گے اور تمہاری کوششیں ضائع جائیں گی۔ تمہارے ہاتھ کام سے کٹ جائیں گے (محروم ہو جائیں گے۔ اور تم اپنے معاملے میں نقصان دیکھو گے اور خدا کے غیظ و غضب کا شکار ہو گے۔ تمہارے نام پر ذلت و خواری اور بد بختی کا سکہ چلے گا۔

اے کوفیو! تمہاری بربادی ہو' تم جانتے ہو کہ تم نے کس طرح رسولؐ خدا کے جگر کو کاٹ ڈالا اور کس طرح پردہ نشینوں کو حرمِ رسولؐ سے باہر کھینچ لائے؟ اور کس طرح ان کا خون بہایا' اور کس طرح ان (مجاہدوں) کی حرمت کی ہتک کی؟ تمہارے اعمال کی کچل گنجی' گردن دراز ، بدصفت' بدنما' لمبے دانتوں والی' احمق اور بد خلق و بد قیافہ دلہن زمین کی وسعت اور آسمان کی گنجائش کے ساتھ تمہارے اوپر حیران ہے کہ آسمان نے اس واقعہ پر خون برسایا؟ تحقیق' عالم آخرت کا شکنجہ سخت تر ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔ مہلت تمہارے سر سے بوجھ ہلکا نہیں کرے گی اور تم غلط استفادہ نہ کرسکو گے کہ تمہاری پہلے ہی پکڑ ہو چکی ہے (یعنی سزا مل چکی ہے)۔ خدا کو کوئی جلدی نہیں ہے اور نہ ہی اسے انتقام کے اپنے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے تمہارا پروردگار تمہاری گھات میں ہے"۔

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم! میں نے اس دن لوگوں کو دیکھا کہ حیران و سرگرداں روتے پھرتے ہیں اور حیرت سے اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹ رہے ہیں۔

میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو میرے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ وہ اس قدر گریہ کر رہا تھا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی اور وہ کہتا تھا۔ میرے ماں باپ تم پر قربان تمہارے ضعیف تمام ضعیفوں سے بہترین' تمہارے جوان تمام جوانوں سے بہترین اور تمہاری عورتیں تمام عورتوں سے بہترین اور تمہاری نسل تمام نسلوں سے بہترین ہے۔ نہ ذلیل و خوار ہو سکتی ہے اور نہ شکست پذیر ہے۔

"احتجاج" کی روایت کے مطابق جناب علی بن الحسینؑ نے فرمایا:

يَاعَمَّةُ أُسْكُتِي فَفِي الْبَاقِي مِنَ الْمَاضِي اعْتِبَارٌ وَأَنْتِ بِحَمْدِ اللّٰهِ عَالِمَةٌ غَيْرُ مُعَلَّمَةٍ فَهِمَةٌ غَيْرُ مُفَهَّمَةٍ إِنَّ الْبُكَاءَ وَالْحَنِينَ لَا يَرُدَّانِ مَنْ قَدْ أَبَادَهُ الدَّهْرُ.

"پھوپھی جان! ٹھہر جاؤ بازماندگان (آئندہ آنے والوں) کے لئے گزشتگان (گزرے ہوؤں) سے عبرت ہے اور آپ بحمد اللہ بغیر استاد کی عالمہ اور بغیر مدرسے گئے دانا ہیں۔ بے شک گریہ ونالہ ہاتھ سے نکل گئے لوگوں کو واپس نہیں لا سکتا۔(فرمانِ امامؑ پر حضرت زینبؑ خاموش ہو گئیں)۔

(امالی شیخ طوسی :۱/۹۰ مجلس ۳ ح ۵۱ ولہوف/۱۴۶ مثیر الاحزان/۸۶ احتجاج :۲/۲۹ بحار الانوار ۴۵/۱۰۸ اور مقتل خوارزمی :۲/۴۰ عبارت کے قلیل اختلاف کے ساتھ)

جناب زینبؑ عالیہ کی شہادت کے باب میں آئے گا کہ ملائکہ اس مخدرۂ عصمت کی شہادت کے روز مجلس بپا کرتے ہیں اور اس معظمہ بی بی نے بازارِ کوفہ میں جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اسے پڑھتے ہیں اور گریہ کرتے ہیں۔(خصائص الزینبیہ/۴۱)

کیا غضب ہے نذرِ حاکم کے لیے شمرِ لعین
شاہؑ کا سر لے گیا زینبؑ کی چادر لے گیا
(مصطفیٰ جوہر)

کوفہ میں امام سجادؑ کا خطبہ

ہے شہسوار احمدِ مختار دیکھنا
آجائے اس کے ہاتھ نہ تلوار دیکھنا
زیب گلو ہے طوق، پڑیں پاؤں بیڑیاں
قیدی ہے کس کا عابدِ بیمار دیکھنا
(قائم نقوی)

اس کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ نے اشارہ فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ، تمام لوگ خاموش ہو گئے۔ آپؑ اٹھے اور سپاس خداوندی ادا کیا، پھر اللہ کی حمد و ثناء اور پیغمبر اکرمؐ کے نام پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا: "اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا میں اسے اپنی پہچان کروا دوں، میں علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب ہوں:

أَنَا ابْنُ مَنِ انْتُهِكَ حُرْمَتُهُ وَسُلِبَ نَعِيمُهُ وَانْتُهِبَ مَالُهُ وَسُبِيَ عِيَالُهُ أَنَا ابْنُ الْمَذْبُوحِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ مِنْ غَيْرِ ذَحْلٍ وَلَا تُرَاثٍ أَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْرًا وَكَفَى بِذٰلِكَ فَخْرًا.

"میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کے احترام کی ہتک اور توہین کی گئی، اور مال و اسباب لوٹ لئے گئے اور اہل و عیال کو قیدی بنا لیا گیا میں اس کا بیٹا ہوں کہ جسے فرات کے کنارے کسی سابقہ کینہ و عداوت اور بغیر کسی قسم کا خون بہا طلب کئے ذبح کر دیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جسے چاروں طرف سے گھیر کر مارا گیا۔ ان کے گرد حلقہ باندھ لیا گیا اور جو کچھ کسی کے ہاتھ

میں تھا۔ اس نے وہ آنحضرتؑ کے جسم اطہر پر مارا' اور آپ کو شہید کر دیا گیا۔ میرے لئے یہی فخر کافی ہے"۔

اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم! تم جانتے ہو کہ تمہیں لوگوں نے میرے باپ کو خطوط لکھے اور انہیں اپنے یہاں بلایا۔ ان سے عہد و پیمان باندھا، بیعت کی اور انہیں جنگ کے لئے ابھارا۔ تم کس منہ کے سے رسولؐ خدا سے نگاہیں ملاؤ گے؟ کہ جب وہ تم سے پوچھیں گے: تم نے میری عترت کو کیوں قتل کیا اور میرے احترام کی ہتک کیوں کی۔ تم میری امت میں سے نہیں ہو۔

راوی کہتا ہے: ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں اور وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: کاش! ہم مر گئے ہوتے۔ (لہوف/۱۵۷ مثیر الاحزان/۸۹' احتجاج:۲/۳۱' بحارالانوار:۴۵/۱۱۲)

خطبہ حضرت فاطمہ صغریٰؑ اور ام کلثومؑ

پھر حضرت فاطمہ صغریٰؑ نے خطبہ دیا۔ آپ نے حمد خداوندی' امیر المومنین (علیؑ) اور ان کے بیٹے امام حسنؑ کی مظلومیت کے بیان کے بعد اہل کوفہ کے بعض جرائم و جنایات کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد ام کلثومؑ بنت علیؑ نے ایک نازک سے پردے کے پیچھے سے اونچی آواز میں گریہ وزاری کرتے ہوئے خطبہ دیا، جس کے ضمن میں فرمایا:

"اے کوفہ کے لوگو! تم سراسر رسوائی ہو' کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں کون سی مصیبت دامن گیر ہوگی؟ اور تم نے کس گناہ کا بوجھ اپنی پشت پر اٹھایا اور کن لوگوں کا خون بہایا؟ اور کس عظیم ہستی سے مقابلہ کیا؟ اور کن بچوں کے لباس لوٹے' اور کن اموال کو تاراج کیا؟ تم نے رسولؐ خدا کے بعد سب سے بہترین لوگوں کو قتل کیا ہے"۔

راوی نقل کرتا ہے: لوگوں کی گریہ ونوحہ کی صدائیں بلند ہوئیں اور عورتوں نے اپنے بال کھول کر ان میں خاک ڈالی اور اپنے چہروں کو ناخنوں سے نوچ لیا۔ وہ اپنے چہروں پر پیٹتی تھیں اور واویلا کی صدا بلند کرتی تھیں۔ اور مرد گریہ کرتے اور اپنی داڑھیوں کو اکھاڑتے تھے۔ اور اس

سے پہلے کسی مرد اور عورت کو اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ (لہوف/۱۴۹تا۱۵۶اور مثیر الاحزان/۸۷ و بحار الانوار:۴۵/۱۱۰اور نفس المہموم/۳۹۶تا۳۹۹ سے رجوع کریں)

دربار ابن زیاد میں قیدیوں کی صدا

تیرہ محرم کو قیدیوں کے ہمراہ سید الشہداءؑ کے مقدس سر کو ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا۔

مرحوم سید بن طاؤس اور دوسروں نے روایت کی ہے: (قیدیوں اور شہداء کے مقدس سروں کو کوفہ شہر میں پھرانے کے بعد ابن زیاد اپنے مخصوص محل میں بیٹھا اور دربار عام میں سر حسینؑ کو لایا گیا اور اس کے سامنے رکھ دیا گیا اور قافلہ حسینی کے عورتوں اور بچوں کو بھی دربار میں پیش کیا گیا۔

حضرت زینبؑ بنت علیؑ بطور ناواقف اپنی جسم پر ادنیٰ ترین لباس پہنے دربار میں داخل ہوئیں اور ایک کونے میں بیٹھ گئیں جبکہ کنیزوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

ابن زیاد نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ زینب عالیہؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ دریافت کیا تو کنیزوں میں سے ایک نے کہا: یہ زینبؑ (بنت علیؑ و) فاطمہؑ رسولؐ خدا کی نواسی ہیں۔

ابن زیاد ملعون نے بی بی زینب کی طرف منہ کر کے کہا: میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ جس نے تمہیں ذلیل و رسوا اور قتل کیا اور جو کچھ تم لائے تھے (نبوت و امامت) تمہارے اس جھوٹ کو آشکار کر دیا۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا: میں اس خدائے متعال کی سپاس گزار ہوں کہ جس نے ہمیں اپنے رسول گرامی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا وسیلہ عطا فرمایا اور ہمیں ہر طرح کی رجس سے پاک و پاکیزہ فرمایا۔ بیشک فاسق رسوا ہوتے ہیں اور بدکار اور تباہ کار جھوٹ بولتے ہیں اور وہ تم ہو نہ کہ ہم۔

ابن زیاد (ملعون) نے کہا: تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے بھائی اور تمہارے خاندان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ حضرت زینبؑ نے فرمایا:

مَا رَأَيْتُ إِلَّا جَمِيلًا هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْقَتْلَ

فَبَرَزُوا اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ وَسَيَجْمَعُ اللّٰهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ فَتُحَاجُّ وَتُخَاصَمُ ، فَانْظُرْ لِمَنْ يَكُوْنُ الْفَلْجُ يَوْمَئِذٍ ، هَبِلَتْكَ اُمُّكَ يَاابْنَ مَرْجَانَةَ ۔

''ہم اللہ سے خیر وخوبی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے' یہ وہ لوگ تھے کہ خداوند متعال نے جن کے مقدروں میں شہادت کا تعین فرمایا تھا۔ لہٰذا یہ لوگ اپنی ازلی آرام گاہ کی طرف چلے گئے۔ اور بہت جلدی خدا تمہیں اور انہیں اکٹھا کرے گا تا کہ وہ تمہارا محاکمہ کریں۔ اے مرجانہ کے بیٹے! تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے' دیکھنا اس دن کس کی فتح ہوتی ہے؟''

ابن زیاد اس قدر غضب ناک ہوا کہ اس نے حضرت زینبؑ کے قتل کا ارادہ کرلیا۔

عمرو بن حریث نے کہا: عورتوں کی باتوں پر مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ ابن زیاد ملعون نے کہا: خدا نے میرے دل کو حسینؑ اور تمہارے خاندان کے دوسرے سرکشوں اور نافرمانوں سے شفا دی۔

حضرت زینبؑ نے رو کر فرمایا: اگر تمہارے دل کی شفا اس میں تھی تو مجھے اپنی جان کی قسم! تو نے ہمارے خاندان کے بزرگ کو شہید کیا، ہماری شاخوں کو کاٹا اور ہماری جڑوں کو کھودا۔

ابن زیاد نے کہا: یہ عورت کیسا مقفیٰ کلام کرتی ہے اور مجھے اپنی جان کی قسم لاریب اس کا باپ بھی قافیہ پرداز اور شاعر تھا۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا: اے زیاد کے بیٹے' عورت کو قافیہ پردازی سے کیا کام؟

پس ابن زیاد نے اپنا رخ حضرت علی بن الحسینؑ کی طرف کیا اور کہا: یہ کون ہے؟ کہا گیا: یہ علی بن الحسینؑ ہے۔

کہنے لگا: مگر علی بن الحسینؑ کو خدا نے قتل نہیں کردیا تھا؟

حضرتؑ نے فرمایا: میرا ایک بھائی تھا' اس کا نام بھی علیؑ تھا (تمہارے) لوگوں نے اسے قتل کردیا ہے۔

کہنے لگا: بلکہ خدا نے اسے قتل کیا ہے۔

امام سجادؑ نے (اس موقع پر) ایک آیہ قرآنی کی تلاوت فرمائی: ''خدا موت کے وقت جانوں کو نکالتا ہے''۔ (سورہ زمر' آیہ ۴۲)

ابن زیاد غضب ناک ہوا اور کہنے لگا: تم ابھی تک مجھے جواب دینے کی جرأت رکھتے ہو؟ اسے لے جاؤ اور اس کی گردن کاٹ دو۔

زینب عالیہ بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمایا: اے زیاد کے بیٹے! کیا تو کسی کو میرے لئے باقی نہ چھوڑے گا۔ اگر اسے قتل کرانے کا ارادہ رکھتے ہو تو مجھے بھی اس کے ساتھ ہی قتل کرا دو۔

امامؑ نے پھوپھی سے فرمایا: پھوپھی جان ٹھہر جایئے تا کہ میں اس سے بات کرسکوں۔ پھر اس ملعون کی طرف رخ کر کے فرمایا:

> اے ابن زیاد تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ مگر تو یہ نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہمارا فخریہ سرمایہ ہے۔ (لہوف/۱۶۰' ارشاد: ۱۱۹/۲' مثیر الاحزان/۹۰' مقتل خوارزمی: ۴۲/۲)

ابن زیاد نے حکم دیا کہ سر حسینؑ کو لایا جائے اور اسے اپنے سامنے رکھتے ہوئے اس پر نگاہ ڈالی اور مسکرایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی (عربی میں قضیب باریک سی چھڑی یا نازک سی شمشیر کو کہتے ہیں)

وہ لعین اسے امام عالی مقامؑ کے سامنے کے دانتوں پر مارتا تھا اس بے شرم حرام زادے کے پاس ہی صحابی رسول زید بن ارقم بیٹھے تھے اور وہ عمر رسیدہ بزرگ تھے۔ جب انہوں نے اس کی یہ حرکت دیکھی تو کہا: ان دو لبوں سے چھڑی ہٹا لو۔ مجھے خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں' میں نے رسولؐ خدا کے لبوں کو بارہا ان لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے بعد وہ رونے لگے۔

ابن زیاد ملعون نے کہا: خدا تمہاری آنکھوں کو رلائے! کیا تو اس فتح و نصرت پر رو رہا ہے جو ہمارا مقدر ہوئی ہے؟ اور اگر یہ نہیں تو تو پاگل بوڑھا ہو گیا ہے اور تمہاری عقل جواب دے گئی ہے۔ میں تمہاری گردن کاٹ دوں گا۔ زید بن ارقم اس کے سامنے سے اٹھے اور اپنے گھر

چلے گئے۔(ارشاد:۲/۱۱۹)

یہاں ابن نما نے اضافہ کیا ہے کہ زید بن ارقم نے کہا: اے ابن زیاد! میں تمہارے لئے ایک اور حدیث نقل کروں تاکہ تمہارا غصہ اور بڑھ جائے۔ میں نے دیکھا کہ رسولؐ خدا نے حضرت حسنؑ کو اپنے داہنے زانوں پر اور حضرت حسینؑ کو اپنے بائیں زانو پر بٹھایا' پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ان دونوں (شہزادوں) کے سروں پر رکھا اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْتَوْدِعُكَ اِيَّاهُمَا وَصَالِحَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

''خدایا میں ان دونوں صالح مومنین (کہ امیرالمومنینؑ ہوگا) کو تیری پناہ میں دیتا ہوں''۔

تمہاری رسولؐ خدا سے امانت داری کا کیا حال ہوگا؟ (مثیر الاحزان/۹۲)

انس بن مالک نقل کرتا ہے: میں نے دیکھا ابن زیاد حسین علیہ السلام کے دانتوں پر چھڑی مارتا تھا اور کہتا تھا تمہارے دانت کتنے خوبصورت ہیں؟

میں نے کہا:

اَمَ وَاللّٰهِ لَاَسُوْءَ نَّكَ ' لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يُقَبِّلُ مَوْضِعَ قَضِيْبِكَ مِنْ فِيْهِ.

''خدا تجھے ذلیل و رسوا کرے جس جگہ تو چھڑی مار رہا ہے میں نے رسولؐ خدا کو اس (دہن مبارک) کو چومتے دیکھا ہے''۔(مثیر الاحزان/۹۱)

شیخ صدوقؒ نے ابن زیاد کے دربان سے روایت کی کہ جب امام حسینؑ کے سر کو ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے سونے کے ایک طشت میں اس کے سامنے رکھا جائے۔ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی ان کے دانتوں پر مارتا تھا اور کہتا تھا: اے ابا عبداللہ! تو جلدی بوڑھا ہوگیا۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: میں نے رسولؐ خدا کو دیکھا ہے کہ جس جگہ تم چھڑی مار رہے ہو وہ اس جگہ کو چومتے تھے۔ اس نے جواب میں کہا: آج روز بدر کے بدلہ کا دن ہے۔

پس حکم دیا کہ علیؑ بن الحسینؑ کو زنجیروں سے باندھ دیا جائے اور عورتوں اور قیدیوں (بچوں) کے ہمراہ زندان میں بند کر دیا جائے۔ (امالی صدوق/۱۶۵ م ۳۱ ح ۳' روضۃ الواعظین/۱۹۰)

بعض نے یہ اضافہ کیا ہے جب ابن زیاد نے کہا: تو کتنی جلدی بوڑھا ہو گیا ہے! تو جناب زینبؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: میرے بھائی بوڑھے نہ تھے' علی اکبرؑ کی موت نے انہیں بوڑھا کر دیا۔ (نہضت حسینی: ۲/۱۰۲)

تذکرۃ الخواص میں لکھا ہے: کہا جاتا ہے کہ بی بی ربابؑ بنت امراء القیس امام حسینؑ کی زوجہ' ابن زیاد کی مجلس میں میں اپنے شوہر کا سر اطہر دیکھ کر اس قدر بے تاب ہوئیں کہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور سر اطہر کو اس طشت سے اٹھا کر اپنے دامن میں رکھ لیا' بی بی اسے چومتی تھیں اور جاں گداز آہ و نالہ کرتی تھیں۔ (وقائع الایام خیابانی تتمہ محرم/۲۶۳)

سید بن طاؤسؒ رقم طراز ہیں۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ علیؑ بن الحسینؑ اور ان کے خاندان کو مسجد اعظم کے پاس واقع گھر میں لے جاؤ۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا کہ کوئی عرب زادہ حق نہیں رکھتی کہ وہ ہمیں دیکھنے آئے سوا کنیزوں کے کہ انہوں نے بھی ہماری طرح اسیری دیکھ رکھی ہے۔ (لہوف/۱۶۳)

"صاحب روضۃ الاحباب" کی روایت کے مطابق جو کہ اہل سنت کے اکابر میں سے تھے۔ ابن زیاد نے سر حسینؑ کو چھڑی سے مارنے کے بعد اٹھایا اور وہ آپ کے چہرے پر نگاہ دوڑا رہا تھا کہ اچانک اس کا ہاتھ لرزا اور سر مبارک اس کے زانو پر گر گیا اور اس کی ران پر خون کا ایک قطرہ گر پڑا، جو اس کے لباس سے گزر کر اس کی ران میں سوراخ کرتے ہوئے دوسری طرف سے باہر جا نکلا۔ اس زخم کا ہر چند علاج کیا گیا لیکن ٹھیک نہ ہوا۔ اس میں تعفن پیدا ہو گیا۔ ناچار اس پر مشک ملا جاتا تھا کہ اس کی بدبو لوگوں کو پریشان نہ کرے۔ (ناسخ التواریخ: ۳/۵۹)

ابن حجر نے جو کہ عامہ کے متعصبین میں سے ہے، نے نقل کیا ہے کہ جب سر حسینؑ کو ابن زیاد کے گھر لایا گیا تو دیواروں میں سے خون جاری ہو گیا۔ (نفس المہموم/۲۰۲' الصواعق المحرقہ/۱۹۲)

''تذکرہ'' میں ''طبقات ابن سعد'' سے منقول ہے کہ ابن زیاد کی ماں مرجانہ نے اپنے بیٹے سے کہا: اے خبیث! تو نے رسولؐ خدا کے بیٹے کو قتل کر دیا! خدا کی قسم تو ہرگز بہشت کو نہیں دیکھ سکے گا۔ (نفس المہموم/۲۰۶' تذکرۃ الخواص/۱۴۷)

آپ ملاحظہ کیجئے اس جرم و گناہ نے ابن زیاد کو کس قدر ذلیل و خوار کیا اور بات کہاں تک جا پہنچی کہ اس کی بدکار ماں نے بھی اسے سرزنش کی۔

''کامل السقیفہ'' میں تحریر ہے: اس دوران میں کہ جب مظلوموں کے بادشاہ کا سر کوفہ کے کوچہ و بازار اور اطراف شہر میں پھرایا جا رہا تھا' ایک لاکھ لوگ تماشا دیکھنے کے لئے باہر نکل آئے۔ وہ سر کے ہمراہ گشت کرتے پھرے۔ ان میں سے کچھ لوگ شادمان و مسرور تھے اور بعض نالہ و اندوہ میں مبتلا تھے۔

اور میرے (مولف کے) والد ''ریاض الاحزان'' میں لکھتے ہیں: زیاد کے خوف سے کسی میں جرأت نہ تھی کہ قیدیوں کی حمایت یا شفاعت کرے۔ (ریاض القدس۲/۲۳۹)

گلے میں طوق ہیں پاؤں میں بیڑیاں ہیں حسنؔ
علیؑ کا سارا گھرانہ اسیر آتا ہے
(حسن رضوی)

عبداللہ بن عفیف کی شہادت

سید بن طاؤس اور شیخ مفیدؒ رقم طراز ہیں: ابن زیاد اپنی جگہ سے اٹھ کر محل سے باہر آیا۔ وہ مسجد میں داخل ہو کر منبر پر گیا اور کہا: خدا کا شکر ہے کہ جس نے حق اور اہل حق کو کامیابی عطا کی اور امیر المومنین یزید اور اس کے پیروں کی مدد کی اور معاذ اللہ) دروغ گو ابن دروغ گو اور اس کے پیرووں کو قتل کیا۔

اس اثنا میں عبداللہ بن عفیف ازدی جو کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے بزرگ شیعوں میں سے تھے اور زاہدوں اور عابدوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور ان کی بائیں آنکھ جنگِ جمل میں جب کہ دوسری (داہنی) آنکھ جنگِ صفین میں ضائع ہو چکی تھی۔ وہ ہمیشہ مسجد میں رہتے تھے اور اپنے اکثر اوقات نماز و روزہ میں گزارتے تھے' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: اے دشمن خدا! یقیناً تو اور تیرا باپ دروغ گو ہیں۔ اور وہ دروغ گو ہے جس شخص نے تجھے فرماں روا بنایا ہے' اور اس کا باپ دروغ گو ہے۔ اے مرجانہ کے بیٹے! تو پیغمبرؐ کے بیٹے کو قتل کر کے صدیقین کی جگہ منبر نشین ہے اور ہر بری بات جو تو چاہتا ہے زبان سے بک رہا ہے۔

ابن زیاد غضب ناک ہوا اور کہنے لگا: یہ کون شخص بات کر رہا ہے؟

عبداللہ نے کہا: دشمن خدا! میں کہہ رہا ہوں' تو نے اس پاکیزہ خاندان کو قتل کیا ہے کہ خداوند متعال نے جن سے رجس (پلیدی) کو دور کیا ہے اور پھر بھی تو گمان کرتا ہے کہ تو مسلمان ہے۔ کہاں ہیں مہاجرین اور انصار کہ تجھ سرکش سے میرا انتقام لیں' جس شخص کو اور جس کے باپ کو رسولِ خدا نے ملعون کہا تھا۔

ابن زیاد اس قدر غضب ناک ہوا کہ اس کی گردن کی رگیں خون سے بھر گئیں اور اس نے

حکم دیا کہ اس شخص کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ سپاہی عبداللہ بن عفیف کو پکڑنا ہی چاہتے تھے کہ قبیلہ ازد کے سات سو افراد مانع ہوئے اور انہیں مسجد سے نکال باہر لے گئے اور گھر تک پہنچا دیا۔ جب رات ہوئی تو ابن زیاد نے ایک بڑے گروہ کو محمد بن اشعث کی سربراہی میں عبداللہ کے گھر بھیجا۔ ان (ظالموں) نے دروازہ توڑا اور گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ عبداللہ بن عفیف نے نابینا ہونے کے باوجود تلوار نکال لی اور اپنی بیٹی کی رہنمائی سے کافی دیر تک اپنا دفاع کیا۔ آخرکار ان سپاہیوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا اور پکڑ کر عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے گئے۔

عبداللہ بن عفیف نے کہا: میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جو عالمین کا پروردگار ہے۔ میں نے اس دن سے بھی پہلے کہ جب تیری ماں نے تجھے جنا تھا، خدا سے آرزوئے شہادت کی تھی اور خواہش کی تھی کہ میری شہادت خدا کے نزدیک ملعون ترین اور مبغوض ترین شخص کے ہاتھوں سے انجام پذیر ہو۔ جب سے میری آنکھ ضائع ہو گئی میں شہادت سے مایوس ہو گیا تھا، لیکن اب خدا کا شکرگزار ہوں کہ جس نے ناامیدی کے بعد بھی شہادت کو میرا مقدر بنایا اور میری وہ دعا قبول ہوئی جو میں نے کافی عرصہ پہلے کی تھی۔

ابن زیاد نے کہا: اس کی گردن مار دو۔ عبداللہ کی گردن کاٹ دی گئی اور سنجہ میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ (لہوف/۱۶۳، ارشاد: ۲/۱۲۱، مثیر الاحزان/۹۲)

شام کی طرف روانگی

ہیں اُونٹوں پہ مقید بیبیاں بے مقنع و چادر
اور اِک بیمار ننگے پاؤں ہے کانٹوں پہ چلتا ہے
(مولانا مصطفیٰ جوہر)

ابن زیاد نے حاکم مدینہ کو ایک خط لکھا اور اسے اس واقعہ سے باخبر کیا اور ایک خط یزید کو لکھا جس میں اسے شہادتِ حسینؑ اور آپؑ کے اہل وعیال کے احوال سے مطلع کیا (اور اس سے کسب تکلیف کی)

یزید ملعون نے اس کے خط کے جواب میں لکھا کہ حسینؑ کے کٹے ہوئے سر اور دوسرے شہداء کے سروں کو (لوٹ کے مال و اسباب اور آپؑ کے عورتوں اور بچوں سمیت شام بھیج دو۔ لہٰذا ابن زیاد نے مخضر بن ثعلبہ عاذی کو اس کام کے لئے مقرر کیا اور سروں' قیدیوں اور عورتوں کو اس کی تحویل میں دیا۔

مختصر انہیں کفار کے قیدیوں کی طرح شام لے گیا اس حال میں کہ شہروں اور قصبوں کے لوگ ان کا تماشا دیکھتے تھے۔ (لہوف/۱۶۹و۱۷۱)

تذکرۃ الخواص اور قمقام زخار سے استفادہ ہوتا ہے کہ پندرہ محرم کے دن ابن زیاد ملعون نے شہداء کے سروں اور امامؑ کے اہل بیت کو شام روانہ کیا۔ (وقائع الایام خیابانی تتمہ محرم /۲۷۲و۲۸۱' قمقام زخار: ۲/۵۳۲)

شیخ مفیدؒ رقم طراز ہیں: ابن زیاد نے حسین علیہ السلام کے سر اطہر اور ان کے ساتھیوں کے سروں کو زحر بن قیس کو دیا اور اس نے انہیں یزید کے پاس پہنچایا۔

ابن زیاد نے سرہائے مطہر کو شام روانہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو روانہ ہونے کے لئے تیار کیا جائے۔ اس نے حکم دیا کہ علی بن الحسینؑ کی گردن میں بھاری طوق اور زنجیریں پہنائی جائیں اور انہیں سروں کے پیچھے پیچھے محفر بن ثعلبہ اور شمر بن ذی الجوشن کی تحویل میں روانہ کیا جائے۔ انہیں لایا گیا اور وہ اس گروہ سے آملے جن کے پاس شہداء کے سر تھے۔ علیؑ بن الحسینؑ نے تمام راستہ کسی سے کوئی گفتگو نہ کی۔ (ارشاد: ۲/۱۲۲)

سید بن طاؤس امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت باقر فرماتے ہیں: میں نے اپنے بابا علیؑ بن الحسینؑ سے ان کے یزید کے پاس لائے جانے کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا:

> ''مجھے ایک برہنہ اونٹ پر بغیر روپوش اور پالان کے سوار کیا گیا۔ سید الشہداء کا سر نیزہ پر بلند تھا اور بیبیاں میرے پیچھے بے کجاوہ اونٹوں پر سوار تھیں۔ اور ان کافروں اور نیزہ برادروں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ جب ہم میں سے کوئی روتا تھا تو وہ اس کے سر پر نیزے مارتے تھے۔ ہم اسی حال میں دمشق میں داخل ہوئے۔ جب شہر میں داخل ہوئے تو ایک منادی نے ندا دی: اے اہل شام! یہ اہل بیتؑ کے قیدی ہیں۔ (بحارالانوار: ۴۵/۱۵۴ اب ۳۹ ح ۲ جلاء العیون/۴۳۵)

کتاب ''تبر مذاب'' وغیرہ سے منقول ہے کہ شہداء کے سروں اور اسیرانِ اہل بیتؑ کے ہمراہ آنے والے کفار کی عادت یہ تھی کہ ہر منزل پر سرہائے مقدس کو صندوق سے باہر نکالتے اور نیزوں پر سوار کر دیتے اور روانگی کے وقت دوبارہ صندوق میں رکھ دیتے اور اکثر منازل پر شراب نوشی کرتے۔ ان جملہ کفار میں محفر بن ثعلبہ، زجر بن قیس، شمر اور خولی شامل تھے۔ (منتہی الآمال: ۱/۳۱۸)

یہ بھی منقول ہے کہ ابن زیاد نے سر مطہر کو قیدیوں کے ساتھ ہی بھیجا تھا اور بیبیاں، بچے اور رسولؐ خدا کی بیٹیاں اونٹوں کے کجاووں کے اوپر رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ (وقائع

الایام خیابانی تتمہ محرم/۲۸۲)

"ریاض الاحزان" میں ہے: عبارات سے جو استفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قیدی بے حجاب حالت میں اونٹوں پر سوار تھے۔ نہ انہوں نے مقنعہ اوڑھ رکھا تھا نہ ساتری اور نہ ہی ان کے لباس پورے تھے۔ وہ ترک و دیلم اور حبش کے قیدیوں کی طرح پریشان حال اور خوف زدہ تھے اور نہیں جانتے تھے کہ آخر ان کا کام کہاں انجام پذیر ہوگا اور ان پر کیا گزرے گی۔

تمام مخدرات کے ہاتھوں میں رسیاں بندھی ہوئی تھیں اور اونٹوں کے کجاووں کی لکڑیوں کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ بعض کو خچروں پر سوار کر کے لایا گیا۔ (ریاض القدس: ۲/ ۲۵۷)

عمادالدین طبریؒ رقم طراز ہیں: امام زین العابدینؑ کی گردن میں بھاری طوق پہنایا گیا جب کہ ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے۔ امامؑ سارا راستہ حمد و ثنائے خداوندی، تلاوتِ قرآن اور استغفار میں مشغول رہے اور سوائے مخدرات اہل بیتؑ کے کسی سے کوئی گفتگو نہ کی۔

اور جو ملعون امام حسینؑ کے سر مبارک کو کوفہ سے باہر لائے وہ عرب کے قبائل سے خوفزدہ تھے کہ وہ احتجاج کریں گے اور انہیں واپس ہونا پڑے گا۔ لہٰذا انہوں نے اصل راستے کو چھوڑ دیا اور خفیہ راستوں کو اپنایا۔ جب وہ کسی قبیلہ کے پاس پہنچتے تھے تو علوفہ طلب کرتے تھے اور کہتے تھے: ہمارے ساتھ خارجیوں کے سر ہیں۔ (کامل بہائی: ۲/ ۲۹۱)

بعض مورخین اور مقتل نویسوں مثلاً ابن مخنف نے (مقتل ابی مخنف ۱۸۰ تا ۱۹۲) کوفہ و شام کے راستے میں آنے والی منازل، اس سفر کے دوران ان پر کیا گزری اور ان سے کیا کیا کرامات سرزد ہوئیں کا تذکرہ کیا ہے؟ بعض مورخین نے راستے میں درپیش آنے والی مصیبتوں، امام حسین علیہ السلام کے سر مقدس کے معجزات اور متعدد مواقع پر سر امامؑ کے گفتگو کرنے نیز سقط حمل (امام حسینؑ کی ایک بیوی جو کہ حاملہ تھیں اور حلب کے نزدیک ایک پہاڑ پر ان کا حمل (جنین) سقط ہوگیا اور اسے پہاڑ کے دامن میں مدفون کیا گیا۔ اور یہ جگہ مشہد السقط اور مشہد الدکۃ کہلاتی ہے) کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ کچھ اس طرح کے اور واقعات بھی منقول ہیں کہ جن کے نقل کرنے سے ہم اجتناب کر رہے ہیں۔ یہ بھی منقول ہے ایک منزل سفر کے دوران میں امام حسین علیہ

السلام کی ایک بیٹی اونٹ سے گر گئی۔ اس نے فریاد کی "یَا عَمَّتَاہُ ،وَیَا زَینَبَاہُ " اے پھوپھی جان! اے زینب عالیہ" بی بی زینب نہایت اضطراب کی کیفیت میں اونٹ سے اتریں اور نالہ و زاری کرتے ہوئے بیابان میں چاروں طرف اسے تلاش کیا اور جب بچی کو تلاش نہ کر سکیں تو بے ہوش ہو گئیں۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بچی اونٹوں کے پاؤں کے نیچے آ کر جاں بحق ہو چکی ہے۔ بی بی نے یہ منظر دیکھ کر "وَاضَیعَتَاہُ ،وَوَاغُربَتَاہُ ، وَوَامِحنَتَاہُ" کا نالہ بلند کیا کہ آسمان و زمین کو ہلا کر رکھ دیا۔ (الطراز المذھب تاریخ حضرت زینب علیہ السلام :۱/۳۵۴)

غل بہ گردن مالک ملک وجود
از خجالت سربزیر افکندہ بود
چون ہلال یکشبہ زرد و ضعیف
زیر زنجیر گراں جسم نحیف
می شنید از ہر طرف دشنام بد
بود ساکت حاش للہ دم نزد

"ملک وجود کے مالک (امام سجادؑ) کی گردن میں طوق تھا اور آپ نے خجالت سے سر جھکا رکھا تھا۔ آپ کا نحیف بدن بھاری زنجیروں کے نیچے پہلی رات کے چاند کی طرح زرد اور کمزور محسوس ہو رہا تھا۔ آپ ہر طرف سے گالیاں سن رہے تھے مگر اللہ کی رضا کی خاطر خاموش تھے"۔

حامل مرتبت عرش مدینہ آیا
دیکھ اے روز سیہ! نور سفینہ آیا
قریہ قریہ فقط اک شور بپا ہے خالد
اے دمشق اٹھ ترے گھر چل کے مدینہ آیا
(خالد احمد)

دیرِ راہب کا واقعہ

اکثر شیعہ، سنی محدثین اور مورخین نے اپنی کتب میں اس واقعہ کو تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے، ان سب کے بیان کا حاصل گفتگو کچھ اس طرح ہے:

جب ابن زیاد ملعون کے لشکر نے دیرِ راہب کے نزدیک منزل کی تو انہوں نے امام حسینؑ کے سر کو صندوق میں رکھ دیا اور قطب راوندی کی روایت کے مطابق سر مبارک نیزے پر سوار کر رکھا تھا اور اس کے گرد بیٹھے خوف زدہ ہو رہے تھے۔ رات کا ایک حصہ انہوں نے شراب نوشی اور عیش و عشرت میں گزارا، پھر کھانے کا بندوبست کیا اور خورد و نوش میں مصروف ہو گئے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ دیر کی دیوار سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے ایک آہنی قلم سے دیوار پر یہ شعر لکھا:

أَتَرْجُوا أُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا
شَفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

''کیا وہ امت جس نے حسینؑ کو قتل کیا ہے روزِ قیامت اس کے ناناؐ سے شفاعت کی امیدوار ہو سکتی ہے؟''

لشکری بہت ڈرے اور بعض اٹھے کہ اس ہاتھ اور قلم کو پکڑ لیں، لیکن وہ غائب ہو گیا۔ جب وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئے تو وہ ہاتھ پھر نمودار ہوا اور یہ شعر تحریر کیا:

فَلَا وَاللّٰهِ لَيْسَ لَهُمْ شَفِيْعٌ
وَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الْعَذَابِ

''خدا کی قسم! قاتلانِ حسینؑ کے لئے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہو گا اور وہ قیامت کے دن عذاب کا مزا چکھیں گے''۔

کچھ لوگ دوبارہ اٹھے کہ اس ہاتھ کو پکڑ لیں لیکن وہ دوبارہ غائب ہو گیا۔ جب یہ لوگ اپنے کام میں مصروف ہو گئے تو تیسری بار پھر یہ ہاتھ مع قلم ظاہر ہوا اور یہ شعر لکھا:

وَقَدْ قَتَلُوا الْحُسَيْنَ بِحُكْمِ جَوْرٍ
وَخَالَفَ حُكْمُهُمْ حُكْمَ الْكِتَابِ

''ان لوگوں کی شفاعت کس طرح ہو سکتی ہے جنہوں نے ان ظالموں کے حکم سے حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا جن کا حکم خدا کے حکم کے مخالف تھا''۔

جب انہوں نے یہ دیکھا تو غذا ان کے لئے ناگوار ہو گئی اور وہ اسی حالت خوف میں سو گئے۔ آدھی رات کے وقت راہب کے کانوں نے ایک آواز سنی۔ جب اس نے توجہ کی تو کسی کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے سنا۔ وہ اٹھا اور دیر کے دروازے سے سر باہر نکال کر دیکھا کہ دیر کی دیوار کے ساتھ رکھے گئے صندوق سے آسمان کی طرف ایک عظیم نور بلند ہو رہا ہے۔ اور آسمان سے ملائکہ گروہ در گروہ نیچے اتر رہے ہیں اور وہ کہتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِاللّٰهِ
صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْكَ

راہب نے جب یہ دیکھا تو بہت متعجب اور خوفزدہ ہوا۔ اس نے صبح تک صبر کیا۔ جب صبح کی سفیدی نمودار ہوئی تو وہ اپنے دیر سے باہر نکلا اور لشکر کے درمیان میں پہنچ کر پوچھنے لگا اس لشکر کا سردار کون ہے؟ جواب ملا: خولی۔

وہ خولی کے نزدیک آیا اور کہنے لگا کہ اس صندوق میں کیا ہے؟ خولی نے کہا: حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر ہے۔

راہب نے کہا: اس کی ماں کا نام کیا ہے؟

جواب ملا فاطمہ زہراؑ بنت محمد مصطفےٰؐ

راہب کہنے لگا: تم پر ہلاکت ہو تم نے یہ کیا کر دیا یقیناً ہمارے علماء و احبار نے سچ کہا تھا کہ جب یہ ہستی شہید ہو گی تو آسمان سے خون برسے گا اور ایسا کسی پیغمبر یا وصی پیغمبرؐ کے قتل کے

بغیر ناممکن ہے۔ اب میں تم لوگوں سے خواہش کرتا ہوں کہ ایک گھنٹے کے لئے یہ سر مجھے دو پہر میں تمہیں واپس کردوں گا۔ یہ کہنے لگے: ہم اس سر کو سوائے یزید کے دربار کے کہ جہاں سے ہمیں انعام ملے گا۔ (صندوق سے) باہر نہیں نکال سکتے

راہب نے کہا: تم کتنا انعام لینا چاہتے ہو۔

کہنے لگے: دس ہزار درہم سے بھرا کیسہ۔

راہب نے کہا: یہ رقم میں بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔ وہ ایک تھیلی لایا کہ جس میں دس ہزار درہم موجود تھے۔ خولی نے یہ رقم وصول کر کے سر مبارک ایک گھنٹے کے لئے راہب کے سپرد کردیا۔

راہب اس سر کو اپنے صومعہ میں لے گیا۔ گلاب کے عرق سے اسے دھویا اور مشک و کافور سے معطر کیا اور اپنے مصلے پر بیٹھ کر گریہ و نالہ کرنے لگا۔ وہ اس سر منور سے کہتا تھا: اے ابا عبداللہ ! میرے دل پر بوجھ ہے کہ میں کربلا میں موجود نہیں تھا اور آپ پر اپنی جان قربان نہ کرسکا۔

اے ابا عبداللہ ! جب آپ اپنے نانا سے ملاقات کریں تو گواہی دینا کہ میں نے کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے اور آپ کے سامنے حلقہ بگوش اسلام ہوگیا ہوں۔

پس یہ راہب مسلمان ہوگیا اور جو لوگ اس کے پاس تھے وہ بھی مسلمان ہوگئے اور سر مقدس (حسب وعدہ) واپس لوٹا دیا۔

اس واقعہ کے بعد راہب اپنے صومعہ سے نکل آیا اور ایک کوہستان کے نزدیک زندگی بسر کرنے لگا۔ وہ ایک عرصہ زہد و عبادت میں گزارنے کے بعد اس دنیا سے انتقال کرگیا۔

لشکریوں نے کوچ کیا اور شام کے نزدیک پہنچ کر جب اس رقم کو تقسیم کرنا چاہا تو وہ مٹی بن چکی تھی اور ان درہموں کے ایک طرف لکھا تھا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ.

جب کہ دوسری طرف یہ تحریر تھا:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ.

خولی نے کہا اس کو کتمان کریں اور چھپا دیں اور کہا:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ خَيرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

(منتہی الآمال: ۱/۴۲۲، بحار الانوار: ۴۵/۱۸۵ سے رجوع کریں)

بعض نے یوں نقل کیا ہے کہ راہب نے سر مقدس سے عرض کیا: اے سرداران عالم کے سردار اور اے صاحبان عظمت سے عظیم! مجھے گمان ہے کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی توصیف خدا نے تورات اور انجیل میں کی ہے اور تاویل کی فضیلت آپ کو عطا فرمائی ہے تاکہ بنی آدم کے بزرگ اور سادات آپ پر گریہ و ندبہ کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو نام اور اوصاف کے حوالے سے پہچانوں۔ سر مبارک نے فرمایا:

أَنَا الْمَظْلُوْمُ أَنَا الْمَهْمُوْمُ ' أَنَا الْمَغْمُوْمُ ' أَنَا الَّذِيْ بِسَيْفِ الْعُدْوَانِ وَالظُّلْمِ قُتِلْتُ ' أَنَا الَّذِي بِحَرْبِ أَهْلِ الْبَغْيِ ظُلِمْتُ ' أَنَا الَّذِيْ عَلٰى غَيْرِ جُرْمٍ نُهِبْتُ أَنَا الَّذِيْ مِنَ الْمَاءِ مُنِعْتُ أَنَا الَّذِيْ عَنِ الْأَهْلِ وَالْأَوْطَانِ بُعِدْتُ.

اس نصرانی نے کہا: اے سر آپ کو خدا کی قسم اس سے آگے (مزید) تعارف کروایئے۔

سر مبارک نے فرمایا:

أَنَا بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى أَنَا بْنُ عَلِيِّ الْمُرْتَضٰى أَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاء أَنَا بْنُ خَدِيْجَةَ الْكُبْرٰى ' أَنَا بْنُ الْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى أَنَا شَهِيْدُ كَرْبَلَا ' أَنَا قَتِيْلُ كَرْبَلَا ' أَنَا مَظْلُوْمُ كَرْبَلَا أَنَا عَطْشَانُ كَرْبَلَا ....

جب راہب کے شاگردوں نے یہ سب کچھ دیکھا تو وہ گریہ کرنے لگے اور اپنے زنار توڑ پھینکے اور امام زین العابدین کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ ہو۔

شام میں داخلہ اہل بیتؑ

ہتھکڑی ہاتھوں میں اور پاؤں میں بھاری زنجیر　　کھینچے تلواریں کئی اس کے پس پشت شریر
تھی یہ تاکید کہ چلنے میں نہ کیجیو تاخیر　　اور تھی ضعف سے اس قیدی کی حالت تغیر

کہتا تھا ظالمو! بے جرم ستاتے ہوئے مجھے
چل نہیں سکتا ہوں کھینچے لیے جاتے ہو مجھے

(میر انیس)

اہل بیت کو شہر کے باہر تین روز تک ٹھہرائے رکھا گیا تاکہ شہر کی آرائش کی جاسکے۔ شہر کی ہر طرح سے زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کی گئی کہ کسی نے ایسی آرائش پہلے نہ دیکھی ہوگی۔ پانچ صد ہزار مرد اور عورتیں دفیں لئے اور ان کے امیر طبل و کوس اور بوق و دھل لئے باہر آئے۔ اور ہزاروں جوان مردوں اور عورتوں نے ناچتے گاتے اور دفیں، چنگ اور رباب بجاتے ہوئے مظلوموں کے اس قافلے کا استقبال کیا۔ اہل شہر نے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگا رکھی تھی۔ وہ آنکھوں میں سرمہ لگائے اور فاخرہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ (کامل بہائی :۲/۲۹۲ اور یہ مضمون ریاض القدس :۲/۲۸۹ وغیرہ میں بھی ہے)

منقول ہے کہ سید الشہداء کا سر مقدس ماہ صفر کی پہلی تاریخ کو دمشق میں داخل ہوا اور اس دن کو بنی امیہ نے عید منائی۔ (مصباح کفعمی /۵۱۰ توضیح المقاصد شیخ بہائی، تقویم المحسنین فیض کاشانی /۵۱۰ نفس المہموم ۴۲۹ وغیرہ)

سید بن طاؤسؒ رقم طراز ہیں: کوئی سر حسینؑ کو اسیر عورتوں اور مردوں کے ہمراہ لائے۔ جب یہ دمشق کے نزدیک پہنچے ام کلثوم نے شمر کو، جو ان کے ساتھ ساتھ تھا، نزدیک جا کر فرمایا:

مجھے تجھ سے ایک حاجت ہے۔ کہنے لگا: کیا؟ بی بی نے فرمایا: ہمیں اس شہر میں اس دروازے سے داخل کرو جس میں تماشائی کم ہوں اور دوسرے ان سپاہیوں سے کہو کہ شہداء کے سروں کو ہمارے کجاووں کے درمیان سے نکال کر دور لے جائیں تاکہ ہم اس حال میں نظر آنے کی ذلت اور خواری سے بچ سکیں۔

شمر ملعون نے اس مقدسہ بی بی کی خواہش کے جواب میں اپنے دل میں موجود کینہ وعناد کے سبب الٹا حکم دیا کہ سروں کو نیزوں پر بلند کرو اور کجاووں کے درمیان تقسیم کردو اور اس حال میں اہل بیتؑ کو تماش بینوں کے درمیان پھرایا گیا۔ یہاں تک کہ انہیں دمشق کے دروازے پر لایا گیا اور جامع مسجد کے دروازے کے پلڑوں میں کھڑا رکھا گیا یعنی کہ جس جگہ قیدیوں پر نظر پڑ سکے۔ (لہوف/۱۷۴)

امام سجادؑ فرماتے ہیں: جب ہم اہل بیتؑ دروازۂ شام پر پہنچے تو ہمیں وہاں تین گھنٹے ٹھہرائے رکھا گیا تاکہ یزید سے اجازت لے لیں۔ اس کے بعد ہم دروازے میں داخل ہوئے۔ حالانکہ یہودی اور نصرانی بغیر اجازت کے داخل ہو رہے تھے۔ اس وجہ سے اس دروازے کو دروازہ ساعات کا نام دیا گیا ہے اور اس سے پہلے اسے دروازۂ حلب کہا جاتا تھا۔

اس سے بھی دشوار اور مشکل تر یہ کہ حضرتؑ فرماتے ہیں: ہمیں اول صبح کے وقت شام شہر میں داخل کیا گیا۔ اور غروب آفتاب کے نزدیک یہ عورتوں اور بھوکے پیاسے قیدی بچوں کا قافلہ یزید کے محل تک پہنچایا گیا (حالانکہ اس ملعون کے محل کا دروازہ چنداں دور نہ تھا)۔ دراصل یہ سارا وقت وہ ظالم اہل بیتؑ کو شام کے گلی کوچوں میں پھراتے رہے۔ (انوار الشہادۃ/۲۳۳ ف ۱۸)

صاحب مناقب نے اپنی اسناد کے ساتھ زید سے اور اس نے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کی ہے کہ سہل بن سعد نے کہا: میں ایک سفر کے دوران دمشق میں داخل ہوا تو دیکھا کہ شہر نہایت آباد و شاد ہے، درختوں کی فراوانی اور نہروں کی کثرت ہے، اونچے اونچے محل اور بے شمار گھر ہیں اور شہر کو بہت سجایا گیا ہے۔ پردے لٹک رہے ہیں، آدمی خوش و خرم ہیں اور عورتیں ساز بجانے میں مشغول ہیں۔

میں نے اپنے آپ سے کہا آج شاید عید کا دن ہے۔اور ایک گروہ سے پوچھا کہ شام میں عید ہے جس کا مجھے علم نہیں؟ انہوں نے کہا: اے شیخ: کیا تو اس شہر میں اجنبی ہے؟ میں نے کہا: میں سہل بن سعد صحابی رسولؐ خدا ہوں۔

یہ لوگ کہنے لگے :اے سہل ہمیں تعجب ہے کہ آسمان سے خون کیوں نہیں برستا اور زمین اپنے ساکنوں کو نگل کیوں نہیں لیتی!

میں نے کہا: کیوں؟ کہنے لگے کہ یہ فرحت وشادمانی اس لئے ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ کے سرمبارک کو عراق سے یزید کے لئے بطور ہدیہ لایا گیا ہے۔ میں نے کہا: یہ تعجب خیز بات ہے! کہ سرامام کو لایا جارہا ہے اور لوگ خوشیاں منا رہے ہیں؟۔

میں نے پوچھا: وہ کون سے دروازے سے داخل ہورہے ہیں؟

کہنے لگے : دروازۂ ساعات سے (میں اس دروازے کی طرف بڑھا جب اس کے نزدیک پہنچا) تو دیکھا کہ کفر وگمراہی کے پرچم یکے بعد دیگرے آرہے ہیں اور ایک سوار ہے کہ جس کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور اس پر رسولؐ خدا سے مشابہ ترین پاک سرمبارک ہے۔اور اس کے پیچھے عورتوں اور بچوں کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے لایا جارہا ہے۔ میں ان میں سے ایک کے پاس گیا اور پوچھا تم کون ہو؟

اس نے کہا: میں امام حسینؑ کی بیٹی سکینہؑ ہوں۔

میں نے کہا: میں آپ کے جد (محمد مصطفیؐ) کے صحابہ میں سے ہوں اور میرا نام سہل بن سعد ہے اگر کوئی حاجت ہے تو بتائیں کہ میں پوری کروں؟

شہزادی سکینہؑ نے فرمایا: وہ شخص جو میرے بابا کا سر اٹھائے ہوئے ہے اسے کہیں کہ (وہ ہمارے درمیان سے باہر نکل جائے) اور سر کو آگے آگے لے کر چلے (تاکہ لوگ اس سر منور کو دیکھنے میں مشغول رہیں اور رسولؐ خدا کے حرم پر نگاہ نہ کریں۔

سعد کہتا ہے: میں اس ملعون کے نزدیک گیا اور کہا: کیا تم میری ایک حاجت پوری کرو گے اس کے عوض مجھ سے چار سو طلائی دینار لے لو؟

کہنے لگا: تمہاری حاجت کیا ہے؟

میں نے کہا: اس سر کو خواتین کے درمیان سے نکال لو اور ان کے آگے لے چلو۔ اس ملعون نے مجھ سے رقم لی اور میری حاجت پوری کر دی۔ (بحار الانوار: ۴۵/ ۱۲۷)

علامہ مجلسیؒ نے "جلاء العیون" میں اس حدیث کو بعض معتبر کتابوں سے نقل کیا ہے اور آخر میں اضافہ فرمایا ہے کہ:

ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق جب اس ملعون نے چاہا کہ اس رقم کو مصرف میں لائے تو دیکھا کہ وہ طلا سنگ سیاہ بن چکا ہے اور اس کی ایک طرف مرقوم تھا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔

اور دوسری طرف مرقوم ہے:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (جلاء العیون/ ۴۳۶)

قطب راوندی نے منہال بن عمر سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: خدا کی قسم دمشق میں وہ لوگ امام حسینؑ کا سر مبارک نیزہ پر سوار کیے ہوئے تھے اور آپ جناب کے سامنے سورۂ کہف کی تلاوت کر رہے تھے، جب وہ اس آیت پر پہنچے: أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا تو قدرت خداوندی سے امام حسین کا سر گویا ہوا اور آپ نے زبان فصیح میں فرمایا: میرا معاملہ اصحاب کہف کے قصہ سے بھی عجیب ہے۔

دمشق میں امام حسینؑ کے سر کے کلام کرنے کے سلسلے میں شیعہ منابع الفضائل الخمسہ: ۲/ ۲۹۹، احقاق الحق: ۱۱/ ۴۵۲ اور عامہ کی مختصر تاریخ دمشق: ۴/۳۵/ ۲۷ کی طرف رجوع فرمائیں۔

وہ کافر سید المرسلین کے حرم پاک اور اولاد اطہار کو دوبارہ جامع دمشق مسجد کے دروازے پر لائے جو قیدیوں کے لئے مخصوص جگہ تھی (جلاء العیون/ ۴۳۶)

راوی کہتا ہے: (اہل شام) میں سے ایک بوڑھا آدمی آیا اور مسجد کے دروازے پر کھڑے قافلۂ حسینؑ کے نزدیک آ کر کہنے لگا: شکر ہے اس خدا کا کہ جس نے تمہیں قتل کیا اور شہروں کو تمہارے مردوں سے آسودہ کیا اور یزید کو تم پر مسلط کیا۔

علی ابن الحسینؑ نے اس سے فرمایا: اے مرد ضعیف! کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ وہ کہنے لگا: ہاں۔

امام نے فرمایا: کیا تو نے یہ آیت پڑھی ہے۔

"قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى"

"اے رسول ان سے کہہ دو کہ تم سے کچھ اجر رسالت نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ تم میرے اقرباء سے محبت کرنا (سورہ شوریٰ آیہ ۲۳)

کہنے لگا: ہاں پڑھا ہے۔ امام نے فرمایا: ہم ہیں رسولؐ کے وہ اقربا جن کی دوستی کو اجر رسالت کہا گیا ہے۔

پھر فرمایا: کیا تو نے سورۂ بنی اسرائیل میں یہ آیت پڑھی ہے؟

وَآتِ ذِي الْقُرْبٰى حَقَّهٗ.

"اقرباء کا حق ادا کرو"

کہنے لگا: ہاں امام نے فرمایا: "وھذی القربی" ہم ہی وہ ہیں اقربا آنحضرت نے فرمایا: اے مرد ضعیف کیا تو نے یہ آیت پڑھی ہے؟

وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى۔ (سورہ انفال آیہ ۴۱)

"جان لو کہ جو کچھ تم فائدہ حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول اور اقربائے رسولؐ کا ہے"۔

کہنے لگا: ہاں امامؑ نے فرمایا: ہم ہی وہ اقربائے رسول ہیں پھر امامؑ نے فرمایا: کیا تم نے یہ آیت تلاوت کی ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (سورہ احزاب آیہ ۳۳)

"بے شک خدا نے ارادہ کرلیا ہے کہ اے اہل بیتؑ تم سے رجس کو دور

کردے اور تمہیں پاک و پاکیزہ فرمادے"۔

بوڑھا کہنے لگا: ہاں۔

امامؑ نے فرمایا: ہم ہی وہ اہل بیتؑ رسالت ہیں جن کی طہارت کی گواہی خود خداوند قدوس نے دی ہے۔

راوی کہتا ہے: وہ بوڑھا حیران و ساکت کھڑا تھا اور اپنے کہے پر اس کے چہرے پر پشیمانی کے آثار نمودار ہورہے تھے۔

اس نے ایک لحظے کے بعد کہا: تمہیں خدا کی قسم، تم وہی ہو جو تم نے کہا ہے؟

علی بن الحسینؑ نے فرمایا: خدا کی قسم بلاشک و شبہ ہم ہی وہ خاندان ہیں۔ مجھے اپنے جد رسول خداؐ کی قسم ہم ہی وہ خاندان ہیں۔

بوڑھا رونے لگا، اپنا عمامہ زمین پر پھینک دیا اور سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: بارالہا میں آل محمدؐ کے دشمنوں سے وہ جنوں میں سے ہیں یا انسانوں میں سے بیزار ہوں۔ پھر آپؑ سے عرض کرنے لگا: کیا میرے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟

امامؑ نے فرمایا: ہاں، اگر تم توبہ کرو تو خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تم ہمارے ساتھ ہوگے۔

عرض کرنے لگا: میں توبہ کرتا ہوں۔ جب اس واقعہ کی خبر یزید پلید کو ملی تو اس نے حکم دیا کہ اسے قتل کردیا جائے۔ (لہوف/۷۶، بحارالانوار: ۴۵/۱۲۹ اور اسی مضمون کو شیخ صدوق امالی /۱۶۶م ۳۱ ضمن حدیث ۳ میں لائے ہیں)

اس داستان کو ہندوشاہ بن سنجر بن عبداللہ صاحبی نخجوانی نے کتاب "تجارب السلف" میں اس فرق کے ساتھ کہ فقط آیہ شریفہ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ أَجْرًا سے استناد فرمایا ہے۔ اور آخر میں اضافہ کیا ہے کہ اس بوڑھے (شامی نے اپنی بات کے اختتام میں امام سجادؑ سے یوں کہا: خدا کی قسم میں ہرگز نہیں جانتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یزید اور اس کے عزیزوں کے علاوہ کوئی اور عزیز بھی رکھتے ہیں۔ پھر روتے ہوئے امام سے معذرت کی۔

کہا جاتا ہے کہ دمشق کے مشائخ میں سے ستر افراد نے طلاق' عتاق اور حج کی قسم کھائی کہ ہم یزید کے علاوہ کسی کو پیغمبر اکرمؐ کے رشتہ دار کے طور پر نہیں جانتے اور سب نے امام زین العابدین کے سامنے معذرت خواہی اور آہ و زاری کی اور امام نے سب کو معاف فرمایا (تجارب السلف/۶۹ طبع تہران درسال ۱۳۱۳ اور یہ کتاب ۷۲۳ میں تالیف ہوئی تھی)

عمر بن منذر ھمدانی کہتا ہے: میں نے ام کلثومؑ کو دیکھا کہ گویا فاطمہ زہراؑ تھیں۔ آپؑ کے سر پر ایک پرانی سی چادر تھی اور چہرے پر روبند باندھ رکھا تھا۔ میں ان کے نزدیک گیا اور امام زین العابدینؑ اور ان کے خاندان کی بیبیوں کو سلام کہا۔ وہ مجھ سے فرمانے لگے۔ اے مومن' اگر تم سے ہو سکے تو اس شخص کو جو سر حسین علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے کوئی چیز دو کہ سر کو آگے لے جائے کیونکہ ہم تماش بینوں کی وجہ سے سخت زحمت میں ہیں۔

میں نے اس سر بردار کو سو درہم دیئے تاکہ سر حسینؑ کو آگے لے جائے اور بیبیوں سے دور ہٹ جائے (کامل بہائی: ۲/۲۹۷)

ایک روایت میں منقول ہے کہ شام میں امام کے سر مبارک سے سنا گیا کہ آپ بار بار فرماتے تھے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

ایک دوسری روایت میں کہ جب اہل بیت عصمت و جلال کو دمشق میں داخل کیا گیا تو ابراہیم بن طلحہ امام زین العابدینؑ کے پاس آیا اور جنگ جمل میں اپنے سینہ پر کینہ پر لگنے والا زخم دکھا کر کہنے لگا: آخر کون شخص مغلوب ہوا؟

امام نے فرمایا: اگر تو چاہتا ہے کہ کون مغلوب ہوا ہے تو جب نماز کا وقت ہو تو اذان و اقامت کی طرف توجہ دینا اور دیکھنا کہ کس کا نام بلند ہوتا ہے؟ اور (یہ نام) قیامت کے دن تک بلند رہے گا۔ (جلاء العیون/۷۳۴)

دربار یزید

دربار میں زنداں سے طلب ہوتے ہیں قیدی
بے تاب ہیں' بے صبر ہیں' جی کھوتے ہیں قیدی

منہ گرد بھرے آنسوؤں سے دھوتے ہیں قیدی
بچوں کو لیے گودیوں میں روتے ہیں قیدی

ناقوں میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تن میں
دہشت سے ستم گاروں کی' لرزا ہے بدن میں

(میر انیسؔ)

جب یزید پلید اہل بیت اطہارؑ کے شام میں داخلے سے آگاہ ہوا تو اس نے حکم دیا کہ دربار کی زینت و آرائش کی جائے اور اہلِ شام کے معروف معزز بزرگوں اور سرداروں کو مدعو کیا گیا۔ انہیں سنہری کرسیوں پر بٹھایا گیا اور وہ خود مرصع تخت پر بیٹھا۔

قیدیوں کو شہداء کے سروں کے ساتھ محل سے باہر کھڑا کیا۔ مامورین داخلے کے لئے اس کی اجازت کے منتظر تھے۔ جب اجازت ملی تو قیدی رقت بار حالت میں اس شوم کی مجلس میں داخل ہوئے۔

سید بن طاؤس رقم طراز ہیں: امام حسینؑ کی کنیزوں' بیبیوں اور پسماندگان کو یکے بعد دیگرے قطار کی صورت میں رسیوں سے باندھے ہوئے یزید کی مجلس میں داخل کیا گیا۔ جب وہ اس کے سامنے اس حال میں کھڑے تھے تو علی بن الحسینؑ نے یزید سے فرمایا:

اُنْشِدُكَ بِاللّٰهِ يَايَزِيْدُ مَا ظَنُّكَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ لَوْرَآنَا عَلٰى هٰذِهِ الصِّفَةِ؟

"اے یزید! اللہ کو گواہ جان کر بتا کہ اگر رسول خدا ہمیں اس حالت میں

ملاحظہ فرمائیں تو کیا سوچیں گے؟"

یزید نے حکم دیا کہ ان کی رسیوں کو کاٹ دو۔ پھر سر حسینؑ کو اپنے سامنے رکھا اور بیبیوں کو اپنے سر کی پشت پر جگہ دی تا کہ وہ اسے نہ دیکھیں۔ لیکن حضرت زینبؑ نے جب کٹے ہوئے سر کو دیکھا' اپنے ہاتھ سے اپنا گریبان چاک فرمایا: اس کے بعد جاں سوز نالہ بلند کیا اور دل کو زخمی کر دینے والی آواز دی: اے حسینؑ! اے رسولؐ خدا کے حبیب' اے مکہ منیٰ کے فرزند' اے سیدۃ النساء فاطمہ زہراؑ کے بیٹے' اے دختر مصطفیٰؐ کے بیٹے۔

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم جو کوئی بھی اس مجلس میں موجود تھا گریہ کرنے لگا اور یزید ملعون بھی ساکت و خاموش بیٹھا تھا۔

پس یزید کے گھر میں موجود بنی ہاشم کی ایک عورت نے امام حسینؑ کے لئے نوحہ سرائی شروع کر دی اور آواز دی: اے میرے حبیب! اے میرے خاندان کے سردار' اے محمدؐ کے بیٹے' اے بیواؤں اور یتیموں کے سرپرست اور اے حرام زادوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے!

راوی کہتا ہے کہ جس کسی نے بھی اس کی آواز سنی رونے لگا۔

پس یزید ملعون نے خیزران کی چھڑی طلب کی اور اسے حسین علیہ السلام کے دندان مبارک پر مارنے لگا۔ ابو برزہ اسلمی نے یزید کی طرف منہ کر کے کہا: وائے ہو تجھ پر اے یزید! فاطمہ زہراؑ کے بیٹے حسینؑ کے دانتوں پر چھڑی مار رہے ہو؟ میں خود گواہ ہوں کہ پیغمبر اکرم حسینؑ اور اس کے بھائی حسنؑ کے دانتوں کو چومتے تھے اور فرماتے تھے: تم دونوں بہشت کے جوانوں کے سردار ہو خدا تمہیں مارنے والے کو مارے' اس پر لعنت کرے اور دوزخ جیسی بری جگہ کو اس کے لئے تیار رکھے۔

راوی کہتا ہے: یزید یہ بات سن کر غضب ناک ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو مجلس سے نکال دو۔ پس سپاہی اسے کھینچتے ہوئے دربار سے باہر لے گئے اور یزید نے یہ اشعار پڑھے۔

لَيْتَ أَشْيَاخِي بِبَدْرٍ شَهِدُوا

جَزَعَ الْخَزْرَجِ مِن وَقْعِ الْأَسَلِ

لَاَهِلُّوا وَاسْتَهَلُّوا فَرَحًا
ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيْدُ لَاتُشَلْ
قَدْ قَتَلْنَا الْقَوْمَ مِنْ سَادَاتِهِمْ
وَعَدَلْنَاهُ بِبَدْرٍ فَاعْتَدَلْ
لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالْمُلْكِ فَلَا
خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْيٌ نَزَلْ
لَسْتُ مِنْ خِنْدِفَ اِنْ لَمْ اَنْتَقِمْ
مِنْ بَنِي اَحْمَدَ مَا كَانَ فَعَلْ

"اے کاش میرے قبیلہ کے وہ بزرگ اور گزشتگان جو جنگ بدر میں قتل ہو گئے' قبیلہ خزرج کو نیزوں اور تلواروں کے آگے زاری کرتے ہوئے دیکھتے۔

وہ خوشی سے آواز دیتے اور کہتے: اے یزید تمہارے ہاتھ کو درد نہیں ہوا میں نے ان کے بہترین اور عظیم لوگوں کو قتل کیا ہے تا کہ بدر میں ہمارے مقتولین کا حساب برابر ہو جائے۔

خاندان بنی ہاشم سلطنت سے کھیلتے رہے نہ ان پر آسمان سے کوئی خبر نازل ہوئی اور نہ وحی اتری۔

میں خندف کا بیٹا نہیں ہوں کہ فرزندان احمد سے اس کا بدلہ نہ لوں جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا"۔ (لہوف/۷۸' بحارالانوار: ۴۵/۱۳۱)

ان اشعار کی اصل "ابن زبعریٰ" کی ہے اور کچھ شعر یزید کے اپنے ہیں۔ تمام مورخین نے ان کا ذکر نہیں کیا لیکن محدث قمی (منتہی الآمال: ۱/۴۳۰) نے ابن زبعری کے اشعار نقل کئے تا کہ یزید کے کفر آمیز شعر مشخص ہو جائیں۔ مقتل مقرم/۳۹۱ وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔

غزوہ بدر ہجرت کے دوسرے سال واقع ہوا۔ رسولؐ خدا نے ۳۱۳ مجاہدین کے ہمراہ اس

جنگ میں شرکت کی۔ چودہ افراد مسلمانوں میں سے اور ستر افراد قریش کے قتل ہوئے۔ جن میں سے چھتیس افراد امیر المومنین کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ ان جملہ مقتولین میں سے عتبہ معاویہ کی ماں کا جد (عتبہ معاویہ کی ماں کا باپ) اور ولید معاویہ کا ماموں اور عتبہ کا بیٹا) اور معاویہ کا بھائی حنظلہ امیر المومنینؑ کی تلوار سے واصل جہنم ہوئے۔

اس عبارت کی نظیر ابن نما نے بھی نقل کی ہے اور وہ رقم طراز ہے: علی بن الحسینؑ نے فرمایا: ہم بارہ افراد کو اس حال میں یزید کے پاس لایا گیا کہ ہم طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے تھے۔

فاطمہؑ بنت حسینؑ نے فرمایا: اے یزید! بھلا کوئی رسولؐ خدا کی بیٹیوں کو بھی قید کرتا ہے! اہل دربار اور یزید کے اہل خانہ یہ بات سن کر رو پڑے یہاں تک کہ گریہ وشیون کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ (مثیر الاحزان/ ۹۸ تا ۱۰۰)

شیخ صدوقؒ نے روایت کی ہے: خاندانِ حسینؑ کی بیبیوں کو جب یزید کے پاس لے جایا گیا (تو یہ منظر اس قدر رقت خیز تھا کہ) آل یزید کی عورتیں اور معاویہ کی بیٹیاں اور اس کے خاندان کے لوگ گریہ وزاری کرنے لگے اور ماتم برپا ہو گیا اور سر حسینؑ کو یزید کے پاس رکھا گیا حضرت سکینہؑ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ أَقْسٰى قَلْبًا مِنْ يَزِيْدَ وَلَا رَأَيْتُ كَافِرًا وَلَا مُشْرِكًا شَرًّا مِنْهُ وَلَا أَجْفٰى مِنْهُ

''خدا کی قسم! میں نے یزید سے زیادہ سخت دل انسان نہیں دیکھا اور کوئی کافر و مشرک بھی اس سے بدتر اور جفا کار نہیں ہوگا''۔

لَيْتَ أَشْيَاخِي بِبَدْرٍ شَهِدُوا جَزَعَ الْخَزْرَجِ مِنْ وَقْعِ الْأَسَلِ

''کاش میرے بزرگ جو بدر میں قتل ہوئے نیزوں اور تلواروں کے سامنے خزرج کا نالہ و فریاد دیکھتے''۔

فاطمہ بنت حسینؑ سے منقول ہے کہ جب ہمیں یزید کے پاس لایا گیا تو اس نے پہلے

بازہم پر رقت کی اور ہمارے ساتھ نرمی سے پیش آیا۔

اہل شام میں سے ایک سرخ چہرے والا آدمی اٹھا اور اس نے کہا: اے یزید! یہ کنیز مجھے عطا کردو۔ اس کا مقصود میں تھی۔ میں خوف و ہراس کا شکار ہوگئی کہ یزید کہیں ایسا کر نہ دے۔

میں نے اپنی بڑی بہن کا دامن تھام لیا۔ اس نے شامی سے کہا: تو جھوٹ بکتا ہے اور ملعون ہوگیا ہے یہ حق نہ تجھے ہے اور نہ اس (یزید) کو۔

یزید غصے میں آگیا اور کہنے لگا: تم نے جھوٹ بولا ہے اگر میں چاہوں تو یہ کام کرسکتا ہوں۔

بی بی نے فرمایا: نہیں خدا کی قسم' خدا نے یہ حق تمہیں نہیں دیا مگر اس وقت کہ جب تو ہماری ملت اور ہمارے دین سے خارج ہو جائے۔

یزید نے غضب ناک حالت میں کہا: مجھے اس طرح کہہ رہی ہو! تمہارا باپ اور بھائی دین سے خارج ہوں۔

بی بی نے جواب میں فرمایا: دین خدا میرے باپ' بھائی اور جد کے دین سے تم نے اور تمہارے باپ نے ہدایت پائی۔

یزید نے کہا: اے دشمن خدا تم جھوٹ کہہ رہی ہو۔

بی بی نے جواب میں فرمایا: امیر تو دیکھ کہ ظالموں کی طرح دشنام دیتا ہے اور اپنی سلطنت کو خود ہی مقہور کرتا ہے۔ یزید کو شرم محسوس ہوئی اور وہ خاموش ہوگیا۔

شامی نے دوبارہ کہا: یہ کنیز مجھے عطا کردیجئے۔ یزید نے کہا: خاموش ہو جاؤ' خدا تجھے حتمی موت دے۔ (امالی صدوق/۱۶۶م۳۱ ح ۳)

علامہ مجلسیؒ تحریر کرتے ہیں شیخ مفید' سید بن طاؤس اور دوسروں نے مختلف روایات سے فاطمہ بنت حسینؑ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب ہمیں مجلس یزید میں لے جایا گیا تو پہلے حال میں اس نے ہم پر رقت کی۔ پس اہل شام میں سے ایک سرخ بالوں والا شخص اٹھا اور کہنے لگا: اے یزید! یہ کنیز مجھے دے دو اور اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں خوف سے

لرز کر رہ گئی اور اپنی پھوپھی زینبؑ کے لباس کو تھام لیا۔ پھوپھی جان نے مجھے تسلی دی اور اس شامی سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے ملعون! تم اور یزید سے میں کوئی بھی اس طرح کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

دوسری روایت کے مطابق: جناب ام کلثومؑ نے اس شامی سے خطاب فرمایا: اے بدبخت خاموش ہو جاؤ۔ خدا تمہاری زبان قطع فرمائے اور تمہاری آنکھوں کو اندھا اور ہاتھوں کو خشک کرے اور تمہاری بازگشت جہنم کی طرف ہو۔ انبیاءؑ کی اولاد حرام زادوں کی خدمت گار نہیں بن سکتی۔

ابھی اس بزرگوار بی بی کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ خداوند کریم نے ان کی دعا مستجاب فرمائی اور اس شخص کی زبان گونگی آنکھیں اندھی اور ہاتھ خشک ہو گئے۔

بی بی ام کلثومؑ نے فرمایا: الحمد اللہ کہ اللہ نے عذاب وعقوبت کی کچھ مقدار تمہیں اس دنیا میں پہنچا دی ہے اور جو کوئی بھی رسولؐ خدا کے حرم سے معترض ہو اس کی یہی سزا ہے۔ (جلاء العیون/۳۴۱، بحار الانوار: ۴۵/ ۱۳۶ و ۱۳۷)

مسعودی کی ''اثبات الوصیہ'' میں ہے کہ جب حسین علیہ السلام شہید ہو گئے تو علیؑ بن الحسینؑ کو اہل حرم کے ہمراہ یزید کے سامنے لایا گیا۔ اور آپ کے فرزند ابو جعفر (امام محمد باقرؑ) جن کی عمر اس وقت دو سال اور کچھ ماہ تھی آپ کے ساتھ تھے۔ بہت سی روایت میں آیا ہے کہ وہ اول رجب یا سوم صفر سن ۵۷ ہجری میں اس دنیا میں تشریف لائے۔ لہٰذا ان کی عمر مبارک اس وقت چار (۴) سال بنتی ہے

جب یزید نے آنحضرتؑ کو دیکھا تو کہا: اے علیؑ (ان واقعات کو) تم نے کیسا پایا۔ فرمایا: جو کچھ خدائے عزوجل نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے قبل ہمارا مقدر کیا تھا وہ دیکھا ہے۔ یزید نے اہل دربار کے ساتھ امام کے بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے امام کے قتل کا مشورہ دیا اور زبان پر برا کلمہ لائے۔

پانچویں امام ابو جعفر (حضرت امام محمد باقرؑ) نے برائے کلام اپنے معصوم ہونٹ کھولے اور خداوند متعال کی حمد وثنا کے بعد یزید سے فرمایا: انہوں نے فرعون کے مشیروں کی رائے کے

خلاف رائے دی ہے جب فرعون نے موسیٰؑ و ہارونؑ کے بارے میں ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا:

ارجہ واخاہ

"اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو"۔

لیکن انہوں نے ہمارے قتل کی رائے دی ہے اور اس کی ایک وجہ ہے۔

یزید نے کہا اس کی وجہ کیا ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: وہ نجیب عورتوں کے حلال زادے تھے لیکن یہ بیوقوف عورتوں کے حرام زادے ہیں:

لَا يَقْتُلُ الْأَنْبِيَاءَ وَأَوْلَادَهُمْ إِلَّا أَوْلَادُ الْأَدْعِيَاءِ

"پیغمبروں اور ان کی اولادوں کو حرام زادوں کے سوا کوئی قتل نہیں کرتا"۔

یزید نے سر جھکا لیا اور اس ارادے سے باز آیا۔

اور "تذکرۃ السبط" میں آیا ہے کہ علی بن الحسینؑ بیبیوں کے ہمراہ رسی سے بندھے ہوئے تھے اور آپؑ نے فریاد کی: اے یزید! تمہارے گمان میں اگر رسولؐ خدا ہمیں رسی سے بندھے ہوئے اور بے پالان اونٹوں پر برہنہ سوار دیکھیں تو ان پر کیا گزرے گی؟ پس تمام حاضرین رونے لگے۔

شیخ مفید اور ابن شہر آشوب کہتے ہیں: جب سروں کو امام حسینؑ کے سر کے ہمراہ یزید کے نزدیک رکھا گیا تو وہ ایک دستی چوب سے امام کے سامنے کے دانتوں پر ٹھوکر مارتا اور کہتا: آج روز بدر کے بدلہ کا دن ہے۔ (نفس المہموم / ۴۳۷)

علی بن ابراہیم نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کے سر کو امام سجادؑ اور امیر المومنین علی علیہ السلام کی بیٹیوں کے ہمراہ یزید کے سامنے لایا گیا تو امام سجادؑ کے گلے میں طوق تھا۔ یزید ملعون نے آپ سے کہا: خدا کی حمد کہ جس نے تمہارے باپ کو قتل کیا۔

امام سجادؑ نے فرمایا: اس پر خدا کی لعنت کہ جس نے میرے باپ کو قتل کیا۔ یزید غضب ناک ہوا اور آپؑ کے قتل کا حکم دیا۔

آپؑ نے فرمایا: اگر تم مجھے قتل کردو گے تو رسولؐ خدا کی بیٹیوں کو اپنی منزل پر کون لے کر جائے گا کہ میرے سوا کوئی ان کا محرم نہیں ہے؟ یزید نے کہا: تم ان کو ان کی منزل پر واپس لے کر جاؤ گے۔ اس نے لوہار کو بلایا اور لوہار سے امام کے گلے میں پڑے طوق کو کٹوا دیا۔ اس کے بعد یزید نے یہ آیت پڑھی:

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ

"ہر مصیبت کہ جو تم نے اٹھائی وہ تمہارے انجام دیئے ہوئے اعمال کے سبب تھی"۔

امامؑ نے فرمایا: یہ آیہ ہمارے بارے میں ہرگز نازل نہیں ہوئی بلکہ جو ہمارے حال کے مطابق ہے اور ہمارے بارے میں ہے وہ یہ ہے:

"مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا" (سورہ حدید آیہ ۲۲)

"کوئی مصیبت اور تکلیف زمین میں اور تمہارے وجود میں نہیں پہنچتی مگر وہ کہ جو کتاب (لوح محفوظ) میں تمہارے وجود میں آنے سے پہلے ثبت تھی۔

پس وہ ہم ہیں کہ (امور دنیا) میں سے جو کچھ ہمارے ہاتھ سے چلا جائے ہم اس کا دکھ نہیں کرتے اور جو کچھ ہمارے ہاتھ لگے اس پر خوش نہیں ہوتے۔ (تفسیر قمی: ۲/۳۵۲، سورہ حدید ذیل آیہ، بحار الانوار: ۴۵/۱۶۸ ب ۳۹ ح ۱۴)

مرحوم مقرم نے متعدد (راویوں) سے نقل کیا ہے کہ قیدیوں کو دربار یزید میں لانے کے لئے ایک رسی لائی گئی اور انہیں (گوسفندوں کی طرح) باندھ دیا گیا۔ امام زین العابدینؑ کے گلے کی رسی کے ساتھ زینبؑ وام کلثومؑ اور تمام دختران رسولؐ بندھی ہوئی تھیں۔

اس حال میں انہیں یزید ملعون کے سامنے لایا گیا اور وہ اپنے تخت پر بیٹھا تھا۔ پس علیؑ بن الحسینؑ نے فرمایا: اگر رسولؐ خدا ہمیں اس حال میں دیکھیں تو کیا سوچیں گے؟

تمام حاضرین رونے لگے' یزید نے حکم دیا کہ رسی کو کاٹ دو۔ (مقتل مقرم/۴۴۹)

نیز منقول ہے کہ یزید نے امام حسینؑ کے سر کو سونے کے طشت میں رکھا اور بیبیاں اس کے سر کے پیچھے تھیں۔ سکینہؑ اور فاطمہؑ کھڑی ہوگئیں اور اپنی گردنیں اونچی کر کے باپ کے سر کو دیکھنے کی کوشش کرتی تھیں اور یزید ملعون (سر کو) ان سے چھپاتا تھا' جب وہ اسے دیکھتی تھیں تو صدائے گریہ بلند کرتی تھیں۔

اور تاریخ طبری (۴۶۵/۵) کامل ابن اثیر' تذکرۃ الخواص' صواعق المحرقہ' فروع ابن مفلح' مجمع الزوائد' فصول المہمۃ اور بدایہ ابن کثیر وغیرہ میں منقول ہے کہ یزید ملعون نے چھڑی اٹھائی اور امام حسینؑ کے دندانِ مبارک پر ماری۔ (مقتل مقرم/۴۵۵)

مرحوم نوری نے مستدرک میں نقل کیا ہے کہ جب سر مبارک یزید کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس نے چھڑی اٹھائی اور حسین علیہ السلام کے دندانِ مبارک پر ماری جس سے دندانِ مبارک ٹوٹ گئے۔ (معالی السبطین: ۹۴/۲)

مرحوم واعظ قزوینی تحریر کرتے ہیں: یزید نے اس دستی چھڑی کے ساتھ سونے کے اس طشت سے پردہ اٹھایا۔ جب اس کی نگاہ آنحضرت کے کٹے ہوئے سر پر پڑی تو اس کے دل کے اندر موجود کینہ مشتعل ہوگیا۔

فَجَعَلَ يَدُقُّ ثَنَايَاهُ

"اس نے اس چھڑی کے ہر دو طلائی سروں کے ساتھ حضرتؑ کے دانتوں کو مارنا شروع کردیا"۔

ابی مخنف چھڑی سے مارنے' اثر ہونے اور مارنے سے بالاتر رقم طراز ہے:

فَجَعَلَ يَزِيدُ يَنْكُثُ ثَنَايَا الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

"اپنی چھڑی کے ساتھ حضرت کے دانتوں (ثنایا) کو توڑ دیا"۔ (مقتل ابی

مخف/۲۰۲)

صاحب زبدہ الریاض بھی تحریر کرتے ہیں:

لَمَّا وُضِعَ الرَّأْسُ بَيْنَ يَدَيْهِ أَخَذَ قَضِيْبًا فَضَرَبَ بِهَا ثَنَايَا الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامِ حَتّٰى كُسِرَتْ

"جب سر مطہر کو اس کافر کے سامنے رکھا گیا تو اس نے ایک چھڑی ہاتھ میں پکڑی اور اس قدر ماری کہ آپؑ کے دانت ٹوٹ گئے"۔ (ریاض القدس: ۲/۲۹۶و۲۹۷)

یزید چوب مزن بر لبان عطشانم
کہ ھم غریبم وھم نور سیدہ مہمانم
اگر کہ چوب زنی در خفا بزن ظالم
مگر نمی شنوی نالہ یتیمانم

"یزید پیاسے ہونٹوں پر چھڑی نہ مار کہ ہم بے وطن وغریب اور نئے نئے آئے ہوئے مہمان ہیں۔ اگر چھڑی مارنی ہی ہے تو ظالم (ہم سے) چھپا کر مار مگر تو ہم یتیموں کا نالہ وفریاد سنتا ہی نہیں"۔

مجاہد کہتا ہے: اس روز جو کوئی وہاں تھا اس نے یزید کو گالیاں دیں اور ملامت کی اور اس سے ترکِ تعلق کر دیا۔ (تقمام زخار: ۲/۵۵۸)

امام زین العابدین سے روایت کی گئی ہے کہ جب حسین علیہ السلام کے کٹے ہوئے سر کو یزید کے پاس لایا گیا تو اس ملعون نے شراب نوشی کی محافل ترتیب دیں اور سر مبارک کو منگوا کر اپنے سامنے رکھا اور اس کے اوپر......

ایک دن بادشاہ روم کا سفیر کہ جو خود روم کے اشراف اور بزرگوں میں سے تھا' دربار یزید میں موجود تھا۔ اس نے کہا: اے شاہ عرب یہ کس کا سر ہے؟

یزید نے کہا: تمھیں اس سر سے کیا مطلب؟

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اس کی داستان کی رپورٹ اپنے بادشاہ کو سناؤں تاکہ وہ بھی تمہاری خوشی اور شادمانی میں شریک ہو۔ یزید ملعون نے کہا: یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر ہے۔

رومی نے کہا: اس کی ماں کون ہے؟

یزید نے کہا: فاطمہؑ بنت رسولؐ خدا۔

نصرانی کہنے لگا: تجھ پر اور تیرے دین پر لعنت میرا دین تمہارے دین سے بہتر ہے۔ اگر چہ میرا باپ حضرت داؤدؑ کی اولاد میں سے ہے اور میرے اور داؤد کے درمیان بہت سی پشتوں کا فاصلہ ہے، پھر بھی عیسائی مجھے بزرگ سمجھتے ہیں اور میرے پاؤں کی خاک کو بطور تبرک اٹھا لیتے ہیں اور تم نے رسولؐ خدا کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ حالانکہ اس کے اور پیغمبر کے درمیان ایک ماں سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ یہ کیسا دین ہے؟

اس کے بعد اس نے یزید کے لئے کلیسائے حاضر کی داستان بیان کی کہ سمندر کے وسط میں ایک شہر ہے اور وہاں بے شمار کلیسا ہیں ان سب سے عظیم کلیسائے حاضر ہے۔ جس کی محراب سے ایک طلائی حقہ آویزاں ہے، اس حقہ میں درمیان میں ایک ناخن ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ اس خچر کا ناخن ہے جس پر حضرت عیسیٰؑ نے سواری کی تھی۔

عیسائیوں نے اس حقہ کو حریر میں لپیٹ رکھا ہے اور ہر سال بہت زیادہ تعداد میں لوگ وہاں آتے ہیں اور اس کا طواف کرتے اور بوسہ لیتے ہیں۔ اور اس کے نزدیک آ کر خداوند متعال سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ یہ ہے ان کا عقیدہ اور وطیرہ اس دراز گوش کے ناخن کے بارے میں کہ جو ان کے گمان میں یہ ان کے پیغمبر کی سواری کے گدھے کا ناخن ہے۔ اور تم نے اپنے پیغمبرؐ کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے

یزید ملعون نے کہا: اس نصرانی کو قتل کر دیا جائے تاکہ ہماری آبرو کو اپنی سلطنت میں نہ لے جائے۔ جب نصرانی کو احساس ہو گیا کہ یزید اس کے قتل کے درپے ہے تو اس نے کہا: جان لو کہ کل رات میں نے تمہارے پیغمبرؐ کو خواب میں دیکھا ہے کہ مجھ سے فرماتے ہیں۔ اے

نصرانی! تو اہل بہشت میں سے ہے اور میں آنحضرتؐ کے اس کلام پر خوش ہوں۔

أَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً ا رَسُوْلُ اللّٰهِ

شہادتین کہنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور سر حسین علیہ السلام کو اٹھا کر سینے سے لگایا اسے چوما اور گریہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا گیا۔ (لہوف/۱۹۰ بحار الانوار: ۴۵/۱۴۱)

مقتل ابی مخنف میں ہے کہ راس الجالوت نے یزید کے ساتھ کلام کیا اور کہا: اے یزید! تمہیں خدا کی قسم بتاؤ کہ یہ کٹا ہوا سر کس کا ہے؟ اور اس کا گناہ کیا ہے؟

اس نے کہا یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر ہے کہ جس کی ماں فاطمہؑ ہمارے پیغمبر محمدؐ بن عبداللہ کی بیٹی تھیں۔

اس نے پوچھا: تو نے کس وجہ سے اسے قتل کیا ہے؟

یزید نے کہا: اہل عراق نے اسے خطوط لکھے اور دعوت دی کہ آ کر ان کے حاکم بن جاؤ۔ ہمارے حاکم عبداللہ بن زیاد نے اسے قتل کر دیا۔

رأس الجالوت نے کہا: وہ پیغمبر کی بیٹی کا بیٹا ہے کون اس سے زیادہ خلافت کا حق دار ہے!

اے یزید! جان لو کہ میرے اور حضرت داؤد کے درمیان تینتیس (۳۳) پشتوں کا فاصلہ ہے مگر ابھی تک یہودی میرا احترام کرتے ہیں۔ اور میرے پاؤں کی خاک کو بطور تبرک اٹھا کر اپنے سروں اور چہروں پر ملتے ہیں۔ میری موجودگی کے بغیر شادی نہیں کرتے اور میرے بغیر کسی کام کو صحیح نہیں سمجھتے۔ لیکن کل تک تمہارا پیغمبر تمہارے درمیان تھا اور آج تم نے اس کے فرزند کو قتل کر دیا ہے۔ خدا کی قسم تم سارے عالم کی امتوں سے بدترین امت ہو۔ یزید غضب ناک ہوا اور کہنے لگا۔ اگر ہمارے پیغمبرؐ نے یہ نہ فرمایا ہوتا۔

مَنْ آذٰی مُعَاهِدً اكُنْتُ خَصْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"جو کوئی ایسے شخص کو اذیت پہنچائے جس نے اسلام کے ساتھ کوئی معاہدہ کر رکھا ہو تو قیامت کے دن میں اس کا دشمن ہوں گا"۔

تو میں تمہاری جسارت پر تمہیں قتل کر دیتا۔

راس الجالوت نے کہا: اے یزید! کیا پیغمبر جس شخص سے معاہدہ کرے اسے اذیت پہنچانے والے کے دشمن ہیں تو جو ان کے بیٹے کو قتل کرے اس کے دشمن نہیں ہوں گے؟ میں ایسے پیغمبر پر قربان۔ اس کے بعد اس نے امام عالی مقامؑ کے کٹے ہوئے سر کی طرف رخ کر کے کہا: اے ابا عبداللہ! اپنے جدؐ کے حضور میرے گواہ رہنا' میں شہادت دیتا ہوں کہ ایک خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ آپؑ کے جد محمدؐ خدا کے بندے اور رسول ہیں۔

یزید نے حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ (ریاض القدس ۲/۲۹۹)

یہ داستان ریاض القدس کے مطابق تحریر کی گئی ہے لیکن مقتل ابی مخنف میں اس داستان کو بیان کرتے ہوئے تحریر ہے: اس کے اور داؤدؑ کے درمیان ایک سو تین پشتوں کا فاصلہ ہے۔

یزید ملعون پر اعتراض کرنے والوں میں سے ایک شخص مسیحوں کا سردار جاثلیق بھی تھا۔ وہ دربار یزید میں آیا تو اس کی نگاہ امام حسین علیہ السلام کے سونے کے طشت میں رکھے ہوئے سر پر پڑی تو وہ کہنے لگا یہ سر کس کا ہے؟

یزید نے کہا: یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر ہے جس کی ماں فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ ہے۔

جاثلیق نے کہا: اسے کس لئے قتل کیا گیا؟

یزید نے جواب دیا: اہل عراق نے اسے خلافت کے لئے بلایا تھا۔ میرے والی (فرماں روا) عبداللہ ابن زیاد نے اسے قتل کر دیا اور سر کو میرے پاس بھیج دیا۔

جاثلیق مسیحی نے کہا: اے یزید! جس ساعت میں میں کلیسا میں سویا پڑا تھا۔ میں نے گریہ و صیحہ کی آواز سنی اور دیکھا کہ آفتاب کی طرح کا ایک (روشن چہرہ) جوان آسمان سے فرشتوں کے ہمراہ نیچے اترا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟

مجھے بتایا گیا کہ پیغمبر اکرمؐ فرشتوں کے ہمراہ اپنے بیٹے حسینؑ کی عزاداری کر رہے تھا۔ اس کے بعد کہا: اے یزید! تجھ پر وائے ہو۔ خدا تجھے نیست و نابود کرے۔

یزید غصے میں آ گیا اور اس نے کہا: ہمارے خلاف جھوٹ خواب گھڑتے ہو؟ غلاموں

اسے پکڑ لو۔ (یزید کے غلام آئے اور اسے زمین پر گھسیٹتے ہوئے لے چلے) یزید نے حکم دیا کہ اسے پیٹو۔ اسے بہت بری طرح پیٹا گیا۔

جاثلیق نے اپنا منہ سید الشہداءؑ کے سر کی طرف کر کے آواز دی: یا ابا عبداللہؑ! اپنے ناناؐ کے حضور میرے لئے گواہ رہنا اور شہادتین کا اقرار کیا۔

یزید اور زیادہ غضب ناک ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اسے سولی پر چڑھا دو۔

جاثلیق نے کہا: یزید! جو تمہارا دل چاہتا ہے کرو۔ پیغمبر اکرمؐ میرے پاس کھڑے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں ایک نورانی لباس اور نورانی تاج ہے اور مجھ سے فرمارہے ہیں: تمہارے اور میرے درمیان اس تاج کو سر پر رکھنے اور اس لباس کو پہننے کے لئے، دنیا سے خارج ہونے کے علاوہ کچھ فاصلہ نہیں۔ اس کے بعد تو تم بہشت میں میرے رفیق ہو گے۔ پھر وہ یزید کے ہاتھوں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ (ناسخ التواریخ: ۳/۵۱؛ مقتل ابی مخنف/۲۰۴)

حدیث میں ہے کہ دو سر شراب کی محفل میں لائے گئے، پہلا پیغمبر خدا یحییٰؑ بن زکریا کا سر اور دوسرا وصی پیغمبر حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر۔

لیکن حضرت یحییٰؑ کا سر جب ان کے قاتل کی محفل شراب میں لایا گیا تو اس نے دیکھا کہ حضرت یحییٰؑ کے لب حرکت کر رہے ہیں۔ کہنے لگا: اسے میرے سامنے لاؤ۔ جب اس کے نزدیک لایا گیا تو اس نے سنا کہ حضرت یحییٰؑ اسے موعظہ فرما رہے تھے۔ ظالموں کو چاہیے کہ خدا سے ڈریں اور موت اور قیامت کے حجاب کی فکر کریں۔

جب اس نے یہ کلام سنا تو پشیمان ہوا اور کہنے لگا: تم نے اس کا سر کاٹ ڈالا اور اسے اس کے بدن کے ساتھ ملحق کر کے غسل دیا اور کفن پہنایا۔ اور ایک روایت کے مطابق حکم دیا کہ انہیں سات کفن پہنائے جائیں۔ لیکن جب امام حسینؑ کے سر کو ان کے قاتل یزید پلید کی محفل میں لایا گیا تو اس نے دیکھا کہ آپ کے لب ہائے مبارک حرکت کر رہے ہیں۔ کہنے لگا: اسے میرے نزدیک لاؤ کہ میں سنوں یہ کیا کہہ رہا ہے۔ جب نزدیک لایا گیا تو اس بے حیا نے سنا کہ آپ اس آیہ مبارکہ کی تلاوت فرما رہے ہیں:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ

جب یزید نے اس آیت کو سنا تو غضب ناک ہوا اور کہنے لگا۔ اے حسینؑ اب تک مجھے ڈراتے ہو اور سرزنش کرتے ہو! اس نے حکم دیا کہ خیزران کی چھڑی جو سخت ترین چھڑی ہے' حاضر کی جائے۔ اس ظالم اور بے رحم نے مظلومؑ کے خشک لبوں اور دانتوں پر اس چھڑی سے اشارہ کیا بلکہ غضب وغصہ سے مارا۔ صاحب عوالم نے روایت کی ہے:

إِنَّهُ يَضْرِبُ بِقَضِيْبِهِ أَنْفَ الْحُسَيْنِ وَعَيْنَيْهِ وَيَطْعَنُ فِي فَمِهِ الشَّرِيْفِ

''اپنی چھڑی کے ساتھ آنحضرت کی ناک' آنکھوں اور دہنِ مبارک پر ضربت لگائی''۔

اسی مضمون کی روایت ابن زیاد سے مروی ہے۔

اس سر کا یحییٰ علیہ السلام کے سر سے دوسرا فرق یہ تھا کہ یحییٰؑ کے سر پر کسی نے چھڑی نہیں ماری۔ اور جب یحییٰؑ کے سر کو قاتل کے دربار میں لایا گیا تو اس کے ہمراہ بیبیاں اور بچے بھی نہ تھے۔ لیکن جب مظلوم حسینؑ کے سر کو دربار یزید میں لایا گیا تو آپ کے اہلِ حرم' بیٹیاں اور بہنیں بھی حالت اسیری میں آپ کے سر کے ہمراہ تھیں۔

ایک شامی کا کہنا ہے جب امام حسینؑ کے سر کو یزید کے دربار میں لایا گیا تو اس حرام زادے نے اس سرِ اقدس پر چھڑی مارنا شروع کر دی۔ میں نے ایک تین سالہ بچی کو دیکھا جو یزید کے برابر کھڑی تھی کہ جب وہ ملعون سر مطہر پر چھڑی مارتا تھا وہ بچی اپنے ہاتھوں کو اوپر لے جاتی اور اپنے سر اور چہرے پر مارتی اور کہتی تھی:

يَا أَبَتَاهُ ' لَيْتَنِيْ كُنْتُ عَمْيَاءَ وَلَا أَرَاكَ بِهٰذَا الْحَالِ ' يَا أَبَتَاهُ' لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ وَلَا أَرٰى رَأْسَكَ مُخَضَّبًا بِالدِّمَاءِ وَمَضْرُوْبًا بِرُمْحِ الْأَعْدَاءِ

''اے بابا جان! کاش میں اندھی ہوتی اور آپ کو اس حال میں نہ دیکھتی۔

اے پدر! کاش اس سے پہلے میں مرگئی ہوتی اور آپ کے کٹے ہوئے سر کو اس حالت میں نہ دیکھتی کہ دشمن اس پر چھڑیاں اور نیزے مار رہے ہیں۔ اوراس طرح ہمارے دل کو جلاتے ہیں اور ہمیں محفل میں خوار و ذلیل کرتے ہیں"۔

اس شامی کا کہنا ہے کہ میں نے پوچھا یہ بچی کون ہے؟

کہا گیا: یہ حسینؑ کی بیٹی ہے۔

میں نے اس کے پہلو میں ایک عورت کو دیکھا کہ جو دست بستہ اور گریاں چشم کھڑی تھی اور سوز دل سے نالہ وفریاد کرتی تھی اور اس کی آنکھوں سے اشکِ حسرت رواں تھے۔ اور آہستہ آہستہ کہتی تھی: اے بھائی! کاش آپؑ کی بہن زینبؑ مرگئی ہوتی اور آپ کو اس حال میں نہ دیکھتی۔

وہ شامی کہتا ہے: جب میں نے ان قیدیوں کا یہ حال زار دیکھا تو میرا دل سوختہ ہوگیا اور میں صبر نہ کرسکا اور محفل یزید سے باہر نکل گیا۔ (انوار الشہادۃ/۳۶ف۲)

شیخ صدوقؒ نے امام رضا علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

جس وقت امام حسین علیہ السلام کے سر کو شام میں لایا گیا' یزید نے حکم دیا کہ دستر خوان بچھایا جائے اور اس دستر خوان پر بیٹھ کر کھایا پیا اور شراب نوشی کی جائے۔ جب فارغ ہوگیا تو حکم دیا کہ سر مبارک کو میرے تخت کے نیچے رکھ دیا جائے اور پھر سر حسینؑ کے اوپر شطرنج رکھ کر شطرنج کھیلنا شروع کردیا اور ساتھ ساتھ وہ امام حسینؑ اور ان کے والد اور جد کا مذاق اڑاتا تھا۔ اس حدیث کے آخر میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَمَنْ كَانَ مِنْ شِيْعَتِنَا فَلْيَتَوَرَّعْ عَنْ شُرْبِ الْفُقَّاعِ وَاللَّعْبِ بِالشَّطْرَنْجِ وَمَنْ نَظَرَ إِلَى الْفُقَّاعِ أَوْ إِلَى الشَّطْرَنْجِ فَلْيَذْكُرِ الْحُسَيْنَ وَلْيَلْعَنْ يَزِيْدَ وَآلَ زِيَادٍ يَمْحُواللهُ عَزَّوَجَلَّ بِذٰلِكَ

ذُنُوبَهُ وَلَوْ كَانَتْ كَعَدَدِ النُّجُومِ

"جو شخص ہمارے شیعوں میں سے ہوگا وہ آب جو (فقاع) کے پینے اور شطرنج کھیلنے سے اجتناب کرے گا' اور جس شخص کی نظر آب جو اور شطرنج پر پڑے اسے چاہیے کہ امام حسینؑ کو یاد کرے اور یزید اور آلِ زیاد پر لعنت کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو خدا اس کے گناہ' خواہ وہ آسمان کے ستاروں کے برابر بھی ہوں' معاف فرما دے گا"۔ (عیون الاخبار: ۲/ ۴۱ ب ۳۰ ح ۵۰ من لا یحضرہ الفقیہ: ۴/ ۳۰۱' وسائل: ۲۵/ ۳۶۳' بحار الانوار: ۷۹/ ۲۳۷ و ج ۴۵/ ۱۷۶)

دربارِ یزیدؑ میں حضرت زینبؑ کا خطبہ

اک بے ردا کے خطبے سے تھرا گیا یزید
وہ فتح تختِ شام کا منظر عجیب تھا
(مظہر عباس)

حضرت زینبؑ نے جب یزید کے کفر آمیز اشعار سنے اور امام حسینؑ کے سر مبارک کے ساتھ اس ملعون کی جسارت کا مشاہدہ کیا تو ایک اہم خطبہ انشاء فرمایا۔ ہم یہاں سید بن طاوس کی روایت کردہ عبادت کو نقل کرتے ہیں: زینبؑ بنت علیؑ کھڑی ہو گئیں اور کہنے لگیں:

سپاس ہے خدائے متعال کے لئے کہ جو عالمین کا پروردگار ہے اور پیغمبر اور ان کے تمام فرزندوں پر خدا کا درود ہے۔ خداوند سبحانہ وتعالیٰ نے سچ کہا ہے کہ ارشاد ہے:

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوءَىٰ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ (سورہ روم، آیہ ۱۰)

"وہ لوگ جنہوں نے بہت سے برے اعمال کیے ان کی عاقبت کار یہ ہے کہ وہ آیات الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کا تمسخر اڑاتے ہیں"۔

اے یزید! تو نے ہر طرف سے آسمان وزمین ہم پر تنگ کر دیے ہیں اور ہمیں کنیزوں کی طرح قیدی بنا رکھا ہے۔ تو گمان کرتا ہے کہ یہ پیش خدا ہماری ذلت اور اس کے نزدیک تمہارا احترام ہے؟ اور یہ کہ خدائے متعال کے نزدیک تمہاری قدر ہے کہ اس طرح ناک میں ہوا ڈال کر نتھنے پھلا رہا ہے اور ہماری طرف متکبرانہ طریقے سے دیکھتا ہے! تو دنیا کو اپنے لئے محکم دیکھ کر خوش ہو رہا ہے اور اس کے اُمور کار کو باہم پیوستہ دیکھ رہا ہے اور حکومت وقدرت کو کہ جو ہماری

آن بان سے بھی بغیر مزاحمت کے قبضہ میں لے چکا ہے۔

آرام، آرام، مگر اللہ رب العزت کے اس فرمان کو فراموش نہ کر کہ:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ـ

"وہ لوگ جو کافر ہو گئے یہ گمان نہ کریں کہ جو مہلت ہم نے انہیں دی ہے اس میں ان کی بھلائی ہے، بے شک ہم نے انہیں یہ مہلت اس لئے دی ہے کہ ان کے گناہ اور بڑھ جائیں اور ان کے لئے ذلیل خوار کرنے والا عذاب تیار ہے"۔ (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۷۸)

أَمِنَ الْعَدْلِ يَابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِيرُكَ حَرَائِرَكَ وَإِمَائَكَ ، وَسَوْقُكَ بَنَاتِ رَسُولِ اللهِ سَبَايَا ، قَدْ هُتِكَتْ سُتُورُهُنَّ وَأُبْدِيَتْ وُجُوهُهُنَّ تَحْدُو بِهِنَّ الْأَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ إِلَى بَلَدٍ ، وَيَسْتَشْرِفُهُنَّ أَهْلُ الْمَنَاهِلِ وَالْمَنَاقِلِ وَيَتَصَفَّحُ وُجُوهَهُنَّ الْقَرِيبُ وَالْبَعِيدُ وَالدَّنِيُّ وَالشَّرِيفُ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِيٌّ وَلَا مِنْ حُمَاتِهِنَّ حَمِيٌّ

"(اے ہمارے جد کے وسیلے سے آزاد ہونے والے) طلقا کی اولاد! یہ تیری عدالت ہے کہ تیری کنیزیں تو پردہ میں ہوں اور رسولؐ خدا کی بیٹیاں ننگے سر اور ننگے پاؤں نامحرموں کے سامنے رسن بستہ کھڑی ہوں۔ اے ظالم تو نے آلِ رسولؐ کو بے پردہ کر دیا ان کی حرمت پردہ ضائع و برباد کر دی اور انہیں قیدی بنا کر نامحرموں کو ساربان بنا دیا۔ اے یزید! انہیں شہر شہر پھرایا جا رہا ہے۔ کوہستانی اچھے بُرے، نزدیکی سب تماشائی ہیں۔ اور کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو شہیدوں کے خون کا بدلہ لینے والا ہو"۔

حضرت زینبؑ کے اس کلام کا اشارہ پیغمبر اسلام کی فتح مکہ کی طرف ہے۔ جس زمانے

میں یزید کا باپ اور دادا قدرتِ اسلام کا مشاہدہ کر کے ایمان لے آئے اور پیغمبر اکرمؐ نے ان سے درگزر کرتے ہوئے فرمایا: "اَنْتُمُ الطُّلَقَاء" اور انہیں عفو کا مورد قرار دیا۔

کسی ایسی عورت کے بیٹے سے رحم اور دلسوزی کی امید کس طرح کی جا سکتی ہے کہ جس نے جنگِ اُحد میں شہیدوں کے جگر نکال کر چبائے ہوں اور ان کے کانوں کا ھار بنا کر پہنا ہو؟ اور اس سے کیوں کر چین مل سکتا ہے جو ہم اہل بیتؑ کو بغض و دشمنی اور توہین و کینہ جوئی کی نظر سے دیکھتا ہے۔

پس تو اس تمام جنایت و گناہ کے باوجود از روئے جرات و جسارت کہتا ہے کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور تو اپنے عمل کو بزرگ سمجھتا ہے اور کہتا ہے:

لَأَهَلُّوا وَاسْتَهَلُّوا فَرَحًا

ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَاتُشَلْ

"کاش آج میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو دیکھتے اور خوش ہوتے کہ میں نے کس طرح آلِ رسولؐ سے بدلہ لیا ہے اور مجھ سے کہتے: اے یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں کہ تو نے خوب بدلا لیا"۔

اور اب تو دندانِ حسینؑ پر چوب دستی سے جسارت کر رہا ہے وہ حسینؑ جو جنت کے جوانوں کا سردار ہے"۔

تو بھلا ایسا کیوں نہ کرے کہ تو نے تو ہمارے دلوں کو زخمی کر دیا اور ہمیں بیخ و بن سے اکھاڑ دیا اور خاندانِ محمدؐ اور اولادِ عبدالمطلبؑ میں سے روئے زمین پر موجود روشن ستاروں کا خون بہایا (کہ جن کے نورِ ہدایت سے اسلام منور ہے) اور اپنے اسلاف کو آواز دے رہا ہے اور گمان رکھتا ہے کہ تیری آواز ان کے کانوں تک پہنچ رہی ہے! تو بھی بہت جلد ان (جو کسی عورتوں اور بچوں کی حمایت کرے) سے جا ملے گا اور آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ اور زبان شل ہو گئے ہوتے اور میں نے جو کہا نہ کہا ہوتا اور جو کیا نہ کیا ہوتا!۔

▼ بارالہا! جس جس نے ہمارا حق غصب کیا اور ہمیں ظلم کا نشانہ بنایا اس اس سے ہمارا انتقام

لے اور جس جس نے ہمارا خون بہایا اور ہمارے عزیزوں کو شہید کیا ان پر اپنا غضب نازل فرما۔

اے یزید! خدا کی قسم تو نہیں چیرے گا مگر اپنی جلد' اور نہیں کاٹے گا مگر اپنا گوشت اور تو وہی بارگناہ اٹھائے گا کہ تو نے ذریتِ رسولؐ خدا کا خون بہایا اور ان کا خاندان اور عزیزوں کی بے حرمتی کی۔ (روز حشر) جب سب کو جمع کیا جائے گا تو ان کے حق کو واپس لوٹایا جائے گا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (آل عمران، آیہ ۱۶۹)

"وہ لوگ جو راہ خدا میں مارے گئے انہیں مردہ مت سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی طرف سے رزق پاتے ہیں"۔

(یعنی اے یزید! تو یہ گمان مت کر کہ شہدائے کربلا مر گئے ہیں، وہ تو زندہ ہیں) اور تیرے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ حاکم ہے، محمدؐ تیرے خلاف مدعی ہیں اور جبرئیلؑ ان کا مددگار ہے۔

جس (معاویہ) نے تمہارے لئے سلطنت سجائی اور تمہیں مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کردیا، بہت جلد اس کا محاسبہ ہوگا۔ کیونکہ برا انجام ظالموں کا مقدر ہے اور کون ہے جس کی جگہ تم سے بدتر اور لشکر تم سے کمزور تر ہے۔ اگرچہ زمانے کی گردش کے سبب میں (تمہارے دربار میں) تم سے مخاطبہ کررہی ہوں لیکن اس حال میں بھی تیری شان وشوکت میری نظر میں ہیچ ہے۔

تمہاری سرزنش شدید اور ملامت بہت زیادہ ہے: لیکن میں کیا کروں کہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز اور سینے پرسوز ہیں۔

پس تعجب بلکہ بے حد تعجب ہے کہ اگر لشکر خدا کے متقی اور شریف لوگ جنگ میں طلقا کے لشکر شیطان کے ہاتھوں شہید ہوجائیں اور ان ہاتھوں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہو اور ان کے دہن ہمارے گوشت سے پُرآب ہوں اور اُن کے اجساد طاہرہ بھیڑیوں اور شیروں کی خوراک کی مانند خاک خون میں غلطان پڑے ہوں۔

اور اگر تو آج ہم (دختران رسولؐ) کو اپنا مال غنیمت سمجھتا ہے (تو یہ تیری نادانی ہے) اور تو جلدی دیکھے گا کہ ہم تیرے لئے نقصان کا باعث ہیں اور جو کچھ تو نے آگے (آخرت میں)

بھیجا ہے اسے دیکھے گا اور پروردگار اپنے بندوں پر ستم روا نہیں رکھتا۔

میں خدا کے حضور شکایت کرتی ہوں اور میرا اسی پر بھروسہ ہے تو جو کر کرنا چاہتا ہے کر اور جو قدام اٹھا سکتا ہے اٹھالے اور کسی بھی کوشش سے دریغ مت کر۔ یعنی انتہائے سعی کر لے لیکن ذاتِ خدا کی قسم تو ہمارا نام اور ذکر صفحہ روزگار سے نہیں مٹا سکتا اور نہ وحی کو ہمارے درمیان سے اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور یہ شرمندگی تیرے دامن سے دھل نہیں سکتی مگر یہ کہ تیری رائے باطل ہے اور تیری حکومت کا زمانہ بہت محدود ہے اور تیری جمعیت منتشر ہوگئی ہے اور وہ دن دور نہیں کہ جب منادی ندا کرے گا:

أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

"ظالموں پر خدا کی لعنت ہو"۔

پس حمد و سپاس ہے پروردگار عالم کے لئے جس نے ہمارے اول کو سعادت اور مغفرت اور ہمارے آخر کو شہادت اور رحمت سے انجام دیا اور میں خدا سے التجا کرتی ہوں کہ ان کو اس کا کامل اور زیادہ سے زیادہ ثواب عطا فرمائے۔ اور ہمیں نیکی کی بازگشت کا محل قرار دے کہ وہ مہربان اور رحیم ہے اور اللہ ہی ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے۔

طاہر لکھنوی نے کیا خوب کہا ہے:

علی کی لاڈلی نے یوں دیا دربار میں خطبہ　　وراثت میں جو پایا تھا اسی لہجے میں یہ بولیں
خدا میں اور زینب میں صفت ہے یہ برابر کی　　کہ جس لہجے میں وہ بولا اسی لہجے میں یہ بولیں

یزید نے اس (خطبہ) کے جواب میں اس مضمون کا شعر پڑھا:

بسا نالہ ای کان پسندیدہ تر
کہ آسان بود نوحہ بر نوحہ گر

(لہوف/۱۸۱، و بہ مثیر الاحزان/۱۰۱، و بحار الانوار: ۴۵/۱۳۳ و مقتل مقرم/۳۶۱ بلاغات النساء/۲۱، مقتل خوارزمی: ۲/۶۴ وغیرہ سے رجوع کریں)

مسجدِ شام میں حضرت سجادؑ کا خطبہ

تھا خطبۂ سجادؑ رُخِ جبر پہ تھپڑ
اور خطبۂ زینبؑ تو تھا شمشیر کی مانند
(مظہر عباس)

یزید نے حکم دیا کہ اہل بیت رسالت کو زندان میں لے جاؤ اور (خود) حضرت امام زین العابدینؑ کو اپنے ہمراہ مسجد لے گیا۔

اس نے ایک خطیب بلایا اور اسے حکم دیا کہ منبر پر چڑھ جاؤ۔ اس خطیب نے حضرت امیر المومنینؑ اور امام حسینؑ کے بارے میں بہت سے نازیبا کلمات کہے اور معاویہ اور یزید کی خوب ستائش کی (کامل بہائی کی نقل کے مطابق: شیخین کی بھی تعریف وتوصیف کی) حضرت امام زین العابدینؑ نے اسے آواز دی:

وَيْلَكَ أَيُّهَا الْخَاطِبُ ، اِشْتَرَيْتَ مَرْضَاةَ الْمَخْلُوقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ ، فَتَبَوَّأْ مَقْعَدَكَ مِنَ النَّارِ"

"اے خطیب وائے ہو تم پر کہ تو نے مخلوق کی خوشنودی کے لئے خالق کے غضب کو دعوت دی ہے اپنی جگہ جہنم میں جان لے"۔

پھر آپ نے یزید سے منبر پر جانے کی اجازت چاہی اور فرمایا:

يَا يَزِيدُ ، اِيْذَنْ لِي حَتّٰى أَصْعَدَ هٰذِهِ الْأَعْوَادَ ، فَأَتَكَلَّمَ بِكَلِمَاتٍ لِلّٰهِ فِيهِنَّ رِضًا ، وَلِهٰؤُلَاءِ الْجُلَسَاءِ فِيهِنَّ أَجْرٌ وَثَوَابٌ"

"اے یزید! مجھے اجازت دو کہ اس منبر پر چڑھ کر خدا کی رضا وخوشنودی

کے لئے چند کلمات کہوں تاکہ تمام اہلِ دربار انہیں سن کر اجر وثواب حاصل کریں"۔

یزید راضی نہ ہوا لیکن اراکینِ دربار اور حاضرین نے کہا کہ اسے اجازت دے دیجیے، ہم اس کی بات سننا چاہتے ہیں۔

یزید نے کہا: اگر یہ منبر پر چلا گیا تو جب تک ہم آل ابوسفیان کو ذلیل ورسوا نہ کرلے نیچے نہیں اُترے گا! وہ کہنے لگے اس نوجوان سے کیا بن پڑے گا؟

یزید نے کہا:

اِنَّهُ مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ قَدْ زُقُّوا الْعِلْمَ زَقًّا

"یہ اس خاندان اہل بیتؑ میں سے ہے کہ جنہوں نے بچپن میں علم شیر مادر کے ہمراہ پی رکھا ہے" (یعنی یہ شیر خوارگی ہی میں علم وکمال سے آراستہ ہو جاتے ہیں)۔

شامیوں نے اصرار کیا اور یزید کے بیٹے نے بھی اس سے درخواست کی تو تب جا کر اس نے اجازت دی۔

آنحضرتؑ منبر پر گئے خداوند قدوس کی حمد وستائش کی اور ایک ایسا خطبہ دیا (کہ جسے سن کر) آنکھیں رونے لگیں اور دل جزع وفزع کرنے لگے، فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ، اُعطِينا سِتًّا وَفُضِّلنا بِسَبْعٍ: اُعْطِيْنَا الْعِلْمَ وَالْحِلْمَ وَالسَّمَاحَةَ وَالْفَصَاحَةَ وَالشُّجَاعَةَ وَالْمَحَبَّةَ فِي قُلُوبِ الْمُومِنِيْنَ وَفُضِّلْنَا بِاَنَّ مِنَّا النَّبِيَّ الْمُخْتَارَ مُحَمَّدًا وَمِنَّا الصِّدِيْقُ وَمِنَّا الطَّيَّارُ وَمِنَّا اَسَدُ اللّٰهِ وَاَسَدُ رَسُولِهِ وَمِنَّا سِبطَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ.

(وَمِنَّا مَهْدِيُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ (معالی))

(وَالْمَهْدِيُّ الَّذِي يَقْتُلُ الدَّجَّالَ (کامل))

"اے لوگو! خداوند عالم نے ہم کو چھ چیزیں عطا کی ہیں (کہ جنہیں ہم ان

کی حد اعلیٰ تک رکھتے ہیں) اور سات چیزوں میں ہم دوسروں پر فضیلت اور برتری رکھتے ہیں (جو ہمارے علاوہ کوئی نہیں رکھتا) وہ چھے چیزیں یہ ہیں : علم ،حلم ،بخشش ،فصاحت ،شجاعت اور محبت جو مومنین کے دلوں میں ہے۔ اور ہمیں جو فضیلتیں دی گئی ہیں وہ یہ ہیں : نبی مختار ہم میں سے ہیں ، صدیق (سب سے پہلے ایمان لانے والے علیؑ) ہم میں سے ہیں ، جعفر طیار ہم میں سے ہیں ،حمزہ خدا اور اس کے رسول کے شیر ہم میں سے ہیں ،اور اس امت کے دو سبط (حسنؑ و حسینؑ) ہم میں سے ہیں : (اور ساتویں فضیلت کو معانی اور کامل بہائی نے نقل کیا ہے کہ فرمایا: اس امت کا مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ الشریف ہم میں سے ہے (یا وہ مہدیؑ کہ جو دجال کو قتل کرے گا ہم میں سے ہے)''

مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِي اَنْبَأْتُهُ بِحَسَبِي وَنَسَبِي اَيُّهَا النَّاسُ ، اَنَا ابْنُ مَكَّةَ وَمِنىٰ ، اَنَا بْنُ زَمْزَمَ وَالصَّفَا، اَنَا ابنُ مَنْ حَمَلَ الرُّكْنَ بِاَطْرَافِ الرِّدَا ، اَنَا ابْنُ خَيْرِ مَنِ ائْتَزَرَ وَارْتَدىٰ ، اَنَا ابْنُ خَيْرِ مَنِ انْتَعَلَ وَاحْتَفٰى أَنَا ابْنُ خَيرِ مَنْ طَافَ وَسَعٰى أَنَا ابْنُ خَيرِ مَن حَجَّ وَلَبّٰى ، اَنَا بْنُ مَنْ حُمِلَ عَلَى الْبُرَاقِ فِي الْهَوَاءِ اَنَا ابْنُ مَنْ اُسرِيَ بِهِ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى، اَنَا ابْنُ مَنْ بَلَغَ بِهِ جِبْرَئِيلُ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ، اَنَا ا بنُ مَنْ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى. اَنَا ابْنُ مَنْ صَلّٰى بِمَلَائِكَةِ السَّمَاءِ ، اَنَا بْنُ مَنْ مَا اَوْحٰى اِلَيْهِ الْجَلِيلُ اَوحٰى ، اَنَا ابْنُ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى

یہاں مختصر سا تعارف کروایا ہے۔

'' جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو مجھے نہیں پہچانتا اسے بتائے

دیتا ہوں، اے لوگو! میں مکہ ومنیٰ اور زمزم وصفا کا فرزند ہوں۔ کہ جس نے حجراسود کو اپنی چادر میں اٹھایا اور اس کی جگہ پر نصب کیا۔ میں ازار اور ردا پہننے والے بہترین شخص کا بیٹا ہوں، میں اس بہترین شخص کا بیٹا ہوں کہ جو جوتا پہنے اور یا برہنہ گیا۔ میں طواف وسعی انجام دینے والے بہترین شخص کا بیٹا ہوں، میں اس بہترین شخص کا بیٹا ہوں کہ جس نے حج کیا اور تلبیہ پڑھا (یعنی کعبۃ اللہ اور ارکانِ حج ادا کیے)۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جو آسمان پر براق پر سوار ہو کر گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جسے رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ (چوتھے آسمان پر واقع مسجد، جہاں شب معراج حضورؐ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی اور جسے بیت المعمور بھی کہتے ہیں) تک کی سیر کروائی گئی۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جسے جبرئیلؑ سدرۃ المنتہیٰ تک لے گیا، میں اس کا بیٹا ہوں کہ جو خداوند متعال کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتا گیا۔ پس دو کمان کے اندازہ پر یا اس سے بھی نزدیک تر ہوا۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کی نماز (جنازہ) ملائکہ نے سماوات پر پڑھی، میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس پر خداوند جلیل نے وحی بھیجی جیسے وحی بھیجنے کا حق ہے۔ میں محمد مصطفیٰ کا بیٹا ہوں''۔

أَنَا ابْنُ عَلِى الْمُرْتَضٰى ، أَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ خَرَاطِيمَ الْخَلْقِ حَتّٰى قَالُوا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، أَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ بَيْنَ يَدَىْ رَسُولِ اللّٰهِ بِسَيْفَيْنِ ، وَطَعَنَ بِرُمْحَيْنِ ، وَهَاجَرَ الْهِجْرَتَيْنِ ، وَبَايَعَ الْبَيْعَتَيْنِ ، وَقَاتَلَ بِبَدْرٍ وَحُنَيْنٍ وَلَمْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ. أَنَا ابْنُ صَالِحِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَارِثِ النَّبِيِّيْنَ، وَقَامِعِ الْمُلْحِدِيْنَ، وَيَعْسُوْبِ الْمُسْلِمِيْنَ وَنُوْرِ الْمُجَاهِدِيْنَ ، وَزَيْنِ الْعَابِدِيْنَ ، وَتَاجِ الْبَكَّائِيْنَ ، وَاَصْبَرِ الصَّابِرِيْنَ ، وَاَفْضَلِ الْقَائِمِيْنَ مِنْ آلِ

يَاسِينَ رَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَنَا ابنُ الْمُؤَيَّدِ بِجِبْرَئِيلَ ، الْمَنْصُورِ بِمِيكَائِيلَ ، أَنَا بْنُ الْمُحَامِي عَنْ حَرَمِ الْمُسْلِمِينَ ، وَقَاتِلِ الْمَارِقِينَ وَالنَّاكِثِينَ وَالْقَاسِطِينَ وَالْمُجَاهِدِ أَعْدَائَهُ النَّاصِبِينَ ، وَافْخَرِ مَنْ مَشٰى مِنْ قُرَيْشٍ أَجْمَعِينَ ، وَأَوَّلِ مَنْ أَجَابَ وَاسْتَجَابَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ مِنَ الْمُومِنِينَ ، وَأَوَّلِ السَّابِقِينَ، وَقَاصِمِ الْمُعْتَدِينَ وَمُبِيدِ الْمُشْرِكِينَ. وَسَهمٍ مِنْ مَرَامِي اللّٰهِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ وَلِسَانِ حِكْمَةِ الْعَابِدِينَ ، وَنَاصِرِ دِينِ اللّٰهِ وَ وَلِيِّ أَمْرِ اللّٰهِ ، وَبُسْتَانِ حِكْمَةِ اللّٰهِ ، وَعَيْبَةِ عِلْمِهِ ، سَمِحٌ ، سَخِيٌّ ، بَهِيٌّ ، بُهْلُولٌ ، زَكِيٌّ ، أَبْطَحِيٌّ ، رَضِيٌّ ، مِقْدَامٌ ، هُمَامٌ ، صَابِرٌ ، صَوَّامٌ ، مُهَذَّبٌ ، قَوَّامٌ ، قَاطِعُ الْأَصْلَابِ ، وَمُفَرِّقُ الْأَحْزَابِ ، أَرْبَطُهُمْ عِنَانًا ، وَأَثْبَتُهُمْ جَنَانًا، وَامْضَاهُمْ عَزِيمَةً ، وَأَشَدُّهُمْ شَكِيمَةً ، أَسَدٌ بَاسِلٌ ، يَطْحَنُهُمْ فِي الْحُرُوبِ إِذْ ازْلَفَتِ الْأَسِنَّةُ ، وَقَرُبَتِ الْأَعِنَّةُ ، طَحْنَ الرَّحَا ، يَذْرُوهُمْ فِيهَا ذَرْوَ الرِّيحِ الْهَشِيمِ. لَيْثُ الْحِجَازِ وَكَبْشُ الْعِرَاقِ ، مَكِّيٌّ مَدَنِيٌّ خَيْفِيٌّ عَقَبِيٌّ بَدْرِيٌّ أُحُدِيٌّ شَجَرِيٌّ مُهَاجِرِيٌّ ، مِنَ الْعَرَبِ سَيِّدُهَا ، وَمِنَ الْوَغٰى لَيْثُهَا ، وَارِثُ الْمَشْعَرَيْنِ ، وَأَبُو السِّبْطَيْنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ. ذَاكَ جَدِّي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ –

''میں علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں ، میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کی تلوار نے بڑے بڑے سرکشوں کی ناک خاک پر رگڑ دی اور وہ خدا کی واحدانیت کے قائل ہو گئے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنے لگے۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس نے رسولِ خدا کی خاطر دو تلواروں سے جنگ کی اور دو نیزوں سے

اہلِ کفر وعناد سے دفاع فرمایا اوردو ہجرتیں کیں اوردو بار بیعتیں کیں، اور کافروں کو جنگ بدر وحنین میں قتل کیا۔اورآنکھ جھپکنے کے وقفہ کے لئے بھی خدا کا کفر نہ کیا۔میں صالح المومنین، انبیاء کے وارث، ملحدین کو ختم کرنے والے، دین کے یعسوب (مسلمانوں کے امیر) جہادکرنے والوں کے نور، عابدوں کی زینت، گریہ کرنے والوں کے افتخار، اصبرالصابرین، نماز گزاروں میں افضل ترین (خوف خدا کے سبب)، آل یاسین، رسول رب العالمین، کا بیٹا ہوں۔میں اس کا بیٹا ہوں جس کی جبرئیلؑ سے تائید کی گئی اور میکائیلؑ سے امداد کی گئی۔میں مسلمانوں کی حمایت کرنے والے مارقین، ناکثین اور قاسطین کو قتل کرنے والےؑ اور اپنے ناصبی دشمنوں سے مجاہدہ کرنے والے کا بیٹا ہوں۔میں قریش کے بزرگوار ترین فرد اوراللہ اوراس کے رسول کی دعوت (اسلام) کو سب سے پہلے قبول کرنے والے، اول المومنین، ظالموں کو تباہ کرنے والے (تجاوز کرنے والوں کی کمر توڑنے والے)، مشرکین کا خاتمہ کرنے والے، خدا کی کمان سے منافقوں پر چلنے والے تیر، عابدین کی حکمت کی زبان، دین خدا کے ناصر اللہ کے امر کے ولی، حکمت خدا کے گلستان اوراس کے علم کے صندوق (حامل علم الٰہی)، جوانمرد، سخی، بزرگوار، شجاع، ذکی (پاکیزہ)، ابطحی، رضی (ہرآلودگی سے پاک)، (مشکلات میں) پیش قدم، بہادروقہرمان، صابر، دائمی روزہ دار، مہذب، شب زندہ دار، (لعین) نسلوں کے قاتل، (دشمن کے) گروہوں کو پراگندہ کرنے والے، سب سے ثابت قدم اورسب سے ثابت قلب سب سے زیادہ پُرعزم دفاع حق میں سخت ترین، شیر بیشہ شجاعت، جنگ کی شدت کے دورانیے میں، نیزوں کی قربت اور لشکر کی نزدیکی میں دشمنوں کو چکی کے پتھر کی طرح گھما کر ہلاک کرنے

والے اوران کو اس طرح منتشر کردینے والے جس طرح ہوا درختوں کے خشک پتوں کو منتشر کردیتی ہے، شیر بیشہ حجاز، مرد مردان عراق، مکی، مدنی، خیفی، عقبی، بدری، احدی، شجری، مہاجری، (یعنی ان مقامات سے منسوب، چونکہ امیر المومنینؑ نے ان تمام مقامات پر سامانِ افتخار کیا اوران القاب سے ملقب ہوئے) سید العرب، میدانِ جنگ کے شیر مشعرومنا، (یعنی ارکانِ حج) کے وارث، رسولؐ خدا کے دو بیٹوں (حسنؑ اور حسینؑ) کے باپ (جو ان اوصاف کے حامل تھے) وہ میرے جدِ امجد علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے"۔

ثُمَّ قَالَ : أَنَا ابنُ فَاطِمَةَ الزَّهرَاء، أَنَا ابنُ سَيِّدَةِ النِّسَاءِ ، (أَنَا ابنُ خَدِيجَةَ الكُبرىٰ ، أَنَا ابنُ المَقتُولِ ظُلماً ، أَنَا ابنُ المَجزُوزِ الرَّأسِ مِنَ القَفَا ، أَنَا ابنُ العَطشَانِ حَتّٰى قَضىٰ ، أَنَا بنُ طَرِيحِ كَربَلا ، أَنَا ابنُ مَسلُوبَةِ العِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ ۔

أَنَا ابنُ مَن بَكَت عَلَيهِ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ، أَنَا ابنُ مَن نَاحَت عَلَيهِ الجِنُّ فِي الأَرضِ وَالطَّيرُ فِي الهَوَاءِ ، أَنَا ابنُ مَن رَأسُهُ عَلَى السِّنَانِ يُهدىٰ ، أَنَا ابنُ مَن حَرَمُهُ مِنَ العِرَاقِ إِلَى الشَّامِ تُسبىٰ ۔

"(علامہ مجلسی نے اختصار کو اپنایا ہے، (از معالی السبطین (۲/۱۰۶) آن، ۱۱ فزود یم)

اس کے بعد فرمایا: میں فاطمہ زہراؑ کا بیٹا ہوں، میں سیدۃ النساء (العالمین) کا بیٹا ہوں، میں خدیجۃ الکبریٰؑ کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کا سر خنجر سے جدا کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے تشنہ لب شہید کیا گیا۔ میں کربلا میں خون میں غلطاں ہونے والے کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں

جس کے عمامہ وردا لوٹ لئے گئے۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس پر ملائکہ
آسمان نے گریہ کیا، میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس پر زمین میں جنات اور ہوا
میں پرندوں نے نوحہ کیا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے سر کو نیزے پر
چڑھا کر شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کے اہل وعیال کو
قیدی بنا کر عراق سے شام لایا گیا"۔

آپ نے اپنے آباؤ اجداد کے اسی طرح کے مفاخر کا ذکر فرمایا تو لوگوں نے شور بپا کر دیا اور گریہ وزاری کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

یزید ڈر گیا کہ کہیں کسی آشوب کا شکار نہ ہو جائے، چنانچہ اس نے موذن کو حکم دیا کہ اذان دو تا کہ امامؑ کی گفتگو قطع ہو جائے۔

جب موذن نے کہا" اَللّٰهُ اَكْبَر " تو آپؑ نے فرمایا:
"اللہ سے کوئی بڑا نہیں"۔

جب موذن نے کہا: "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه "

امامؑ نے فرمایا: " شَهِدَ بِهَا شَعْرِي وَبَشَرِيْ وَلَحْمِي وَدَمِي "
میرے بال، گوشت پوست اور خون (بھی) خدائے متعال کی واحدانیت
کی گواہی دیتے ہیں"۔

جب موذن نے کہا: "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ "

(امام نے سر سے عمامہ اُتارا اور موذن سے کہا: میں تمہیں اسی محمد کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ (کچھ دیر) خاموش ہو جاؤ۔ (بحوالہ کامل بہائی)

اس وقت آپ نے یزید کی طرف منہ کر کے فرمایا:

مُحَمَّدٌ هٰذَا جَدِّي اَمْ جَدُّكَ يَا يَزِيْدُ ؟

فَاِنْ زَعَمْتَ اَنَّهُ جَدُّكَ فَقَدْ كَذَبْتَ وَكَفَرْتَ ، وَاِنْ زَعَمْتَ اَنَّهُ جَدِّي فَلِمَ قَتَلْتَ عِتْرَتَهُ"

"اے یزید! کیا محمدؐ میرے جد ہیں یا تیرے؟"

اگر تو کہے کہ تیرے جد ہیں تو یہ جھوٹ ہوگا اور تو کافر ہو جائے گا، اگر تو سمجھتا ہے کہ میرے جد ہیں تو پھر تو نے ان کی عترت کو کیوں قتل کیا؟!"

اور دوسری روایت کے مطابق ان کے گھر کو برباد کر دیا اور خواتین کو قیدی بنالیا۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا گریبان چاک کرلیا اور روتے ہوئے خطاب فرمایا: خدا کی قسم! میرے سوا اس دنیا میں کوئی نہیں جس کے جد رسولؐ خدا ہوں۔ اس شخص نے میرے باپ کو ظلم وستم سے قتل کر دیا اور ہمیں رومیوں کی طرح قیدی بنالیا۔

اس کے بعد فرمایا: اے یزید! تو نے یہ ظلم بھی کیا اور پھر بھی کہتا ہے محمدؐ رسولؐ خدا ہیں اور روبہ قبلہ ہے۔ وائے ہو تجھ پر کہ روز قیامت میرے جد و پدر تیرے دشمن ہوں گے!

یزید نے موذن سے کہا کہ اقامت نماز کہو۔ لوگوں میں زبردست ہلچل اور شور بپا ہو گیا۔ کچھ نے اس کے ساتھ نماز پڑھی اور کچھ نماز پڑھے بغیر منتشر ہو گئے۔ (بحار الانوار: ۴۵/۱۳۷، نفس المہموم/۴۴۹، منتہی الآمال: ۱/۴۳۳، معالی السبطین: ۲/ کامل بہائی: ۲/۲۹۹ تا ۳۰۲)

بزرگوں نے تحریر کیا ہے: یزید اس واقعہ سے بہت خوف زدہ ہوا، اسے خوف لاحق ہو گیا کہ بہت بڑا فتنہ اور فساد پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے پاسبانوں اور نگہبانوں کو حکم دیا کہ اہل بیتؑ کے ساتھ مدارات کے ساتھ پیش آئیں اور انہیں آزاد چھوڑ دیں۔

کبھی وہ امام سجادؑ کو اپنے دربار میں بلاتا اور سید الشہداءؑ کے قتل کو ابن زیاد سے منسوب کرتا اور پشیمانی کا اظہار کرتا۔ اور ان سب باتوں سے اس کا مقصد عوام کی توجہ طلب کرنا اور اپنی سلطنت کا تحفظ تھا، نہ کہ وہ حقیقت میں پشیمان تھا۔

لعنة الله علیه وعلی آبائه والراضین بفعله.

"کامل بہائی" کی روایت کے مطابق حضرت زینبؑ نے اس حرامزادے سے اجازت طلب کی کہ ہمیں امام حسینؑ کی مجلس عزا اور صف ماتم برپا کرنے دی جائے تو اس حرامزادے نے بوجہ خوف اجازت دے دی۔

بعض نے نقل کیا ہے: سات دن تک مجلس عزا ہوتی رہی اور ہر روز بے شمار شامی عورتیں اس مجلس میں حاضر ہوتی تھیں اور سوگ مناتی تھیں۔ اور نزدیک تھا کہ لوگ یزید کے محل پر حملہ آور ہوں اور اسے قتل کردیں۔ مروان ان حالات سے آگاہ ہوا اور یزید سے کہنے لگا: اہل بیتؑ کو شام میں رکھنا قرین مصلحت نہیں ہے۔ انہیں حجاز بھیج دو۔ یزید نے ان کے لئے سفر کے وسائل کا بندوبست کیا اور انہیں مدینہ بھیج دیا۔ (نفس المہموم/۴۵۱، کامل بہائی: ۲/۳۰۲)

امیر المومنین علی علیہ السلام اور آل علیؑ کے خلاف بنوامیہ کی تبلیغات اس قدر تھیں کہ لوگ ان حالات میں بنی امیہ کے علاوہ کسی کو رسولؐ خدا کا عزیز اور قریبی نہ سمجھتے تھے۔ شام کے ایک بوڑھے کی گفتگو کتاب "تجارب السلف" کے حوالے سے قبل ازیں نقل کی جا چکی ہے۔

لیکن اہل بیت عظامؑ کے شام میں ورود، حضرت سجادؑ کے منبر اور دمشق کے کوچہ و بازار میں فرمودات، دربار یزید میں حضرت زینبؑ کے ارشادات، شام کے لوگوں کا امام سجادؑ سے میل ملاقات اور آپ سے تحقیق حال نے اس سازش سے پردہ ہٹادیا اور یزید ذلیل ورسوا ہوا۔ لہٰذا اسیروں کو شام میں اس سے زیادہ رکھنا ناممکن ہوگیا۔

جس وقت لوگوں نے علی بن الحسینؑ امام سجادؑ کو پہچان لیا تو ایک دوسرے سے کہتے تھے: اس کافر ملحد (یزید) نے کیا (قبیح) فعل انجام دیا ہے۔ پیغمبرؐ کے نواسے کو قتل کردیا اور ان کے اہل وعیال کو روم کے قیدیوں کی طرح شام لایا گیا۔ انہوں نے امام حسینؑ کے لئے مجلس عزا برپا کی۔

جب یہ خبر یزید کے کانوں تک پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ قرآن کے حصے بنادیے جائیں اور جب لوگ نماز سے فارغ ہوں تو مساجد میں تمام افراد کو قرآن کے پارے دیئے جائیں تاکہ وہ قرآن خوانی میں مصروف ہوجائیں اور واقعہ کربلا کا دوبارہ ذکر نہ کریں (اسی سیاست کی مثال آج کل سعودی عرب میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔ (مقتل ابی مخنف/۲۱۸، تذکرۃ الشہدا/۴۳۰)

یزید نے اہل بیتؑ کو عزاداری کی اجازت دے دی اور علیؑ بن الحسینؑ سے ان کی تین حاجات پوری کرنے کا وعدہ کیا، اور انہیں کو پیش کش کی کہ اگر آپ چاہیں تو شام ہی میں رہیں۔

انہوں نے یہ پیش کش قبول نہ کی اور کہا: ہمیں اپنے اجداد کے پاس مدینہ واپس جانے دے۔ یزید نے نعمان بن بشیر کو جو کہ صحابی رسول تھے، بلایا اور حکم دیا کہ انہیں سفر کے لئے تیار کرو اور پھر بطور رہنمائے سفر اہل بیت عظام کے ہمراہ بھیجا۔ (نفس المہموم/۳۶۳)

مرحوم سید بن طاؤس نقل فرماتے ہیں: یزید نے علی بن الحسین سے کہا: جن تین حاجتوں کے پورا کرنے کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا وہ بیان کریں تا کہ میں انہیں پورا کروں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اوّل: یہ کہ ہمیں اجازت دے کہ آخری بار اپنے سید وسردار اور والد گرامی حسینؑ کا دیدار کر سکیں۔

دوم: ہمارے جو اموال و وسائل لوٹ لئے گئے تھے وہ واپس کئے جائیں۔

سوم: اگر تو میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو کسی شخص کو ان خواتین کے ساتھ بھیج دے، تا کہ وہ انہیں ان کے جد کے حرم تک پہنچا دے۔

یزید ملعون نے کہا: آپؑ اپنے باپ کے چہرے کی زیارت ہرگز نہیں کر سکتے۔ لیکن میں آپؑ کے قتل سے ہاتھ اٹھاتا ہوں اور آپ کو معاف کرتا ہوں اور خواتین کو آپؑ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے ہمراہ مدینہ واپس نہیں بھیجتا اور جو کچھ آپ کا لوٹا گیا ہے میں اپنی طرف سے اس کی چند اں برابر قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

امام سجادؑ نے فرمایا: میں تمہارا مال (ہرگز) نہیں لینا چاہتا وہ تمہیں مبارک ہو اور جو اپنا لوٹا ہوا مال میں واپس مانگتا ہوں وہ دختر رسولؐ خدا کے ہاتھ کا بنا ہوا ایک پارچہ ان کی ایک چادر، ایک گلو بند اور ایک پیراہن ہے۔

یزید نے حکم دیا کہ یہ اثاثہ واپس کر دیا جائے اور اس نے اپنی طرف سے دوسو دینار کا اضافہ بھی کیا۔

امام زین العابدینؑ نے (مصلحت کے تحت) وہ دوسو دینار قبول کئے اور فقراء کے درمیان تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد یزید نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کے خاندان کے قیدیوں کو ان

کے وطن مدینۃ الرسولؐ واپس پہنچا دیا جائے۔ (لہوف/۱۹۴)

بزرگوں نے نقل کیا ہے کہ یزید نے بشیر کے ساتھ کچھ اور افراد بھی مامور کئے تھے تاکہ وہ اہل بیتؑ کی مدینہ واپسی میں ان کے ہمراہ رہیں۔

کاشفی نے "روضہ" میں اور قرمانی نے "اخبار الاول" میں نقل کیا ہے: اہل بیتؑ کے ہمراہ نعمان بن بشیر کے ساتھ تیس اور اشخاص بھی تھے۔ (روضۃ الشہداء/۳۹۱)

مرحوم سپہر اور واعظ قزوینی رقمطراز ہیں: یزید نے اپنے ایک فوجی سردار کو پانچ سو سواروں کے ساتھ ان (اہل بیتؑ) کے ہمراہ روانہ کیا۔ (ناسخ التواریخ: ۳/۱۷۵، ریاض القدس: ۲/۳۳۶)

شاید یہ قول حقیقت کے نزدیک تر ہے، کیونکہ یزید خوفزدہ تھا کہ راستے میں لوگ اس کے خلاف احتجاج کریں گے۔ لہٰذا اپنے مامورین کے ساتھ یہ افراد اہل بیتؑ کے ہمراہ بھیجے اور ظاہراً اس اہتمام سے ان کے احترام وحمایت کا اظہار کیا گیا۔

maablib.org

شام میں اہلِ بیتؑ کا قیام

آفت میں گرفتار ہیں ناموسِ محمدؐ مجبور ہیں ناچار ہیں ناموسِ محمدؐ
سروؐر کے عزادار ہیں ناموسِ محمدؐ اور جینے سے بے زار ہیں ناموسِ محمدؐ

زنداں کی صعوبت ہے غریب الوطنی ہے
غل ہائے حسینؑ کا ہے اور سینہ زنی ہے
(میر انیسؔ)

یزید ملعون نے اہل بیتؑ کو سکینوں کے ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہرایا کہ:

لَا تَقِيْهِنَّ مِنْ حَرٍّ وَلَا بَرْدٍ ، حَتّٰى تَقَشَّرَتِ الْجُلُوْدُ وَسَالَ الصَّدِيْدُ بَعْدَ كِنِّ الْخُدُوْدِ وَظِلِّ السُّتُوْرِ وَالصَّبْرُ ظَاعِنٌ وَالْجَزَعُ مُقِيْمٌ وَالْحُزْنُ لَهُنَّ نَدِيْمٌ

"انہیں گرمی اور سردی سے بچانے کا کوئی بندوبست نہ تھا (یہاں تک کہ ان کے جسموں سے کھال اترنے لگی اور زرد آب (پیپ) جاری ہوگئی) اس کے علاوہ وہ بیبیاں پردہ ہائے حجاب میں مستور تھیں، صبر نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا جزع وفزع (گریہ وشیون) ان کے ہمراہ رہے اور حزن وملال ان کے ہم نشیں تھے۔ (مثیر الاحزان/۱۰۲، منتہی الآمال/۱/۳۳۷)

بعض کتابوں میں منقول ہے کہ شام میں اہل بیتؑ کا مسکن ایک خرابہ تھا۔ اور یزید کا اس سے مقصود یہ تھا کہ یہ گھر انہی کی وجہ سے برباد ہوا اور یہ قتل ہوئے۔ (منتہی الآمال: ۱/۳۳۷)

یکی بنہاد سر بر بستر خاک
یکی آہش کشیدہ سر بہ افلاک
یکی می گفت آہ ای نور عینم
بیا ای مہربان بابا حسینم
یکی می گفت عباس جوانم
بیا برباد بنگر خانمانم

"کوئی (بی بی) بستر خاک پر سر رکھے پڑی تھی، کوئی آسمان تک پہنچنے والی آہ کھینچ رہی تھی، کوئی کہتی تھی ہائے میری آنکھوں کے نور میرے مہربان بابا حسینؑ (اب تو) آجائیے۔ کوئی کہتی تھی ہائے میرے جواں سال عباسؑ، آؤ دیکھو تو مخدرات عصمت کس طرح برباد ہوئیں"۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ یزید نے حکم دیا کہ حرم حسینؑ کو علی بن الحسینؑ کے ساتھ ایسے زندان میں ٹھہرایا جائے کہ جس میں سردی اور گرمی سے حفاظت کا کوئی بندوبست نہ ہوتا کہ ان کے چہروں کی کھال اتر جائے۔ اور بیت المقدس میں زمین سے کوئی پتھر نہیں اٹھایا جاتا تھا سوائے اس کے کہ نیچے سے تازہ خون دکھائی دے (یعنی جب کوئی پتھر اٹھایا جاتا تو اس کے نیچے سے خون نمودار ہوتا)۔ اور لوگ رنگ کو بھی سرخ لباس کی طرح محسوس کرتے تھے۔ آنکہ علی بن الحسین بیبیوں کے ساتھ وہاں سے رہا ہوئے اور سر حسینؑ کو لے کر کربلا پہنچے۔ (امالی صدوق/۱۶۷م ۳۱، ح ۳)

شیخ مفیدؒ رقم طراز ہیں: یزید نے حکم دیا کہ خواتین کو علیحدہ گھر میں رکھا جائے اور علی بن الحسینؑ بھی ان کے نزدیک ہوں۔ یزید کے محل سے ملحق مکان ان کے لئے خالی کروایا گیا اور چند روز خاندان عصمت وہاں رہتا رہا۔ (ارشاد: ۱۲۶/۲)

جمیع مورخین نے نقل کیا ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ امام علیہ السلام کے سر مطہر کو اس کے نجف محل کے دروازے پر نصب کیا جائے اور اہل بیتؑ کو حکم دیا کہ میرے گھر میں داخل ہو جاؤ۔

جب حرم اہل بیت اس لعین کے گھر میں گئے تو ابوسفیان کے خاندان کی عورتوں نے اپنے زیور اتار پھینکے، ماتمی لباس پہن لئے اور گریہ ونوحہ کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور تین دن تک ماتم جاری رہا۔

عبداللہ عامر کی بیٹی ہند جو اس وقت یزید کی بیوی تھی اور اس سے پہلے امام حسینؑ کی بیوی رہ چکی تھی، نے پردہ پھاڑ دیا اور گھر سے باہر دوڑی۔ وہ مجمع عام میں یزید لعین کے دربار میں پہنچی اور کہنے لگی: اے یزید! فرزند فاطمہؑ بنت رسولؐ خدا کا سر مبارک تو نے میرے گھر پر نصب کر دیا ہے! یزید اٹھا اور اس کے سر پر چادر اوڑھائی اور اسے واپس (گھر) بھیج دیا۔ (منتہی الآمال: ۱/۴۳۳)

یہ بھی منقول ہے کہ یزید ملعون نے سر مقدس کے ساتھ (مختلف) جسارتوں کے بعد حکم دیا کہ سر مبارک کو جامع مسجد دمشق میں نصب کر دیا جائے۔ بالکل اسی جگہ جہاں حضرت یحییٰ بن زکریا کا سر مبارک نصب کیا گیا تھا۔ چنانچہ تین روز تک سر مبارک وہاں آویزاں رہا۔ (ستارہ درخشان شام/۱۴۳، حیاۃ الحسینؑ: ۳/۳۷۵ سے منقول)

منہال بن عمرو کہتا ہے: میں نے حضرت سجادؑ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؑ عصا کا سہارا لئے ہوئے تھے اور آپ کی پنڈلیاں بانسوں کی سی صورت اختیار کر چکی تھیں اور خون ان سے جاری تھا اور آپ کا رنگ زرد ہو چکا تھا۔

مجھے گریہ گلوگیر ہو گیا، جب میں نے آپ سے حال احوال پوچھا تو آپ نے گریہ کرتے ہوئے فرمایا: اس کا کیا حال ہوگا جو یزید (ملعون) کا قیدی ہو اور ہماری عورتوں نے تا حال سیر ہو کر کھانا تک نہیں کھایا۔ ان کے سر عریاں ہیں اور شب و روز نوحہ و گریہ میں گزارتی ہیں۔

اے منہال! ہمارا حال فرعونیوں کے درمیان بنی اسرائیل کا سا ہے کہ جن کے بچوں کو قتل کر دیا جاتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھا جاتا تھا۔

عرب عجموں پر (یہ) فخر تو کرتے ہیں کہ محمدؐ ان میں سے ہیں، لیکن ہم اہل بیتؑ پر غضب کر دیا گیا کہ ہمیں قتل کیا گیا اور ہم بے وطن پردیسی اور در بہ در ہو چکے ہیں۔

یزید ہمیں جب بھی طلب کرتا ہے ہم گمان کرتے ہیں کہ وہ کہیں ہمیں قتل نہ کر دے۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

منہال نے عرض کیا: اے میرے آقا! ابھی آپ کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا: اس زندان میں کہ جہاں ہم رہ رہے ہیں جس کی چھت تک نہیں ہے۔ وہاں سورج ہمیں جھلسائے دیتا ہے اور ہوا تک میسر نہیں۔ میں ضعفِ بدن کی وجہ سے تھوڑی دیر باہر آیا تھا کہ ایک لحظہ آرام کرلوں لیکن بیبیوں (کی تنہائی) کے خوف سے واپس جا رہا ہوں۔

جب میں آپ سے گفتگو کر رہا تھا تو ایک بی بی کی آواز بلند ہوئی۔ آپؑ نے مجھے وہیں چھوڑا اور اس بی بی کی طرف چل دیئے۔

جب میں نے دقتِ نظر سے کام لیا تو معلوم ہوا کہ وہ بی بی جناب زینب بنت علی تھیں جو آپ سے کہہ رہی تھیں: اے میری آنکھوں کے نور! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ امام واپس چلے گئے اور میں آپ سے جدا ہو گیا اور میں ہمیشہ انہیں یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں۔ (انوار نعمانیہ: ۳/۲۵۲، اور اسی مضمون کو علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں: ۲/۱۳۴ سورہ قصص میں حضرت صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے اور ابن نما مثیر الاحزان/۱۰۵، اور مرحوم سید لہوف/۱۹۳ پر نقل کرتے ہیں)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ حضرت یعقوبؑ کے لئے حضرت یوسفؑ کا غم کس قدر تھا، فرمایا: پسر مردہ ستر عورتوں کے برابر۔

اگر حضرت یعقوبؑ کا حزن و ملال ستر غم زدہ عورتوں کے برابر تھا تو حضرت یوسفؑ کا غم کس قدر ہوگا؟! جب حضرت یوسفؑ کو زندان میں لے جایا گیا تو آپ اس قدر روئے کہ اہلِ زندان تنگ آ گئے اور کہنے لگے: تم رات کو رویا کرو یا دن کو تاکہ ہم دن اور رات میں سے ایک میں آرام کر سکیں۔ حالانکہ حضرت یوسفؑ کا قید خانہ زندانِ عداوت نہ تھا بلکہ زندانِ محبت تھا۔ کیونکہ آپ کو عشق و محبت سے اپنی طرف دعوت دی گئی جو آپؑ نے قبول نہ فرمائی۔ اور آپ کو زندان میں اس لئے ڈلوایا گیا کہ آپؑ یہ خواہش (محبت) قبول کرلیں، اور اس زندان میں طوق و زنجیر بھی نہیں تھے۔

لیکن سید الساجدینؑ کو زندان میں ڈالا گیا تو آپ کے گلے میں طوق اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آپ بے کس بیبیوں ، بہنوں ، پھوپھیوں اور بچوں کو قید میں دیکھتے تھے۔ زندان میں گرمی اور سردی سے بچنے کا سامان نہ ہونے کے سبب واویلا بپا ہوتا تھا یہاں تک کہ شدت آفتاب سے ان کے چہرہ ہائے مبارک کی کھال اتر گئی۔ (مہیج الاحزان/۲۷۴، گیارہویں مجلس)

محمدؐ کے گھرانے پر یہ کیسا انقلاب آیا
نبیؐ کی بیٹیاں اور شام کے تاریک زنداں میں

maablib.org

شام کے مصائب شدید تر تھے

تیری آنکھیں جو سجادؑ خوں بار ہیں
شام میں تجھ پہ کیا ابتلا آ گئی؟!
بنتِ حیدرؑ نہیں بنتِ احمدؐ کہو
فاطمہؑ خلق میں بے ردا آ گئی

(حرفِ دوام)

امام زین العابدین نعمان بن منذر مدائنی سے فرماتے ہیں: جس وقت ہمیں شہر شام میں داخل کیا گیا تو اس سے شدید تر مصیبت ہم نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

عرض کیا گیا: ان ظالموں نے ہم پر سات ایسی مصیبتیں وارد کر دیں کہ ان جیسی مصیبتیں ہم نے آغاز اسیری سے نہ دیکھی تھیں۔

اول: انہوں نے برہنہ تلواروں اور تنے ہوئے نیزوں کے ساتھ ہمارا محاصرہ کر رکھا تھا۔ وہ ہمیں نیزوں کی انیاں مارتے تھے اور اہلِ شام کے مجمع میں ہمیں (کڑی نگہداشت میں رکھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اہلِ طرب اور طنبورے اور مزامیر بجانے والے بلائے گئے۔ پس انہوں نے خوشیاں منائیں اور دفیں اور طنبورے بجائے۔

دوم: شہیدوں کے سر ہماری عورتوں اور بچوں کے درمیان لے آئے۔ میرے بابا اور چچا عباسؑ کے سروں کو میری پھوپھیوں زینبؑ اور کلثومؑ کے کجاووں کے بالمقابل لا کھڑا کیا گیا اور میرے بھائی علی اکبرؑ اور چچا کے بیٹے قاسمؑ کے سروں کو میری بہنوں سکینہؑ اور فاطمہؑ کے سامنے۔ وہ سرہائے شہداء سے کھیلتے تھے اور کتنی ہی دفعہ یہ سرہائے مبارک زمین پر گھوڑوں کے پاؤں میں آ گرے۔

سوم: اہلِ شام اپنے گھروں کی چھتوں سے ہمارے سروں پر پانی اور آگ پھینکتے تھے۔ آگ میرے سر پر گری اور چونکہ میرے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے اور میں اسے بجھا نہیں سکتا تھا' چنانچہ میرا عمامہ جل گیا اور آگ میرے سر تک پہنچ گئی جس سے میرا سر جل گیا۔

چہارم: طلوعِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہمیں طنبوروں کے ساتھ پھرایا گیا اور وہ کہتے تھے: لوگو! ان خارجیوں کو مارو کہ یہ اسلام میں ذرا احترام کے قابل نہیں۔

پنجم: ہمیں اونٹوں سے اتار کر پیدل حالت میں ایک رسی سے باندھ دیا گیا اور (یہ لعین) یہود و نصاریٰ کے محلوں میں لے گئے اور انہیں کہتے تھے: یہ ان اہل بیتؑ میں سے ہیں کہ جنہوں نے تمہارے آباء کو قتل کیا اور تمہارے گھر ویران کئے، آج ان سے بدلہ لے لو۔ اے نعمان! تمام یہودی اور نصرانی مٹی، پتھر، لاٹھیاں اور جو کچھ ان کے ہاتھوں میں آیا لے کر ہم پر پل پڑے۔

ششم: ہمیں بردہ فروشوں کے بازار میں غلاموں اور کنیزوں کے طور پر بیچنے کے لئے لایا گیا' لیکن خداوندِ متعال نے انہیں ایسا کرنے کی ہمت نہ دی۔

ہفتم: جس مکان میں ہمیں ٹھہرایا گیا تھا وہ بغیر چھت کے تھا۔ دن کو گرمی اور رات کو سردی کے سبب ہم آرام نہیں کر سکتے تھے۔ نیز بھوک، پیاس اور قتل کر دیئے جانے کے خوف سے ہمیں ذرا سکون نہ تھا۔

یہاں امام سجادؑ کے فرمان کا راز معلوم ہو جاتا ہے کہ جب آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپ پر سخت ترین مصائب کہاں ٹوٹے تو آپ نے فرمایا: شام، شام، شام۔ (تذکرۃ الشہداء/۴۱۲)

روایت میں ہے کہ امام زین العابدینؑ سے سوال کیا گیا کہ آپ پر کربلا میں زیادہ مصائب ٹوٹے یا شام میں؟ آپؑ نے تین مرتبہ فرمایا: شام، شام، شام۔ اس اعتبار سے کہ جب ہم دروازۂ شام پر پہنچے تو ہم نے ایک طرف (شہداء کے) کٹے ہوئے سر نیزوں پر نصب دیکھے اور دوسری طرف اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کو ننگے سر اونٹوں پر سوار پایا۔ اور اس پر مستزاد

انہوں نے بازار شام کو سجا رکھا تھا اور شام کے لوگ اہل بیتؑ کا تماشا اور کٹے ہوئے سر دیکھنے کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔

اور ایک طرف سے بے شمار پرچم نمودار تھے اور تکبیر و تہلیل کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ان پرچموں کے نیچے ساز اور دف بجائے جا رہے تھے۔ ایک دوسرے کو مبارکیں دی جا رہی تھیں اور خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔

پس اس اثنا میں ایک ہاتف نے آواز دی:

جَاؤُوا بِرَأْسِكَ يَا بْنَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ

مُتَرَمِّلاً بِدِمَائِهِ تَرْمِيلاً

يُكَبِّرُونَ بِأَنْ قُتِلْتَ وَإِنَّمَا

قَتَلُوا بِكَ التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلَا

''اے بنتِ پیغمبرؐ کے بیٹے! آپ کے سر کو خون آلودہ حالت میں لایا جا رہا ہے۔ اور یہ تکبیر و تہلیل پڑھ رہے ہیں (اور آپ کے قتل کی خوشیاں منا رہے ہیں) حالانکہ آپ کو قتل کر کے انہوں نے تکبیر و تہلیل کا قتل کیا ہے''۔

جب امام سجادؑ نے یہ حالات دیکھے تو ایک آہ بھری اور روتے ہوئے فرمایا:

أُقَادُ ذَلِيلاً فِي دِمَشْقَ كَأَنَّنِي

مِنَ الزَّنْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِيرُ

وَجَدِّي رَسُولُ اللّٰهِ فِي كُلِّ مَشْهَدٍ

وَشَيْخِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ

''دمشق میں میری زنجیر و بند سے تذلیل کی گئی، گویا میں ایک زنجی غلام ہوں کہ جس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔

اور حالانکہ میں جہاں بھی ہوں میرے جد رسولؐ خدا ہیں اور باپ امیر المومنینؑ (نبی اکرمؐ کے وزیر اور جانشین) ہیں''۔

(انوار الشہادۃ/۲۳۳ف ۱۸)

حضرت سکینہؑ کا خواب

جناب سکینہؑ فرماتی ہیں: ہمیں شام میں آئے چار ہی دن گزرے تھے کہ میں نے ایک خواب دیکھا اور پھر ایک طویل خواب بیان کیا جس کے اختتام میں آپ نے فرمایا: میں نے ایک عورت دیکھی جو ایک عماری پر سوار تھی اور اپنے ہاتھ سر پر باندھ رکھے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟

مجھے بتایا گیا: یہ آپؑ کی دادی فاطمہؑ بنت محمدؐ ہیں۔ میں نے کہا: بخدا میں ان کے نزدیک جا کر بتاتی ہوں کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ میں تیزی سے ان کی طرف دوڑی اور ان کے پاس پہنچ گئی اور ان کے برابر میں کھڑے ہو کر روتے ہوئے کہا:

اماں جان! خدا کی قسم ہمارے حق کا انکار کیا گیا۔

اے ماں! خدا کی قسم ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا گیا۔

اماں جان! خدا کی قسم ہماری حرمت کو مباح خیال کیا گیا۔

اے ماں! خدا کی قسم ہمارے بابا حسینؑ کو قتل کر دیا گیا۔

جب انہوں نے مجھ سے یہ سنا تو فرمایا: سکینہؑ اس سے زیادہ کچھ مت کہو کہ میرا دل کٹ جائے گا۔ یہ تمہارے باپ کا پیراہن ہے کہ جسے میں (کبھی) خود سے جدا نہیں کرتی۔ اور اسی پیراہن کو ساتھ لئے خدا سے ملاقات کروں گی۔

(لہوف/۱۸۸، اس خواب کو بہت سوں نے بزرگوں سے نقل کیا ہے اور ہم (اس کی تفصیل) اختصار کے سبب چھوڑ رہے ہیں۔ (مثیر الاحزان/۱۰۴، بحار الانوار: ۱۴۵/۱۴۰، ۱۴۱ اور ۱۹۴ اور جلاء العیون/۴۴۵ کی طرف رجوع کریں۔)

ہندہ کا خواب دیکھنا

ہندہ زوجہ یزید سے منقول ہے کہ اس نے کہا: میں اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی کہ میں نے دیکھا کہ آسمان کا دروازہ کھلا ہے اور فرشتے گروہ در گروہ سر حسینؑ کے پاس نازل ہو رہے ہیں اور اسے سلام کر رہے ہیں۔

اسی اثنا میں کیا دیکھتی ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا زمین پر اترا اور اس میں بہت سے اشخاص سوار تھے۔ ان کے درمیان میں جو بہت ہی نورانی چہرے والا شخص تھا، وہ دوڑتا ہوا سر حسینؑ کے پاس پہنچا اور ان کے دندان مبارک کو چوم کر فرمایا:

يَا وَلَدِي قَتَلُوكَ ، أَتَرَاهُمْ مَا عَرَفُوكَ وَمِنْ شُرْبِ الْمَاءِ مَنَعُوكَ

"میرے فرزند! تمہیں شہید کر دیا گیا، تمہیں پہچانا نہ گیا اور تمہیں پانی پینے سے بھی روک دیا گیا!"

میرے بیٹے! میں تمہارا نانا رسولؐ خدا ہوں اور یہ تمہارے بابا علی مرتضیٰؑ ہیں۔ یہ تمہارا بھائی حسنؑ اور یہ تمہارے چچا جعفرؓ و عقیلؓ اور یہ حمزہؓ اور عباسؓ ہیں اور ہر ایک اپنے اہلِ بیتؑ کو پہچانتا ہے۔

ہند کہتی ہے: میں خوف و ہراس کے سبب نیند سے بیدار ہو گئی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک نور سر حسینؑ کے گرد چمک رہا ہے۔ میں یزید کو تلاش کرنے کے لئے اٹھی تو اسے ایک تاریک کمرے میں پایا کہ دیوار کی طرف منہ کر کے کہہ رہا تھا:

مَا لِي وَلِلْحُسَيْنِ!

"مجھے حسینؑ سے کیا سروکار"۔

وہ سخت غمگین تھا۔ میں نے اپنا خواب اس کے سامنے بیان کیا تو اس نے سر نیچے جھکا لیا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے حرم پیغمبر کو بلا بھیجا اور کہنے لگا: اگر تم چاہو تو میرے یہاں رہو اور چاہو تو مدینہ واپس چلے جاؤ۔ (بحار الانوار: ۴۵/۱۹۴، نفس المہموم/۴۵۵)

maablib.org

شام میں اہل بیتؑ کی غذا

یزید ملعون آل اللہ (حزب اللہ) کے لئے غذا نہیں بھیجتا تھا اور اگر بھیجتا بھی تھا تو وہ اس غذا کو کھاتے نہیں تھے۔ (مقتل مقرم: ۲/۱۸۷)

منہال کی روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت سجادؑ نے فرمایا:

''ہماری خواتین نے تا حال سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا اور بھوک سے (نڈھال) ہیں''۔

maablib.org

قصرِ یزید کے نزدیک خرابہ کیسا؟

یزید کا دربار ایک پر شکوہ محل تھا جو معاویہ کے حکم سے تعمیر کیا گیا تھا اور اس دور میں اس محل کے طرز تعمیر اور عمارت کی خاصی شہرت تھی۔ مورخین نے اس کی تعمیر اور تزئین و آرائش کو شرح وبسط کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جس وقت معاویہ نے اسے تعمیر کرنا چاہا تو اس کے اردگرد کے مکانات ان کے مالکوں سے خرید لئے۔ لیکن ایک بوڑھی عورت نے جس کا اس کے نواح میں ایک خستہ سا گھر تھا اس (گھر) کو بیچنے سے انکار کر دیا۔

جب معاویہ نے بزور اس سے یہ مکان لینا چاہا تو عمرو عاص اور اس کے دوسرے قریبیوں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا کہ یہ کام نہ کرو تا کہ انوشیرواں کی طرح تمہاری عدالت مشہور ہو جائے کہ جس نے ایوانِ مدائن کی تعمیر میں اپنی عدالت کے سبب کسی صاحب خانہ کو ناراض کرنے کی اجازت نہ دی۔ اور ایوان کو ناقص صورت ہی میں تعمیر ہونے دیا۔

معاویہ نے بوڑھی عورت کے گھر سے صرف نظر کیا اور محل تعمیر کرلیا گیا اور یہ خرابہ اسی حالت میں اس کے قریب باقی رہا۔ (صفریہ: ۴۲/۳)

maablib.org

حضرت رقیہ خاتون سلام اللہ علیہا

صد ظلم کہ اب وہ زنداں میں سر خاک پہ رکھ کر سوتی ہے
جو بچی سینۂ سرورؑ پر اکثر سونے کی عادی ہے
دستور ہے لوگ جنازوں کو آبائی وطن لے جاتے ہیں
سجادؑ نے اپنی پیاری بہن پردیس ہی میں دفنا دی ہے
(حرفِ دوام)

''عوالم العلوم'' نامی کتاب اور بعض دوسری کتب میں روایت بیان ہوئی ہے کہ (اہل بیتؑ کے) اسیروں کے درمیان امام حسینؑ کی ایک چھوٹی بچی بھی تھی، اس کا نام ایک قول کے مطابق رقیہ تھا اور عمر شریف تین سال تھی۔ امام حسینؑ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ بچی اپنے بابا کی شہادت کے بعد دن رات گریہ کرتی رہتی تھی اور اس کے گریہ سے اہل بیتؑ کے دل زخمی ہو گئے تھے۔ وہ ہمیشہ اہل بیتؑ سے سوال کرتی کہ میرے بابا کہاں گئے ہیں؟ اور مجھ سے جدائی کیوں اختیار کی ہے؟ (انوار الشہادۃ /۲۴۲ ف ۳۰)

شام میں پیش آمدہ مصائب میں سے ایک مصیبت اس پیاری سی بچی جناب رقیہ خاتون کی شہادت تھی۔

(کتاب اجساد جاویداں میں بہت سے شواہد وقرائن کے ساتھ ثابت ہے کہ امام حسینؑ کی اس تین سالہ بچی کا نام ''رقیہ'' تھا)۔ (اجساد جاویدان ۵۹ تا ۶۸)

عماد الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''الحاویہ'' سے نقل کیا ہے کہ خاندان نبوت کی خواتین ان سے ان کے باپوں کی شہادتوں کو پوشیدہ رکھتی تھیں، اور کہتی تھیں کہ ان کے باپ سفر

پر گئے ہیں۔

(ظاہراً یہ مفہوم حضرت رقیہؑ کے بارے میں اس مخدرہ کی خاندانی شان وعظمت کے سبب صحیح نہیں ہے کہ وہ تو بچپن ہی میں ہر طرح کی آگاہی اور باخبری رکھتی تھیں)

چنانچہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ مخدرہ اسیروں کے قافلے اور اپنے باپ کے سر مبارک کے ہمراہ ہو اور باپ کی شہادت سے بے خبر رہے!

وہ مطالب جو اس بچی کے باپ کی شہادت سے باخبر ہونے پر دلالت کرتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

الف: امام حسینؑ کا اہلِ حرم سے خطاب:

يَا اُخْتَاهُ يَا اُمَّ كُلْثُومٍ وَاَنْتِ يَا زَيْنَبُ وَاَنْتِ يَا رُقَيَّةُ ...... اُنْظُرْنَ اِذَا اَنَا قُتِلْتُ ...... (کہ لہوف صفحہ ۱۴۱ طبع دار الاسوۃ پر نقل ہے)

ب: حضرت رقیہؑ نے اپنے باپ کے وداع کے وقت اپنی بہن سے کہا: آؤ ہم بابا کا دامن پکڑ لیں اور انہیں نہ جانے دیں (امام حسینؑ کے وداع والے باب کی طرف رجوع کریں)

ج: گیارہویں کی رات جب حضرت زینبؑ نے دیکھا کہ رقیہؑ خیمہ میں نہیں ہے تو اسے باپ کی لاش پر پایا.......... (یہ واقعہ گیارہویں کی رات کے تذکرہ میں گزر چکا ہے)

جب امام حسینؑ کی ایک چار سالہ بچی تھی ایک رات وہ پریشانی کی حالت میں خواب سے بیدار ہو گئی اور کہنے لگی: میرے بابا حسینؑ کہاں ہیں؟ میں نے ابھی ان کو دیکھا ہے۔

بیبیاں اور بچے یہ بات سن کر رونے لگے اور ان کے بین کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

یزید خواب سے بیدار ہو گیا اور کہنے لگا: کیا خبر ہے؟ اسے اس واقعہ کی خبر دی گئی تو اس لعین نے حکم دیا کہ اس کے باپ کا سر اس کے پاس لے جاؤ۔ سر کو لایا گیا اور بچی کی جھولی میں رکھ دیا گیا۔

بچی کہنے لگی: یہ کیا ہے؟ جواب ملا: یہ تمہارے بابا کا سر ہے۔ وہ بچی خوفزدہ ہو گئی اور ڈر

کے مارے چیخنے لگی۔اس کے بعد بیمار ہو گئی اور انہی ایام میں دمشق ہی میں اس دنیائے فانی سے کوچ فرما گئی۔(کامل بہائی:۲/۱۷۹)

بعض کتابوں میں اس طرح منقول ہے: (طشت میں موجود) سر مبارک پر رومال ڈال کر وہ طشت اس بچی کے سامنے رکھا گیا۔اس نے اس سے پردہ ہٹایا اور کہا: یہ کس کا سر ہے؟

کہا گیا: تمہارے بابا کا سر ہے۔بچی نے سر کو طشت میں سے اٹھایا اپنے سینے سے لگایا اور کہنے لگی:

يَا أَبَتَاهُ ، مَنْ ذَا الَّذِي خَضَبَكَ بِدِمَائِكَ ! يَا أَبَتَاهُ ، مَنْ ذَا الَّذِي قَطَعَ وَرِيدَيْكَ ! يَا أَبَتَاهُ مَنْ ذَا الَّذِي أَيْتَمَنِي عَلَى صِغَرِ سِنِّي ! يَا أَبَتَاهُ ، مَنْ بَقِيَ بَعْدَكَ نَرْجُوهُ ؟ يَا أَبَتَاهُ ، مَنْ لِلْيَتِيمَةِ حَتَّى تَكْبُرَ

"بابا جان! آپ کو کس نے آپ کے خون سے غلطان کیا ہے! اے بابا! کس نے آپ کی گردن کی رگیں کاٹیں۔اے بابا! کس نے مجھے بچپن (ہی) میں یتیم کر دیا اے بابا جان! آپ کے بعد میں کس سے امید (محبت) رکھوں۔بابا جان! اس یتیم کی بڑا ہونے تک کون پرورش کرے گا"۔

یہ گفتگو کرنے کے بعد بچی نے باپ کے منہ پر منہ رکھ کر سخت گریہ کیا۔یہاں تک کہ غش فرما گئیں اور بے ہوش ہو گئیں۔جب انہیں حرکت دی گئی تو اس دنیا سے رحلت فرما چکی تھیں۔

جب اہل بیتؑ نے یہ منظر دیکھا تو صدائے گریہ بلند کی اور ان کے (پرانے داغ) تازہ ہو گئے اور تمام اہل دمشق اس خبر سے آگاہ ہو گئے اور گریہ کرنے لگے۔(نفس المہموم/۴۵۶)

جب اولادِ رسولؐ اور ذریتِ بتولؑ کو شام کے خرابے میں ٹھہرایا گیا تو یہ ستم زدہ اور داغ دیدہ غریب صبح و شام اپنے شہداء کے لئے نوحہ و نالہ کرتے رہتے تھے۔جب عصر کا وقت ہوتا تو کم سن بچے اس خرابے کے دروازے میں کھڑے ہو کر دیکھتے کہ شام کے لوگ خوش و خرم اپنے بچوں کے ہاتھ پکڑے خورد و نوش کی اشیاء لئے اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔

اہل بیتؑ کے بچے (یہ صورت حال دیکھ کر) شکستہ پر پرندوں کی طرح (تڑپتے ہوئے) پھوپھی کا دامن پکڑ کر کہتے: اے پھوپھی اماں! ہمارا گھر نہیں ہے؟ ہمارے بابا نہیں ہیں؟!

بی بی فرماتیں: کیوں نہیں میرے نورِ چشم! تمہارے گھر مدینۃ النبیؐ میں ہیں اور تمہارے بابا سفر پر گئے ہوئے ہیں۔

ان بچوں میں سے امام علیہ السلام کی ایک بیٹی تھی جس کا نام فاطمہؑ تھا، جس نے ہجر کے دکھ اٹھا رکھے تھے، بھوک اور پیاس کی ستائی ہوئی تھی، سفر کی رنج اور باپ اور بھائیوں کے داغ دیکھے ہوئے تھی، بے کجاوہ اونٹ پر راستوں کی صعوبت برداشت کئے ہوئے اور نیزوں کی انیاں اور تازیانے کھائے ہوئے تھی۔

امامؑ اسے بہت عزیز رکھتے تھے، اس بچی کی محبت امام کے دل میں سمائی ہوئی تھی، وہ ہمیشہ اپنے بابا کے پاس بیٹھتی اور لحہ بہ لحہ انہیں گلدستے کی مانند چومتی رہتی تھی اور رات کو بھی امامؑ ہی کے پہلو میں سوتی تھی .... وہ ہمیشہ اپنے بابا کا پوچھتی اور گریہ کرتی تھی کہ:

أَيْنَ أَبِي وَ وَالِدِي وَالْمُحَامِي عَنِّي

اس کی آہ وزاری پر بیبیاں اسے چپ کراتی تھیں۔ یہاں تک کہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام پہنچ گئیں۔ وہ راستے میں (برہنہ) اونٹ کی سواری سے تنگ آ گئی اور اپنی بہن سکینہؑ سے کہنے لگی:

أَيَا أُخْتُ ، قَدْ ذَابَتْ مِنَ السَّيْرِ مُهْجَتِي

"بہن! یہ اونٹ جونہی مجھے حرکت دیتا ہے میرا جگر پانی ہو جاتا ہے"۔

امام حسینؑ اپنی والدہ محترمہ سے بہت محبت کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو بھی بیٹی عطا کی آپ نے اس کا نام فاطمہ رکھا جیسا کہ بیٹوں کے نام علیؑ رکھے، اور امتیاز کی خاطر ہر کسی کو ملقب کر دیا۔ اس تین یا چار سالہ مظلوم بچی کا نام بھی فاطمہؑ تھا۔

اس بے رحم ساربان سے کہو کہ کچھ دیر اونٹ کو روک دے یا پھر آہستہ چلائے ورنہ ہم مرجائیں گی۔ اس (بے رحم) سے پوچھو کہ ہم کب منزل پر پہنچیں گے؟

اس خرابہ شام میں ایک رات اسے بابا کی یاد نے ستایا تو اس نے باپ کے ہجر میں روتے روتے سر خاک پر رکھ دیا اور اس قدر گریہ کیا کہ زمین اس کے آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اس دوران میں وہ سوگئی۔

خواب میں اس نے اپنے بابا کو دیکھا تو خواب سے بیدار ہوگئی۔

فَبَكَتْ وَتَقُولُ : وَاأَبَتَاهُ ، وَاقُرَّةَ عَيْنَاهُ ، وَاحُسَيْنَاهُ

وہ روتی تھی اور کہتی تھی: ہائے میرے بابا، ہائے میری آنکھوں کی ٹھنڈک، ہائے حسینؑ۔ اس نے اس قدر بین کئے کہ سبھی خرابہ نشین پریشان ہوگئے۔

ہر کسی نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی لیکن ایسا ممکن نہ ہوا۔ امام زین العابدینؑ آگے بڑھے اور بہن کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور تسلی دی لیکن وہ مظلومہ (پھر بھی) چپ نہ ہوئی اور بھائی کی گود میں شدید گریہ و نوحہ کیا:

حَتَّى غُشِيَ عَلَيْهَا وَانْقَطَعَ نَفَسُهَا

''حتیٰ کہ غش کر گئیں اور سلسلۂ نفس منقطع ہوگیا''۔

امام سجادؑ گریہ کرنے لگے اور اہل بیتؑ میں کہرام بپا ہوگیا۔

فَضَجُّوا بِالْبُكَاءِ وَجَدَّدُوا الْاَحْزَانَ وَحَثَّوا عَلَى رُؤُسِهِمُ التُّرَابَ ، وَلَطَمُوا الْخُدُودَ وَشَقُّوا الْجُيُوبَ ، وَقَامَ الصِّيَاحُ

''وہ ویرانہ قیدیوں کے نالہ و فریاد سے دارالحزن بن گیا۔ بچی بے ہوش پڑی تھی اور مخدرات شدتِ غم سے اپنے سروں کو پیٹ رہی تھیں اور سینہ زنی کر رہی تھیں۔ انہوں نے سروں میں خاک ڈالی اور گریباں چاک کر لئے۔ ان کی آہ و بکا کی آواز قصرِ یزید میں یزید کے کانوں تک جا پہنچی''۔

طاہر بن عبداللہ دمشقی کہتا ہے: یزید کا سر میرے زانو پر تھا۔ فرزندِ فاطمہؑ (حسینؑ بن علیؑ) کا سر بھی پاس ہی طشت میں پڑا تھا۔ جب خرابہ زندان سے گریہ و شیون کی صدائیں بلند ہوئیں تو

میں نے دیکھا کہ اس طشت سے سرپوش ایک طرف جا گرا اور سر مبارک نے محل کی چھت تک بلند ہو کر با آواز بلند فرمایا:

أُخْتِي سَكِّتِي اِبْنَتِي

"میری بہن زینبؑ! میری بیٹی کو چپ کرایئے"۔

طاہر کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ پھر یہ سر واپس آ گیا اور یزید کی طرف منہ کر کے فرمایا: اے یزید! میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے مجھے قتل کر دیا اور میرے اہل وعیال کو قیدی بنالیا؟!

یزید نے اس آواز اور اس صدائے گریہ وشیون پر سر اٹھایا اور مجھ سے دریافت کیا: طاہر کیا خبر ہے؟ میں نے کہا: مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ خرابہ زندان میں کیا ہوا ہے لیکن میں نے حسینؑ کے سر مبارک کو طشت سے بلند ہو کر یہ کہتے سنا ہے۔

یزید نے ایک ملازم کو بھیجا کہ پتا کر کے آؤ۔ غلام واپس آیا تو یزید کو سارا واقعہ بیان کیا۔ اس ملعون نے کہا: اس (بچی) کے باپ کا سر اسؑ کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ آرام کر جائے۔

سرِ مطہر کو طشت میں رکھ کر خرابۂ زندان میں لایا گیا اور کپڑے سے ڈھکے ہوئے اس سر کو اس مظلومہ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ جب پردہ ہٹایا گیا تو بچی کی نظر باپ کے سر پر پڑی:

فَانْكَبَّتْ عَلَيهِ تُقَبِّلُهُ وَتَبْكِي وَتَضْرِبُ عَلٰى رَاْسِهَا وَوَجْهِهَا حَتّٰى امْتَلَاَ فَمُهَا بِالدَّمِ

"اس نے خود کو اس سر پر گرا دیا وہ باپ کے چہرے کو چومتی تھی اور اپنے سر اور چہرے پر پیٹتی تھی یہاں تک اس کا منہ خون آلود ہو گیا"۔

(ریاض القدس: ۲/۳۲۳ اور "منتخب" میں روایت ہے کہ اس مظلومہ نے اپنے باپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

يَا اَبَتَاهُ، مَنْ ذَا الَّذِي خَضَبَكَ بِدِمَائِكَ

"بابا جان! آپ کے چہرہ منور کو کس نے خون سے غلطان کیا ہے؟"

يَا اَبَتَاهُ ، مَنْ ذَا الَّذِى قَطَعَ وَرِيدَيْكَ!
"بابا جان! کس (ظالم) نے آپ کی گردن کی رگوں کو کاٹا ہے؟"
يَا اَبَتَاهُ ، مَنْ ذَا الَّذِى اَيْتَمَنِى عَلٰى صِغَرِ سِنِّى
"بابا جان! کس ظالم نے مجھے بچپن میں یتیم کیا ہے"
يَا اَبَتَاهُ ، مَنْ لِلْيَتِيْمَةِ حَتّٰى تَكْبُرَ
"بابا جان! آپ کی اس یتیم کی بڑے ہونے تک کون کفالت کرے گا؟"
يَا اَبَتَاهُ ، مَنْ لِلنِّسَاءِ الْحَاسِرَاتِ
"بابا جان! سر برہنہ بیبیوں کی فریاد پر کون پہنچے گا؟"
يَا اَبَتَاهُ ، مَنْ لِلْاَرَامِلِ الْمُسْبِيَّاتِ
"بابا جان! ان بیوہ اور قیدی بیبیوں کی دادرسی کون کرے گا؟"
يَا اَبَتَاهُ ، مَنْ لِلْعُيُونِ الْبَاكِيَاتِ
"بابا جان! ہماری ان روتی ہوئی آنکھوں کی طرف کون نظرِ رحمت فرمائے گا؟ جو آپ کے فراق میں شب و روز گریاں ہیں!
يَا اَبَتَاهُ ، مَنْ لِلضَّايِعَاتِ الْغَرِيبَاتِ
"بابا جان! ان بے وارث و بے وطن غریبوں کی طرف کون متوجہ ہوگا؟"
يَا اَبَتَاهُ ، مَنْ لِلشُّعُورِ الْمَنْشُورَاتِ
"بابا جان! کون ان (پریشان) بالوں کے لئے پریشان ہوگا؟"
يَا اَبَتَاهُ ، مِنْ بَعْدِكَ وَاخَيْبَتَاهُ
"بابا جان! ہائے آپ کے بعد ناامیدی!"
يَا اَبَتَاهُ ، مِنْ بَعْدِكَ وَاغُرْبَتَاهُ
"بابا جان! ہائے آپ کے بعد، غریبی و بے کسی!"
يَا اَبَتَاهُ ، لَيْتَنِى كُنْتُ لَكَ الْفِدَاءُ

"بابا جان! کاش میں آپ پر قربان ہو جاؤں"

يَا اَبَتَاهُ ، لَيْتَنِي كُنْتُ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ عَمْيَاءَ

"بابا جان! کاش میں یہ دن دیکھنے سے پہلے اندھی ہو چکی ہوتی اور آپ کو اس حالت میں نہ دیکھتی"۔

يَا اَبَتَاهُ ، لَيْتَنِي وُسِّدْتُ الثَّرىٰ وَلَا اَرىٰ شَيْبَكَ مُخَضَّبًا بِالدِّمَاءِ

"بابا جان! کاش مجھے خاک کے نیچے چھپا دیا گیا ہوتا اور میں آپ کی ریش مبارک کو خون سے خضاب شدہ نہ دیکھتی"۔

وہ معصومہ نوحہ کرتی تھی اور آنسو بہاتی تھی یہاں تک کہ (شدتِ غم کے سبب) اس کی سانسیں گنی جا سکتی تھیں اور گریہ اسے گلوگیر ہو گیا، مرغ بسمل کی طرح کبھی وہ باپ کے سر کو اپنی داہنی طرف رکھتی اور چومتی اور اپنے سر کو پیٹتی اور کبھی بائیں جانب رکھتی اور بوسہ زنی کرتی......

پھر اس نے بڑے ناز سے ہونٹ باپ کے ہونٹوں پر رکھے، اور کافی دیر تک خاموشی سے روتی رہی۔

فَنَادىَ الرَّأسُ بِنْتَهُ ، اِلَيَّ اِلَيَّ ، هَلُمِّي فَاَنَا لَكِ بِالْاِنْتِظَارِ.
فَغُشِيَ عَلَيْهَا غَشْوَةٌ لَمْ تُفِقْ بَعْدَهَا ، فَحَرَّكُوهَا فَاِذَا هِيَ قَدْ فَارَقَتْ رُوْحُهَا الدُّنْيَا

سرِ مطہر نے بچی کو آواز دی: میری طرف چلی آؤ میں تمہارا منتظر ہوں۔ بچی غش کر گئی اور دوبارہ ہوش میں نہ آئی۔ جب اس کو حرکت دی گئی تو دیکھا گیا کہ اس کی روح بدن سے پرواز کر چکی تھی اور وہ اپنے باپ کی خدمت میں پہنچ چکی تھی"۔ (انوار الشہادۃ/۲۴۳، ریاض القدس: ۲/۳۲۶)

راوی کہتا ہے: جب اس بچی کی لاش کو اس خرابہ سے اٹھایا گیا تو سیاہ علم لہرایا گیا اور تمام شامی مرد اور عورتیں جمع ہو گئے، وہ گریہ و فریاد کر رہے تھے اور اپنے سینوں پر پتھروں سے ماتم کرتے

تھے۔ بچی کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا (بعض روایات کے مطابق اسی کہنہ لباس میں تکفین کی گئی۔ (ستارہ درخشان شام/۲۳۱ قصائص الزینبیہ/۲۹۶ سے منقول)

اس کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی اور دفن کر دیا گیا۔ ابھی تک اس کی قبر معلوم و مشہور ہے۔ (انوار الشہادة/۲۳۶ ف ۳۰)

غسالہ عورت تختہ غسل، پانی اور چراغ لے کر آئی۔ بچی کا لباس اتارا تو دیکھا کہ اس نازنین کا بدن زخمی اور سیاہ رنگ کا ہے۔ غسالہ نے اپنے سر پر دو ہتھڑ مارا! کہا گیا: تم خود کو کیوں پیٹ رہی ہو؟ تو اس نے جواب دیا: اس بچی کی ماں (یا ان قیدیوں کا بزرگ) کون ہے؟ تاکہ مجھے بتائے کہ یہ بچی کس مرض سے فوت ہوئی ہے؟ اس کا بدن نیلا کیوں ہے۔

خواتینِ عصمت نے روتے ہوئے کہا: اسے کوئی مرض لاحق نہ تھا، یہ تو نیزوں کی انیوں اور تازیانوں کے نشانات ہیں۔ (مقتل جامع مقرم: ۲/۲۰۵)

آیت اللہ اثنی عشری فرماتے ہیں: میں نے آقائے حاج حسن اور آقائے شیرازی سے سنا ہے وہ آیت اللہ مرحوم سید محسن سے نقل کرتے ہیں کہ:

آیت اللہ سید محسن جبل عاملی کے زمانے میں نزدیک تھا کہ رقیہ خاتون کی قبر کو پانی بہا کر لے جائے، کیونکہ اس کے نزدیک ہی نہر بہتی تھی جس کے سبب قبر کے اطراف کی حالت دگرگوں ہو چکی تھی۔ نہر کو ہٹانا ہمارے لئے مشکل تھا چنانچہ جسدِ اطہر کو وہاں سے منتقل کرنے کا سوچا گیا۔

آیت اللہ محسن سے کہا گیا کہ آپ یہ کام سرانجام دیں۔

سید نے کہا: اگر کوئی امکان (تحفظ کا) نہ رہا تو ہم یہ کام بھی کر سکتے ہیں۔ ہم قبر کو کھود کر جسدِ اطہر کو باہر نکال لیں گے۔

سید محسن نے قبر کھودنے کا ارادہ کیا۔ غسل فرمایا، سفید لباس پہنا اور قبر کو کھودنے کا حکم دیا۔ جب لوگ مٹی کو ہٹا کر لحد کی اینٹوں تک پہنچے تو فرمایا: ٹھہر جاؤ لحد کو میں خود اکھاڑوں گا۔ سید محسن قبر میں اترے۔ جونہی سر مبارک کے اوپر کی اینٹ اٹھائی تو سید محسن وہیں گر گئے۔ ان کی بغلوں کے نیچے سہارا دے کر انہیں اٹھایا گیا تو فرمانے لگے: ہائے افسوس، ہائے افسوس۔

ہم کو تو یہ بتایا گیا ہے کہ یزید نے غسالہ عورت کو کفن بھیجا تھا۔ لیکن (آج) سمجھ میں آیا کہ یہ جھوٹ تھا۔ بچی اپنے لباس ہی میں مدفون تھی اور اس کا جسم پھول کی مانند مطہر تھا۔

میں اس بدنِ اطہر کو منتقل نہیں کروں گا کیونکہ میں اسے منتقل کرنے سے ڈرتا ہوں۔ دوسرے رقیہؑ بنت الحسینؑ کے عنوان سے ان کی پہچان نہیں ہو سکی اور میں اس کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ نہر کو یہاں سے ہٹانے کے لئے جتنا خرچ آتا ہے میں دیتا ہوں نہر کو یہاں سے ہٹادو۔ (شب پنجم صفر سال ۱۴۱۹، ۸/۳/۷۷ شمسی تہران میں منبر پر بیٹھ کر فرمایا)

کتاب وقایع الشہور والایام" مصنفہ مرحوم آیت اللہ بیر جندی میں ہے کہ امام حسینؑ کی چھوٹی بیٹی نے ماہ صفر کی پانچ تاریخ کو ۶۱ میں وفات پائی۔ چنانچہ یہی مفہوم کتاب "ریاض القدس" میں بھی مرقوم ہے۔ (ستارہ درخشان شام حضرت رقیہ/۱۹۹)

قبل ازیں بھی اس مخدرہ کا ذکر کئی موارد پر ہوا ہے مثلاً امام حسینؑ کے وداع کے وقت فرمایا تھا:

"یَا سَكِينَةُ وَيَا رُقَيَّةُ ...."

(انوارلشہادۃ/۱۶۰ف ۱۴ اورلہوف صفحہ ۱۴۱ طبع دارالاسوہ میں منقول ہے کہ امام حسینؑ نے سفارش فرمائی:

يَا أُخْتَاهُ يَا أُمَّ كُلْثُومٍ وَأَنْتِ يَا زَيْنَبُ وَأَنْتِ يَا رُقَيَّةُ .... إِذَا أَنَا قُتِلْتُ فَلَا تَشْقُقْنَ جَيْبًا ....

"اے میری بہن ام کلثومؑ !اور اے زینبؑ ! اور اے رقیہؑ! جب میں قتل کردیا جاؤں تو رضائے الٰہی پر تسلیم خم کر دینا"۔

یہاں امامؑ نے اپنی بیٹی رقیہؑ ہی کو خطاب فرمایا تھا۔ اور امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے بزرگ اصحابی سیف بن عمیرہ کے پُر درد اور سوزناک قصیدے میں بھی دو جگہوں پر اس نازدانہ سخن کا تذکرہ ہے: (رجال نجاشی/۱۸۹، ادب الطف:۱/۱۹۷)

وَرُقَيَّةُ رَئِيَ الْحَسُودُ لِضَعْفِهَا
وَغَدًا لِيَعْذِرَهَا الَّذِي لَمْ يَعْذِرْ
لَمْ أَنْسِهَا وَسَكِينَةَ وَ رُقَيَّةُ
يَبْكِيْنَهُ بِتَحَسُّرٍ وَ تَزَفُّرٍ

(سیاہ پوشی درسوگ آئمہ نور/۲۳۰، منتخب طریحی: ۲/۴۳۷ سے منقول)

حمید بن مسلم سے منقول ہے کہ جب حضرت علی اصغرؑ شہید ہو گئے .... تو بچیاں خیمہ سے باہر دوڑیں اور اپنے آپ کو اس معصوم شہید کے اوپر گرادیا .... اور وہ بچیاں فاطمہؑ، سکینہؑ اور رقیہؑ تھیں۔ (مہیج الاحزان/۲۴۳ مجلس دہم)

جب امام حسینؑ نے امام سجادؑ کو میدان میں جانے سے روکا تو فرمایا:

میرے بیٹے! تم میرے پاک ترین بیٹے اور میری عترت میں افضل (ترین) ہو اور عورتوں اور بچوں کے لئے میرے جانشین ہو ...... پھر بلند آواز سے فرمایا: اے زینبؑ اور اے اُم کلثومؑ، اے سکینہؑ، اے رقیہؑ، اے فاطمہؑ، میری بات سنو! جان لو کہ میرا بیٹا تمہارے لئے میرا خلیفہ اور جانشین ہے۔ یہ امام اور پیشوا ہے جس کی اطاعت تم پر واجب ہے۔ (معالی السبطین: ۲/۱۲ الدمعۃ الساکبہ منقول)

حضرت رقیہؑ خاتون کی قبر کی تعمیر

عالم بزرگوار ملا محمد ہاشم خراسانی مرحوم لکھتے ہیں: عالم جلیل شیخ محمد علی شامی جو علمائے نجف اشرف میں سے تھے، نے حقیر سے فرمایا:

میرے دادا جناب آقا سید ابراہیم دمشقی کہ جن کا نسب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ تک پہنچتا ہے اور جن کی عمر ۹۰ سال سے زیادہ تھی، ان کی تین بیٹیاں تھیں اور نرینہ اولاد نہ تھی۔ ایک رات ان کی بڑی بیٹی نے حضرت رقیہؑ بنت امام حسینؑ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتی تھیں: اپنے باپ سے کہو کہ حاکم سے کہے میری لحد اور جسم میں پانی داخل ہو گیا ہے اور میرا جسم اذیت میں ہے، انہیں

چاہیے کہ میری قبر کی تعمیر کریں۔

بیٹی نے سید سے عرض کیا، لیکن سید نے اہل تسنن کے خوف کے باعث اس خواب کی طرف توجہ نہ دی، دوسری رات اس سید کی درمیانی بیٹی نے یہی کچھ خواب میں دیکھا، لیکن انہوں نے کچھ اثر نہ لیا۔ تیسری رات اس سید کی چھوٹی بیٹی نے یہی خواب دیکھا اور باپ سے بیان کیا۔ لیکن انہوں نے پھر کوئی اثر نہ لیا۔ چوتھی رات خود سید نے حضرت رقیہؑ کو خواب میں دیکھا کہ وہ نہایت غصے سے فرما رہی تھیں: تم نے حاکم کو اطلاع کیوں نہیں دی؟!

سید جاگ اٹھے، صبح حاکم کے پاس پہنچے اور اپنا خواب بیان کیا۔ حاکم نے شام کے شیعہ اور سنی علما کو حکم دیا کہ غسل کر کے پاکیزہ لباس پہنیں اور جس کے ہاتھ سے حرم مطہر کے دروازے کا تالا کھل جائے وہ شخص جائے اور بی بی کی قبر مقدس کو کھودے اور جسدِ اطہر کو باہر نکال لائے تاکہ قبر تعمیر کرائی جا سکے۔

شیعہ سنی علماء نے نہایت ادب کے ساتھ غسل کیا اور پاکیزہ لباس پہن کر تالا کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن تالا مرحوم سید کے علاوہ کسی سے نہ کھل سکا اور جب حرم میں داخل ہوئے تو سوائے سید ابراہیم کے کسی کے کدال نے اثر نہ دکھایا۔

حرم کو خالی کرایا گیا اور جب لحد مبارک کو کھولا گیا تو (علماء نے) دیکھا کہ اس مخدرہ کا نازک بدن لحد اور کفن میں صحیح و سالم ہے لیکن لحد میں کافی پانی جمع ہو چکا ہے۔

سید ابراہیمؒ نے بدنِ اطہر کو لحد سے باہر نکالا اور اپنے زانو پر رکھا اور تین دن اسی طرح اپنے زانوں پر رکھے گریہ کرتے رہے حتیٰ کہ بی بی کی قبر تعمیر ہو گئی۔

جب نماز کا وقت ہو جاتا تو سید ابراہیمؒ اس مخدرہ کے بدنِ اطہر کو کسی پاکیزہ چیز پر رکھ دیتے اور نماز سے فراغت کے بعد پھر اٹھا کر زانوؤں پر رکھ لیتے۔ یہاں تک کہ قبر اور لحد تعمیر سے فارغ ہو گئی تو سید نے بدنِ اطہر کو دفن کر دیا۔

اور اس مخدرہ کا معجزہ یہ ہے کہ سید ابراہیم کو ان تین دنوں میں کھانے، پانی اور وضو کی احتیاج نہ ہوئی۔ اور جب بدنِ اطہر کو دفن کرنے لگے تو دعا فرمائی: خداوند! مجھے بیٹا عطا فرما۔

سید ابراہیمؒ کی دعا قبول ہوئی اور خداوند کریم نے بڑھاپے میں انہیں بیٹا عطا فرمایا۔ جس کا نام انہوں نے سید مصطفیٰ رکھا۔

یہ واقعہ والی شام نے سلطان عبدالحمید عثمانی کو لکھا، تو اس نے حضرت زینبؑ، حضرت رقیہؑ، حضرت ام کلثومؑ اور حضرت سکینہؑ کی قبروں کی زمین واگزار کردی اور فعلاً بھی آقا سید ابراہیم نے ان مقاماتِ مقدسہ کی تولیت سنبھال لی۔ (یہ واقعہ سن بارہ سو اسی (۱۲۸۰) ہجری میں ہوا منتخب التواریخ/۳۶۵ ب ۸)

معالی میں اس واقعہ کو اجمالاً نقل کیا گیا ہے اور آخر میں یہ اضافہ کیا ہے:

فَنَزَلَ فِیْ قَبْرِهَا وَوَضَعَ عَلَیْهَا ثَوْبًا لَفَّهَا فِیْهِ وَاَخْرَجَهَا ، فَاِذَا هِیَ بِنْتٌ صَغِیْرَةٌ دُوْنَ الْبُلُوْغِ وَكَانَ مَتْنُهَا مَجْرُوْحَةً مِنْ كَثْرَةِ الضَّرْبِ

"وہ سید جلیل قبر میں داخل ہوئے اور اس پر ایک کپڑا لپیٹا اور اسے قبر سے باہر نکال لائے۔ یہ ایک چھوٹی بچی تھی جو ابھی عمر بلوغت تک کو نہ پہنچی تھی۔ اور اس کی پشت مبارک ضربوں کی زیادتی سے زخمی تھی"۔ (معالی السبطین: ۲/۱۰۱)

(۱) اس مخدرہ کی عنایات وکرامات

جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ سید ابراہیمؒ دمشقی ۹۰ سال سے کچھ زیادہ عمر میں حضرت رقیہؑ کی کرامت سے ایک بیٹے کے باپ بنے اور اس کا نام سید مصطفیٰ رکھا۔

سید ابراہیم کی وفات کے بعد اس مشاہد مشرفہ کی تولیت ان کے بیٹے سید مصطفیٰ اور ان کے بعد ان کے بیٹے سید عباس کو عطا ہوئی۔ (اجساد جاویدان/۶۷)

سید ابراہیمؒ دمشقی کی اولاد بہت معروف تھی اور مشہور ہے کہ جب وہ اپنا ہاتھ کسی گزیدہ مقام پر رکھتے وہ فوراً ٹھیک ہوجاتا۔ اور یہ اثر انہیں اپنے جد بزرگوار سے وراثت میں ملا تھا۔ اور وہ

اس (کرامت) کو مظلومہ بی بی کے بدنِ اطہر کی حفاظت کا صلہ سمجھتے تھے۔ (منقل جامع مقرم: ۲/۲۰۸)

(۲) ایک عیسائی عورت حضرت رقیہؑ کی کرامت دیکھ کر مسلمان ہوگئی

حوزہ علمیہ زینبیہ کے ایک طالب علم جناب حجۃ الاسلام آقائے سید عسکر حیدری بیان کرتے ہیں:

ایک دن ایک عیسائی عورت ایک مفلوج بچی کو لبنان سے شام لائی کیونکہ لبنان کے ڈاکٹروں نے اسے جواب دے دیا تھا۔ وہ عورت اپنی مریضہ بیٹی کو حضرت رقیہؑ کے باعظمت حرم کے پاس لے گئی تاکہ وہاں اس کے علاج کے لئے شام کے کسی ڈاکٹر سے رجوع کر سکے۔ اس دوران میں روز عاشور آ پہنچا اور اس نے دیکھا کہ لوگ گروہ در گروہ حضرت رقیہؑ کے حرم مطہر کی طرف جا رہے ہیں۔

اس نے شام کے لوگوں سے پوچھا: یہاں کیا ہوا ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ یہاں حضرت امام حسینؑ کی بیٹی کا حرم مبارک ہے۔ اس نے بھی اپنی مریض بیٹی کو کمرے میں تنہا چھوڑ کر اس کا دروازہ بند کیا اور بی بی کے حرم کی طرف چل پڑی۔ وہاں وہ حضرت رقیہؑ سے متوسل ہوئی اور اس قدر گریہ کیا کہ غش کھا کر بے ہوش ہوگئی۔ اس حالت میں کسی نے اس سے کہا: اٹھو اپنے ٹھکانے پر جاؤ کہ تمہاری بیٹی وہاں تنہا ہے اور خداوند متعال نے اسے صحت یاب کر دیا ہے۔ وہ اٹھی اور اپنے ٹھکانے کی طرف چل دی۔ وہاں پہنچ کر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کی بیٹی کھیل رہی ہے!

جب ماں نے بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر اس سے صورت احوال دریافت کی تو بیٹی نے ماں کے جواب میں کہا: جب آپ یہاں سے گئیں تو ایک رقیہ نامی بچی کمرے میں داخل ہوئی اور مجھ سے کہنے لگی: کھڑی ہو جاؤ تاکہ ہم مل کر کھیلیں۔ اس بچی نے مجھ سے کہا: کہو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پھر وہ اٹھی اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اوپر اٹھایا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ میرا سارا جسم صحیح و سالم

ہے۔وہ مجھ سے معروفِ صحبت تھی کہ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ کہنے لگی: تمہاری ماں آئی ہے۔امام حسینؑ کی دختر کی یہ کرامت دیکھ کر وہ عیسائی عورت مسلمان ہوگئی۔ (ستارہ درخشان شام /۲۷۰)

(۳) منقول ہے:

ایک دن میں حضرت رقیہؑ کے مصائب کا تذکرہ کرنے میں مشغول تھا کہ اس دوران میں پڑوس میں ایک خاتون شدید گریہ وفریاد سے غش کھا گئی۔

مذکورہ خاتون مجلس کے بعد ہوش میں آئی تو اسے میرے پاس لایا گیا۔اس نے مجھ سے کہا: میں تین بچوں کی ماں ہوں اور دل کی مریضہ ہوں۔تمام ڈاکٹروں نے مجھے جواب دے دیا تھا۔ میں بالکل ناامید ہوگئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے حضرت رقیہؑ کے حرم میں لے چلو۔

آج مجھے یہاں آئے ہوئے تیسرا دن ہے۔کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بچی نے مجھے ایک سبز پتا دیا ہے اور کہتی ہے: اسے کھالو ٹھیک ہو جاؤ گی۔میں نے کہا آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں رقیہ بنت الحسینؑ ہوں۔

میں خواب سے بیدار ہوئی تو حرم میں پہنچی، اس اثنا میں آپ روضہ خوانی میں مصروف تھے۔میں نے اسی بچی کو حالتِ بیداری میں دیکھا کہ جس نے مجھے سبز پتا دیا اور وہاں موجود سب لوگوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا۔ میں یہ برداشت نہ کرسکی۔اس کے نتیجے میں میں تحمل نہ کرسکی اور بے ہوش ہوگئی اور بحمد اللہ اب میری حالت بہت بہتر ہے۔ (ستارہ درخشان شام/۲۸۲)

(۴) راہ کربلا کھل گئی

کئی سالوں سے کربلا کا راستہ بند تھا۔مظلوم کربلا کے شیعہ اور محبّ ان کی محبت زیارت کے شوق سے دل گیر تھے اور اس سعادت ابدی کی توفیق کے لئے ان کی خدمت میں درخواست کرتے تھے۔

آخر کار رحمت ورأفت حسینیؑ جوش میں آئی اورانہوں نے شیعہ اور دل باختہ حسینیوں کو اس وصف ناپذیر کی بشارت عطا فرمائی۔ بالآخر شام کی طرف سے کربلا کا راستہ کھل گیا۔ بہت سے ایرانی ان عتبات عالیہ کی زیارت کے لئے شام روانہ ہوئے۔ مجھ حقیر کے دل میں بھی شدید شوق زیارت پیدا ہوا اور میں کچھ دوستوں کے ہمراہ شام کی طرف روانہ ہوا۔ اچانک عراق کی بعثی حکومت کو امریکہ کی دھمکیاں شدت اختیار کر گئیں اور کسی بھی وقت جنگی حملہ کے خطرہ کا امکان تھا۔ ایرانیوں کی کثیر تعداد شام میں سرگرداں تھی۔ ان میں سے بعض تو ایران واپس لوٹ آئے۔ کربلا کی زیارت کے آرزومندوں نے حضرت رقیہؑ کے حرم میں اجتماع کیا اور اس باب الحوائج سے ”در پیش مانع کو“ دور کرنے کی درخواست کی۔

بندہ حقیر کی بھی عجیب حالت تھی حتیٰ کہ اس ہستی کی چوکھٹ پر بے اختیار یہ عرض کرنے کی جسارت کی: بی بی جان! اگر آپؑ کے بابا کی زیارت کی منظوری نہ ہوئی تو میں دوبارہ آپؑ کی زیارت کے لئے بھی نہیں آؤں گا!!! اور پھر شدید گریہ کیا۔ ابھی میں حرم ہی میں تھا کہ زائرین سے پابندی اٹھالی۔ جانے کی خبر سنی اور راستہ دوبارہ کھل گیا۔ اور بحمد اللہ ہم بخیر وسلامتی زیارات (کربلا) سے مشرف ہوئے۔

..........✿..........

سر مبارک کا مدفن

ملبوس ہے درکار ہے اب نہ زر و زیور   بہر حسنؑ و حیدرؑ و زہراؑ و پیمبرؐ
منگوا دے مجھے میرے پدر کا سرِ انور   تا دفن کروں قبر میں لاشے سے ملا کر

بابا سا بھی میرے کوئی مظلوم نہیں ہے
جس کا سرِ پُرنور کہیں، لاش کہیں ہے

(میر انیس)

بہت سے مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت سجادؑ نے اپنے باپ کے سر کو اربعین کے روز سید الشہداء کے جسد اطہر سے ملحق کردیا۔ (مقتل مقرم/۳۶۹)

مرحوم محدث قمی رقم طراز ہیں: علمائے امامیہ میں یہی مشہور ہے کہ (سر مبارک) یا جسد مبارک کے ساتھ دفن کردیا گیا اور امام سجادؑ اسے واپس لے آئے یا امیر المومنین علیہ السلام کی قبر مبارک (نجف اشرف) کے نزدیک دفن کیا گیا۔ جیسا کہ متعدد روایات میں مذکور ہے۔ (نفس المہموم/۳۶۶)

ابن شہر آشوب کا کہنا ہے: سید مرتضیٰ اپنے ایک رسالہ میں تحریر کرتے ہیں: امام حسینؑ کے سر مطہر کو شام سے کربلا واپس لایا گیا اور بدنِ اطہر سے ملا دیا گیا۔ (رسائل الشریف المرتضیٰ: ۱۳۰/۳)

شیخ طوسیؒ تحریر کرتے ہیں: زیارت اربعین اسی سبب وارد ہوئی ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب: ۷۷/۴: بخش تاریخ آنحضرت از انتشارات علامہ)

اور تاریخ حبیب السیر میں مذکور ہے کہ یزید نے شہدائے کربلا کے سر علیؑ بن الحسینؑ کو

دے دیئے اور آپ نے ان سروں کو بیس صفر کو ان کے اجساد مطاہرہ کے ساتھ دفن کر دیا۔ اس کے بعد (حبیب السیر کے مصنف) نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے فرمایا: سر کرم کی تدفین کے بارے میں صحیح ترین روایت یہی ہے۔ (حبیب السیر: ۲/۶۰)

ابو اسحاق اسفرائینی کتاب ''نور العین'' میں لکھتے ہیں:

شام میں آنحضرتؑ کے سر اطہر کو مشک و کافور لگا کر اہل بیتؑ کو دیا گیا اور انہوں نے مدینہ واپسی پر کربلا میں اسے جسد مبارک کے ساتھ دفن کر دیا۔ (تذکرۃ الشہداء ۱/۴۴۷)

شیخ حر در مسلوک نامی کتاب میں لکھتے ہیں: روایت میں ہے کہ (سر مبارک) کربلا میں امامؑ کے جسد مبارک کے ساتھ دفن کر دیا گیا اور طائفہ (علماء) کا عمل اسی مطلب پر دال ہے۔ (مدرک پیشین)

مرحوم سید بن طاوس رقم طراز ہیں: روایت میں ہے کہ امام حسینؑ کے سر مبارک کو کربلا واپس لایا گیا اور آپ کے جسد اطہر کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ اور طائفہ شیعہ کا عمل بھی اسی پر ہے۔ اگر چہ بہت سی روایات اس کے خلاف بھی منقول ہیں۔ (لہوف/۱۹۵)

البتہ دوسرے قول کے مطابق سر مبارک کا مدفن امیر المومنینؑ کی قبر کے پاس ہے، کے بارے میں شیخ حر عاملی مرحوم نے وسائل الشیعہ میں (بہت سی) روایات کو نقل کیا ہے۔ (وسائل ۱۴/۳۹۸ باب ۳۲ از مزار)

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ہم اہل بیتؑ کے ایک غلام نے سر مبارک کو شام سے چرایا اور وہیں دفن کر دیا۔ (کافی: ۴/۵۷۱)

مفضل بن عمر کی روایت میں آتا ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: کہ یہ میرے جد حسینؑ کے سر کا مقام ہے کہ ''وَضَعُوهُ هٰهُنَا'' کہ سر مقدس کو وہاں پر رکھا گیا: اس حدیث کا مقصد یہ ہے سر مبارک کو ایک مدت تک اس مقام پر رکھا گیا۔

یونس بن ظبیان سے مروی حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے امیر المومنین علیؑ کے قریب (سر سید الشہداؑ) کے مدفون ہونے کے بارے میں گفتگو کے بعد فرمایا:

فَالرَّأْسُ مَعَ الْجَسَدِ وَالْجَسَدُ ، مَعَ الرَّأْسِ

"سر جسم کے ساتھ ہے اور جسم سر کے ساتھ"۔

ان احادیث کی عبارات پر غور وخوض سے یہ کہنا ممکن ہے: اس کے بعد (غیر عادی طریقے سے) کربلا منتقل کر دیا گیا ہو جیسا کہ ابن ظبیان کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

مرحوم مقرم:

قول مشہور یعنی کربلا میں تدفین کے دفاع میں لکھتے ہیں: "روضۃ الواعظین فتال" اور مثیر الاحزان ابن نما" میں آتا ہے کہ یہی قول امامیہ کے نزدیک مورد اعتماد ہے۔ اور مرحوم سید بن طاؤس نے "لہوف" میں فرمایا: طائفہ شیعہ کا عمل اسی طبق احادیث پر ہے۔

"اعلام الوری طبرسی"، "مقتل عوالم"، "بحار الانوار" اور "ریاض المصائب" میں یہی قول ہے جو معروف علما کے درمیان مشہور سمجھا جاتا ہے۔ اور متعدد شیعہ علماء سے یہی قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس قول کی بنا پر ہر وہ قول جو اس کے خلاف ہو قابلِ اعتنا واعتبار نہیں۔ چونکہ سر مبارک کی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی مرقد مبارک کے نزدیک تدفین والی حدیث ان علماء بزرگ کے سامنے تھی لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے لئے مورد وثوق نہ تھی۔ چونکہ اس حدیث کا سلسلہ سند مکمل نہیں ہے اور راوی حضرات بھی معروف نہیں ہیں۔ (مقتل مقرم/۳۶۹)

دل غم سے انیسؔ جگر افگار تپاں ہے
دفنِ شہداء لکھنے کی اب تاب کہاں ہے

روز اربعین اہلِ بیتؑ کا کربلا میں ورود

اس گھر سے سدھارے تھے جو ہمراہ ہمارے — نیزے پہ چڑھا دینے کو سرتن سے اُتارے
دیکھا کیے ہم سامنے وہ سب گئے مارے — پیاسوں کی بنیں تربتیں دریا کے کنارے
مر کر نہ ملا چین کسی تشنہ دہن کو
چالیسویں تک سب ہے محتاج کفن کو
(میر انیس)

جب امام حسینؑ کے اہلِ حرم اور اہل وعیال شام سے واپس پلٹے اور عراق پہنچے تو انہوں نے قافلہ کے رہنما سے کہا: ہمیں کربلا کے راستے لے چلو۔

پس وہ چلتے چلتے جب مقتل شہداء تک پہنچے تو دیکھا کہ جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور بنی ہاشم اور آلِ رسولؐ سے کچھ لوگ قبر حسینؑ کی زیارت کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ پس وہ سب اس سرزمین پر اکٹھے ہوگئے اور گریہ وزاری کے ساتھ ساتھ رنج واندوہ سے اپنے منہ پیٹتے ہوئے ایک دوسرے سے تعزیت کی اور دلوں کے زخموں کی مرہم کے لئے مجلس عزا برپا کی۔ گردونواح کی عورتیں بھی وہاں اکٹھی ہوگئیں اور چند روز اسی صورتِ حال میں گزرے۔ (لہوف/۱۹۶، اور یہی مضمون مثیر الاحزان/۱۰۷ اور مقتل مقرم میں ریاض الاحزان کے حوالہ سے منقول ہے)

لیکن محدث قمی مرحوم جیسے بعض (محدثین ومورخین) اسے بعید از قیاس سمجھتے ہیں کہ یہ پہلے سال کے اربعین کا واقعہ ہو۔ چونکہ راستہ بہت طولانی تھا اور عادتاً یہ ممکن نہ تھا کہ اس کم مدت میں اس طولانی راستے کو طے کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ کوفہ وشام میں بھی چند روز قیدیوں کو پابند رکھا گیا۔

مولف عرض پرداز ہے: تاریخ میں بیان شدہ موارد سے ثابت ہے کہ طولانی راستوں کو کم مدت میں طے کیا گیا اور کچھ بعید نہیں کہ یہ وہی سال ہو۔ مثلاً:

① قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ ابن زیاد نے تیرھویں محرم کے دن انہیں کوفہ سے شام کی طرف روانہ کیا اور ابن زیاد نے اہل بیتؑ کی کوفہ آمد کے بعد بارہ محرم کو یزید کو خط لکھا اور اہل بیتؑ کو خط لکھا اور اس نے جواب میں لکھا کہ انہیں شام بھیج دیا جائے۔ ان تین دنوں کے اندر کیسے خط پہنچا اور جواب واپس پہنچا! بعض جواب دیتے ہیں کہ خط بذریعہ کبوتر بھیجے جاتے تھے لیکن یہ بات ثابت نہیں ہے۔

② جیسا کہ سابقہ فصل میں گزر چکا ہے کہ سر مبارک کے مدفن کے بارے میں دو قابلِ توجہ قول بیشتر مؤرخین نے نقل کیے ہیں: ایک امیر المومنین علیہ السلام کی مرقد کے قریب جس کے بارے میں کئی روایات دلالت کرتی ہیں اور دوسرا یہ کہ حضرت سجادؑ نے اسے (اربعین کے روز) آنحضرت کے بدن کے ساتھ ملحق کر دیا اور یہی قول علمائے امامیہ کے نزدیک مشہور اور موردِ اعتماد ہے۔

وہ کس طرح امام سجادؑ کے سر مبارک سید الشہداءؑ کو روز اربعین کربلا میں دفن کرنے کو قبول کرتے ہیں لیکن قیدیوں کی روز اربعین کربلا آمد کو بعید سمجھتے ہیں؟

③ کفعمیؒ اور بزرگ عالم فیض کاشانی اور مرحوم محدث قمی "نفس المہموم" وغیرہ میں نقل کرتے ہیں، کہ صفر کی پہلی تاریخ کو سرہائے مقدس کو شام لایا گیا۔ جیسا کہ قبل ازیں نقل کیا گیا ہے اور سبھی نے اس مطلب کو تسلیم کیا ہے۔

④ اور تاریخ میں مذکور ہے کہ شہداء کے سرہائے مقدس اور قیدی ایک ہی وقت میں کوفہ و شام کے درمیان منازل طے کرتے ہوئے شام میں داخل ہوئے نہ یہ کہ سرہائے شہداء کو علیحدہ طور پر لایا گیا۔

ہم پوچھتے ہیں: تم نے اس قلیل مدت میں کوفہ سے شام تک قیدیوں کی آمد کو کس طرح قبول کر لیا لیکن اس مدت میں واپس آنا اور روز اربعین کربلا میں وارد ہونا بعید (از فہم)

خیال کرلیا؟!

اگر کہا جائے کہ انہوں نے شام میں چندروز قیام کیا تو ہم کہیں گے : کوفہ میں بھی ان قیدیوں نے چند یوم زندان میں کاٹے یا کوفہ شہر میں زیر حراست رہے ،اور کوفہ کی طرف چندرہ ۱۵ محرم کو روانہ ہوئے۔

اس بنا پر جانے اور واپس آنے میں فرق روا نہیں رکھا جا سکتا۔(بلکہ واقفیت کی بنیاد پر جانے کی نسبت واپسی کم تر وقت میں ہونی چاہیے۔انہیں مختلف شہروں میں لے جایا گیا تا کہ لوگوں کو یزید کی کامیابی سے آگاہ کیا جا سکے۔لیکن واپسی میں سیدھے راستے سے آئے۔پس اگر اس طولانی سفر کوکوفہ' درمیانی شہروں اور دروازہ شام کے پیچھے توقف کے باوجود بیس دنوں کے اندر (گیارہ محرم سے لیکر پہلی صفر تک) طے کیا گیا تو کوئی بعید نہیں کہ اس سفر کو دمشق میں توقف کے باوجود بیس (۲۰) دن کی مدت میں (پہلی سے بیس صفر تک) طے نہ کیا جا سکے۔

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مسلم علیہ السلام چندرہ ۱۵ رمضان کو مکہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ تشریف لے گئے اور مدینہ میں اپنے اہل وعیال سے وداع کرنے اور حرم پیغمبر میں نماز پڑھنے کے بعد دو رہنماؤں کے ہمراہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور شوال کی پانچ تاریخ کو کوفہ شہر پہنچ گئے۔

ہم کہتے ہیں: اس طولانی فاصلے کو حضرت مسلمؑ نے بیس روز کے اندر اندر کس طرح طے کرلیا، باوجود اس کے کہ انہوں نے کچھ دیر مدینہ میں توقف بھی کیا اور دوران راہ میں دونوں رہنما بھی پیاس سے مر گئے اور حضرت مسلمؑ نے امام حسینؑ کے لئے خط لکھا کہ اگر مناسب خیال کریں تو مجھے (اس سفر سے) معاف فرمائیں۔اور حضرتؑ نے جواب میں لکھا: میں نے تمہیں جس راستے سے جانے کا حکم دیا ہے اس خط کے وصول ہونے کے بعد اس پر اپنا سفر جاری رکھو۔

⑤ ابو حنیفہ کی کوفہ یا بغداد میں ذوالحجہ کا چاند دیکھنے اور ارادہ کو کرنے کی حکایت مشہور ہے۔(مہیج الاحزان ۳۸۱ م ۱۴)

لہذا کہنا چاہیے کہ چونکہ ابن زیاد اور یزید کو لوگوں کے بغاوت کر دینے کا خوف تھا،

خصوصاً کوفہ اور راستے کے بعض شہروں میں، اس لئے انہوں نے ارادہ کیا کہ نہایت تیزی اور جلدی سے اہل بیتؑ کے قافلے کو چلایا جائے۔ اور ایسے راستوں کا انتخاب کیا گیا جو طولانی نہ تھے بلکہ ان کی مسافت کم تھی۔

اور یہ بھی منقول ہے کہ ان خواتین اور بچوں کو (نہایت) اذیت آزار اور سرعت کے ساتھ لے جایا گیا۔

حتیٰ کہ شام سے واپسی پر بھی اہل بیتؑ آزاد نہ تھے بلکہ دشمن اور یزید کے لشکر کے محاصرہ میں تھے۔ اور منقول ہے کہ یزید نے پانچ سو (۵۰۰) افراد اہل بیتؑ کے ہمراہ روانہ کئے۔ (اگرچہ ظاہراً واپسی کے وقت لوگوں کے خوف کے سبب انہیں کچھ مراعات بھی دی گئیں)

اس بنا پر کچھ بعید نہیں کہ اہل بیتؑ کا ورود کربلا میں پہلے ہی سال اکسٹھ (۶۱) ھ اربعین کے روز ہوا ہو۔ مصنفین کی کثیر تعداد (تقریباً سو افراد) نے اس امر کو تفصیل سے لکھا اور نقل کیا ہے۔ ان جملہ مصنفین میں مولفین روضۃ الشہداء اور تاریخ حبیب السیر) ابی مخنف، ابن نما، سید بن طاؤس، صاحب عوالم اور علامہ مجلسی وغیرہ شامل ہیں۔

مرحوم آیت اللہ سید محمد علی قاضی تبریزی نے اس بارے میں مستقل کتاب تحریر کی ہے۔ تمام بزرگ یہ بات مانتے ہیں کہ اہل بیتؑ شام کے سفر کے بعد کربلا پہنچے۔ فقط کچھ اس امر کی تردید کرتے ہیں کہ یہ پہلا اربعین تھا یا نہیں۔

اسی طرح جابر (انصاریؓ) کی روز اربعین سید الشہداءؑ کی زیارت کے لئے کربلا آمد قطعی ہے۔ لیکن اسی میں اختلاف یہ ہے کہ آیا اہلِ بیتؑ کا کربلا میں ورود (جابرؓ) کی آمد کے وقت ہی ہوا اور ان کی کربلا میں ملاقات ہوئی تھی یا نہیں؟

فرہاد میرزا مرحوم لکھتے ہیں:

وَفِی مَقْتَلِ أَبِی مَخْنَفْ : فَسَاْلَ الْقَائِدُ بِهِمْ مِنْ دمشق .... قَالَ : فَمِنْدَ ذٰلِكَ قَالُوْا لَهُ : مُرَّبِنَا بِكَرْبَلَا. فَمَرَّ بِهِمْ عَلَى كَرْبَلَا. فَوَجَدُوا فِيهَا يَوْمَئِذٍ جَابِرَبْنَ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِيَّ

وَجَمَاعَةٌ مَعَهُ ، قَدْ أَتَوْا لِزِيَارَةِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ. فَعِنْدَ ذٰلِكَ نَظَرُوا وَافِي كَرْبَلَا فَجَدَّدُوا الْأَحْزَانَ وَشَقَّقُوا الْجُيُوبَ ، وَنَشَرُوا الشُّعُورَ ، وَأَبْدَوْا مَا كَانَ مَكْتُومًا مِنَ الْأَحْزَانِ وَالْمَصَائِبِ وَأَقَامُوا عِنْدَهُ أَيَّامًا. ثُمَّ رَحَلُوا مِنْهَا وَقَصَدُوا الْمَدِينَةَ

"دمشق سے راہنما ان کے ہمراہ آیا...... دورانِ سفر اہلِ بیتؑ نے فرمایا: ہمیں کربلا کے راستے سے لے چلو۔ رہنما انہیں کربلا لے آیا اور وہاں اہلِ بیتؑ نے جابر بن عبداللہ انصاری کے ہمراہ زیارت امام حسینؑ کے لئے آنے والے ایک گروہ سے ملاقات کی۔ جونہی وہ شہداء کے قبروں کے پاس پہنچے محملوں سے نیچے اتر آئے اور ان کا غم تازہ ہوگیا۔ انہوں نے اپنے گریبان پھاڑ دیئے۔ بال پریشان کرلئے اور وہ غم واندوہ جو ان کے دلوں میں چھپا ہوا تھا ظاہر ہوگیا۔ وہ چند روز وہاں ٹھہرے۔ اس کے بعد مدینہ کی طرف کوچ کر گئے"۔ (قمقام زخار وصمصام تبار: ۲/۵۸۰، مقتل ابی مخنف/۲۲۱)

ایک دوسرے بیان میں ہے: جب اہلِ بیتؑ منزل بہ منزل راستہ طے کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں سے ایک راستہ کربلا کی طرف جاتا ہے اور دوسرا مدینہ کی طرف تو بیبیوں نے رہنما سے اس تمنا کا اظہار کیا کہ ہم تمہیں قسم دے کر کہتی ہیں کہ ہمیں کربلا کے راستے سے گزارو اور اس نے یہ بات قبول کرلی۔ (ریاض القدس: ۲/۳۳۶)

جب وہ زمین کربلا پر پہنچے تو قتل گاہ میں پیادہ پا چلتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں جابر انصاری اور ان کے ساتھ آئے ہوئی بنی ہاشم اور ان کے علاوہ دیگر زائرین ٹھہرے ہوئے تھے، ان کی باہم ملاقات ہوئی۔ زیارت امام حسینؑ کے لئے آئے ہوئے ان تمام زائرین نے وہاں گریہ وزاری کی بنیاد رکھی اور اپنے سروں اور چہروں پر ماتم کیا اور تین دن تک وہاں عزاداری

کرتے رہے۔

اطرف سے کچھ عورتیں بھی وہاں آ گئیں۔ حضرت زینبؑ نے ان کے درمیان پہنچ کر گریبان چاک کر دیا اور نہایت پرسوز آواز میں دلوں کی زخمی کر دینے والی نالہ زاری کی۔ فرمایا:

وَاخَاهُ وَاحُسَيْنَاهُ ، وَاحَبِيبَ رَسُولِ اللهِ ، وَابْنَ مَكَّةَ وَمِنٰى ، وَابْنَ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ وَابْنَ عَلِيِّ الْمُرْتَضٰى ، آه ، آه "

" ہائے میرے بھائی ، ہائے حسینؑ ، ہائے حبیب رسول اللہؐ ، ہائے مکہ و منی کے فرزند ، ہائے فاطمہ زہراؑ اور علی مرتضیٰؑ کے بیٹے۔ آہ ، آہ "

پھر آپ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔

ام کلثومؑ نے نہایت افسردہ حالت میں کھلے بالوں کے ساتھ اپنے سر اور منہ کو پیٹا اور بلند آواز میں نوحہ سرائی کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْيَوْمَ مَاتَ جَدِّي مُحَمَّدُ الْمُصْطَفٰى ....

" آج میرے جد محمد مصطفیٰ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ، آج (بابا) علی مرتضیٰ اس دنیا سے رحلت فرما گئے ، آج میری ماں فاطمہ زہراؑ وفات پا گئیں۔ آج فاطمہ زہراؑ پر اپنا فرزند کھونے کی مصیبت نازل ہو گئی "۔

باقی بیبیوں نے بھی اپنے سروں اور چہروں پر ماتم کیا وہ گریہ و ندبہ کرتی اور کہتی تھیں:

وَامُصِيبَتَاهُ ، وَاحَسَنَاهُ ، وَاحُسَيْنَاهُ

شہزادی سکینہؑ بلند آواز سے فرماتی تھیں:

وَامُحَمَّدَاهُ ، وَاجَدَّاهُ ، آپ پر وہ ظلم سخت دشوار ہیں کہ جو آپ کے اہل بیتؑ پر روا رکھے گئے۔ کچھ کو عریاں کیا گیا ، کچھ کو زخم لگائے گئے اور کچھ کو گھوڑوں کے سموں کے نیچے پامال کر دیا گیا اور سب کے سر کاٹ ڈالے گئے " وَاحُزْنَاهُ وَاسَفَاهُ " ہائے غم ، ہائے افسوس۔

جب علی بن الحسینؑ نے اسیروں کے قافلہ کو روانگی کا حکم دیا تو سکینہؑ نے اپنے بابا کی قبر کے گرد طواف شروع کر دیا اور شدید گریہ کرتی ہوئے نالہ و فریاد کی اور فرمایا:

أَلَا يَا كَرْبَلَا نُودِعُكِ جِسْمًا

بِلَا كَفَنٍ وَلَا غُسْلٍ دَفِيْنَا

أَلَا يَا كَرْبَلَا نُودِعُكِ رُوحًا

لِأَحْمَدَ وَالْوَصِيِّ مَعَ الْأَمِيْنَا

"اے زمین کربلا! میں اس جسد اطہر کو تجھے سونپتی ہوں جسے بغیر غسل وکفن کے دفن کیا گیا۔

اے کربلا میں اپنی روح کو تیرے پاس چھوڑ رہی ہوں کہ جو رسولؐ خدا اور ان کے وصی امیرالمومنینؑ کی روح ہے اور جبرئیلؑ امین کے ساتھ رہے گی"۔

فاطمہؑ دختر امام حسینؑ خود کو اپنے بابا کی قبر پر گرا دیا اور شدید گریہ کیا یہاں تک کہ غش کر گئیں۔ (معالی السبطین: ۲/۱۱۷)

علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہراؑ کے یتیم مقتل کے قریب آئے سب کے سب خزاں کے پتوں کی طرح اونٹوں سے روئے زمین پر گر پڑے اور ہر ایک نے ایک شہید کی قبر سے بغل گیر ہو کر صدائے گریہ ونالہ بلند کی۔

ان جملہ عزاداروں میں سے زینب خاتون نے اپنا لباس چاک کر ڈالا اور خود کو امام مظلومؑ کی قبر پر گرا کر نہایت دلدوز انداز میں فریاد کی:

وَاَخَاهُ وَاحُسَيْنَاهُ ، وَاحَبِيبَ رَسُولِ اللّٰهِ، يَابْنَ مَكَّةَ وَمِنٰى ،

يَابْنَ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ يَابْنَ عَلِيِّ الْمُرْتَضٰى

آپ نے قبر منور کی خاک سر میں ڈالی اور اس قدر روئیں کہ بے ہوش ہو گئیں۔ جب ہوش میں آئیں تو عرض کیا: اے بھائی شام کے راستے میں میری پشت پر اس قدر تازیانے برسائے گئے کہ میری پشت زخمی ہو گئی ہے اور ابھی ان کے زخم باقی ہیں۔ اور اگر اس صحرا میں نامحرم موجود نہ ہوتے تو میں اپنا پیراہن اٹھا کر آپ کو اپنی پشت کے زخم دکھاتی۔

مظلوم سکینہؑ نے کہا: اے بابا جان! (ظالم، ہمیں دربار یزید میں لے گئے، وہ ہمارے

سروں اور چہروں پر نیزوں کی انیاں اورتازیانے مارتے تھے اور ہمارے یتیموں کے سروں پرڈنڈے اورلاٹھیاں برساتے تھے۔اور وہ مجھے اور میری بہن فاطمہ کوکنیزی میں لینے کے خواہاں تھے(۱)

ام کلثوم نے خودکوان پراور بزرگ کی قبر پر گرادیا اور عرض کیا:

جُعِلْتُ فِدَاكَ ، قَتَلُوكَ فَمَا عَرَفُوكَ ، وَتَرَكُوكَ ، عُرْيَاناً ، وَذَبَحُوكَ عَطْشَاناً ، وَلَمْ يُوجَدْ أَحَدٌ أَنْ يَرْحَمَكَ وَيَرْحَمَ عِيَالَكَ

''اے بھائی! میں آپ پر قربان کہ آپ کو آپ کے مقام ومنزلت کی معرفت نہ ہونے کے سبب قتل کردیا گیا۔اور آپ کو عریاں و برہنہ چھوڑ دیا گیا۔آپ کو تشنہ حالت میں شہید کیا گیا اور اس جفا کار قوم میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا کہ جو آپ پر اور آپ کے اہل وعیال پر رحم کھائے''۔(تاریخ حضرت زینب:۲/۵۰۴،صفریہ:۳/۱۷۴،بحر المصائب ۲/۳۱۶ سے منقول)

تین دن کربلا میں رہنے اور عزاداری برپا کرنے کے بعد امام سجادؑ کو مدینہ کوچ کر جانے کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہ آیا۔کیونکہ آپ نے یہ دیکھا کہ پھوپھیاں اور بہنیں شب و روز نالہ و زاری میں مشغول رہتی ہیں اور ایک قبر سے اٹھ کر دوسری قبر پر جا بیٹھتی ہیں۔(مقتل مقرم/۳۸۵)

اہل بیتؑ اطہار تین شب و روز کربلا میں عزاداری میں مشغول رہے اور امام سجادؑ نے جب خاندانِ رسالت کو اس قدر افسردہ ،گریاں اور پریشان دیکھا تو ان کے احوال پر رحم کھایا اور مدینہ کی طرف روانگی کا حکم دیا۔

صرف بی بی رباب زوجۂ امام حسینؑ نے کربلا ہی میں قیام فرمایا اور ان کے ہمراہ (مدینہ) تشریف نہ لائیں۔جیسا کہ حضرت علی اصغرؑ کی شرح حال میں گزر چکا ہے کہ آپ ایک سال تک اپنے شوہر کی قبر کے پاس مقیم رہیں اور گریہ کرتی رہیں۔

اس کے بعد آپ مدینہ پہنچیں اور رنج وغم کی حالت میں انتقال فرما گئیں۔

بر سر قبر تو ای دلبر فرخندہ منم
کہ پریشان وگرفتار بہ رنج و محنم
ماہ من از نظرم رفتی از دل نروی
جامی آنست زغم چاک زنم پیرہنم

"اے میرے محبوب پاکؐ میں آپ کی قبر پر رنج ومحن میں گرفتار ہوں۔
میرا چاند میری نظر سے اوجھل ہوگیا، لیکن دل سے اوجھل نہیں ہوا۔ میں
رنج وغم میں اس مقام پر ہوں کہ پیرہن چاک کر دینے کو جی چاہتا ہے"۔

بعض مصنفین نے روزِ اربعین کربلا میں وارد ہوتے وقت امام سجادؑ، جناب زینب کبریٰ، جناب ام کلثومؑ، جناب سکینہؑ اور دیگر اہل بیتؑ کے اقتباسات تحریر کیے ہیں۔ ہم ان کی جگہ (اسی مفہوم کے حامل) شعر رقم کر رہے ہیں:

نوری وصل چون بشنید آن شاہ
بردشت کربلا افراشت خرگاہ
زاست آمد فرود آن سرور دیں
بہ اہل بیتؑ گفتا منزل است ایں
بدین وادی شما را سد عشق است
نہ سد عشق خود سرحد عشق است
فزوں باشد مقام قرب داور
مقام نیست اینجا فزون تر
بہ بار انداز عشق آن پاک بازان
بیفکندند بار عشق آسان

"جب سید سجادؑ نے نوائے وصل سنی تو دشت کربلا میں ڈیرے ڈال

دیئے۔ آپ گھوڑے سے اتر آئے اور اہل بیتؑ سے فرمایا: یہی ہماری منزل ہے۔

اس وادی میں تمہارے لیے سد عشق ہے، نہ صرف سد عشق بلکہ سرحد عشق ہے۔ خدا کے عشق کا مقام بلند ہے اور اس جگہ سے بلند تر مقام کوئی نہیں"۔

وارد چہ شد امامؑ چہارمؑ بکربلا
از شش جہت خروش بہفت آسمان رسید
شوری چہ شور، حشر بپا شد درآن زمین
برتربت پدر چو امام زمانؑ رسید
گفت اے بزیر خاک لحد خفتہ اے پدر
بابا زشہر شام ترا مہمان رسید
باد رکمن کہ تا صف محشر رود زیاد
ظلمی کہ بر من از ستم کافراں رسید

"امام چہارمؑ کربلا میں کیا وارد ہوئے کہ شش جہات سے آسمان تک شور و غل پہنچا۔ وہ شور ایسا شور تھا کہ امام زمانؑ کے اپنے والد کی قبر پر پہنچنے سے اس زمین میں شور حشر بپا ہو گیا۔

امام نے فرمایا: اے زیر خاک آرام فرما' بابا جان! شام کے شہر سے آپ کا مہمان آیا ہے۔

جو ظلم ان کافروں نے مجھ پر کیا ہے اس سے زیادہ صف محشر میں بھی ناقابل یقین ہے"۔

پس از تو جان براور چہ رنجہا کہ کشیدم
چہ شہرھا کہ نگشتم، چہ کوچہ ھا کہ ندیدم

بخت جانی خود لنقدر نبود گمانم

کہ بی تو زندہ ز دشت بلا بہ شام اسلام

چہ ماہ چاردہ دیدم سر تورا بہ سرنی

ہلال وار زبار مصیبت تو خمیدم

ز تازیانہ وطعن سنان وطعنہ دشمن

دگر زندگی خویش گشت قطع امیدم

شدم چہ وارد بزم یزید بازوی بستہ

ہزار مرتبہ مرگ خود از خدا طلبیدم

ہنوز بر کف پایم نشانِ آبلہ پیداست

بہ راہ شام زبس از جفا پیادہ دویدم

آوردہ ام تمام عزیز انست اے حسینؑ

جز یک سہ سالہ دخترک گل غدار من

رزمن میرس حال دل آن سہ سالہ را

در گوشہ خرابہ بمردا و کنار من

یک شب سر تو گشت بہ ویرانہ میہمان

گشتم ہزار سالہ خجل ای نگار من

''اے برادر جاں برابر! آپ کے بعد میں نے کیا کیا رنج وغم اٹھائے۔

مجھے کن کن شہروں میں نہ پھرایا گیا اور میں نے کون کون سے کوچہ و بازار نہ دیکھے۔

مجھے اپنے اس قدر سخت جان ہونے کا گمان تک بھی نہ تھا کہ میں تمہارے بغیر دشتِ کربلا سے زندہ حالت میں شام پہنچ گئی۔

جب میں نے آپ کے چودھویں کے چاند سر کو نیزے کی نوک پر دیکھا تو

میں اس مصیبت سے ہلال کی مانند خمیدہ کمر ہوگئی۔
تازیانوں، نیزوں کے کچوکوں اور دشمن کے طعنوں سے تنگ آ کر میں اپنی زندگی سے مایوس ہوگئی۔
جب میں رسن بستہ ہاتھوں سے دربار یزید میں پہنچی تو میں نے خدا سے ہزاروں مرتبہ اپنی موت کی دعا مانگی۔
شام کے راستے میں ہمیں پیدل دوڑانے کی جو جفا کی گئی اس سے ابھی تک میرے پاؤں کے تلوؤں پر آبلوں کے نشان ہیں۔
اے حسینؑ! میں آپ کے تمام عزیزوں کو لے کر آئی ہوں سوا ایک تین سالہ بچی کے (جو شام کے زندان میں مرگئی) مجھ سے اس سہ سالہ معصومہ کا حال مت پوچھیے کہ وہ خرابہ زندان میں میرے پہلو میں وفات پا گئی۔
ایک رات آپ کا سر ویرانے میں مہمان ٹھہرا جس کے سبب میں ہزار سال تک شرمندہ رہوں گی"۔

من زشام و کوفہ باچشم گہربار آمدم
دیدہ گریان برمزار شاہِ ابرار آمدم

مدتی از ہم جواری تو بودم ناامید
حالیا اندر جوارت بہر دیدار آمدم

از سفر آوردہ ام جمع یتیمانِ تورا
جز رقیہؑ آنکہ از داغش شرر بار آمد

"میں شام و کوفہ کے سفر سے روتی آنکھوں کے ساتھ آئی ہوں اور گریہ کرتی ہوئی شاہ ابرار کے مزار پر پہنچی ہوں۔ ایک مدت تک میں آپ کے قرب سے ناامید رہی اور اب آپ کے دیدار کے لیے آپ کے پاس پہنچ

چکی ہوں۔ میں اس سفر سے آپ کے تمام یتیموں کو ساتھ لے کر آئی ہوں سوا رقیہؑ کے کہ جس کے داغِ شہادت میرے سینے میں شرربار ہے"۔

آن بلبلم کہ سوختہ شد آشیانہ ام
بشنو صد ای نغمہ و بانگ ترانہ ام
بال ویرم زسنگ حوادث شکستہ شد
از بس کہ شمر شوم زدہ تازیانہ ام
بابا رقیہؑ را بخرابہ گزار دم
باشم خجل ز روی تو شاہ یگانہ ام
جان داد در خرابہ بی قتف خترت
آن کودک یتیم تو آن نازدانہ ام
از بس بہانہ تو گرفتم بہ شہر شام
آتش گرفت عمہ ومن از بہانہ ام

"میں وہ بلبل ہوں جس کا آشیانہ جل چکا ہے۔ میرے نغمہ و ترانہ غم کو سنئے۔ سنگِ حوادث سے میرے بال و پَر ٹوٹ گئے' کیونکہ شمر کمینہ مجھے تازیانے مارتا رہا۔ بابا میں رقیہؑ کو خرابہ زندان میں چھوڑ آئی ہوں جس کے سبب میں آپؑ (شاہِ یگانہ) سے شرمندہ ہوں۔ آپ کی بیٹی اس بغیر چھت کے خرابے میں دم توڑ گئی۔ ہائے آپؑ کی یتیم اور نازوں کی پالی بچی۔
مجھے آپ کے بہانے گرفتار کر کے شام شہر میں لے جایا گیا اور میرے بہانے میری پھوپھی پر آگ پھینکی گئی"۔

اے ساربان آہستہ ران کآرام جانم می رود
وآن دل کہ باخود داشتم بادل ستانم می رود

محمل بدار ای ساربان تندی مکن با کارواں
کز عشق آن سرو روان گوئی روانم می رود
در رفتن جان از بدن گویند ہر نوعی سخن
من خود بچشم خویشتن دیدم کہ جانم می رود

مندرجہ بالا اشعار کا ماحصل ان تکالیف کا بیان ہے جو شہزادی کو سفر کے دوران میں برداشت کرنا پڑیں۔ (مترجم)

maablib.org

زیارتِ اربعین

امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں:

عَلَامَاتُ الْمُؤْمِنِ (الْمُؤْمِنِيْنَ) خَمْسٌ ، صَلَاةُ الاحْدىٰ وَالْخَمْسِيْنَ ، وَزِيَارَةُ الْاَرْبَعِيْنِ ، وَالتَّخَتُّمُ وَفِى الْيَمِيْنِ ، وَتَعْفِيْرُ الْجَبِيْنِ ، وَالْجَهْرُ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

''مومن (شیعہ) کی پانچ علامات ہیں۔ اکیاون (۵۱) رکعات نماز (ہر شب و روز میں) زیارت اربعین، داہنے ہاتھ میں انگشتری پہننا، (مسجد میں) پیشانی خاک پر رکھنا (تعفیر الجبین) اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنا''۔ (مصباح المتہجد /۷۸۷، تہذیب: ۶ /۵۲، وسائل: ۱۴ /۴۷۸ امام حسینؑ کی زیارت کے باب میں روزِ اربعین)

بزرگ علماء و محدثین ''زیارۃ الاربعین'' کے جملہ سے امام حسینؑ کی زیارت روزِ اربعین ہی مراد لیتے ہیں۔

علامہ حلی نے ''منتہیٰ'' میں، سید بن طاؤسؒ نے ''اقبال'' میں، شیخ بحرانی نے ''حدائق'' میں اور علامہ مجلسیؒ نے ''بحار'' کے مزار میں نیز دیگر علمائے مذہب حقہ نے بھی امام حسینؑ کی زیارت ''روزِ اربعین'' ہی کو مستحب خیال کی ہے اور ان سب نے امام حسن عسکریؑ کی اسی حدیث کو دلیل بنایا ہے۔

کچھ لوگ اس حدیث سے مراد چالیس مومنوں کی زیارت لیتے ہیں۔ گزشتہ (عربی) عبارت میں ''ال'' کا اربعین کے ساتھ استعمال یہ ظاہر نہیں کرتا ہے کہ یہ زیارت شیعوں سے

مخصوص ہے اور اس سے مومنین مراد لیے جائیں، بلکہ عامہ کے لیے بھی مورد توجہ ہے۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کے معنی کیا ہیں؟ حضرت امام صادقؑ کی طرف سے (بھی) روز اربعین کو زیارت پڑھنے کا حکم وارد ہے، یا اس روز امامؑ کے روضہ کی زیارت مطلق کا، یا ہو سکتا ہے کہ آپ کی مراد اس روز کربلا میں پہنچ کر نزدیک سے امامؑ کے روضہ کی زیارت ہو۔ (مصباح المتہجد /۷۸۸، تہذیب :۶/۱۱۳، مصباح الزائر ۲۸۶، اقبال/۵۹۰، بحارالانوار :۱۰۱)

معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مبارکہ میں سب کچھ شامل ہے۔ جن لوگوں کو اربعین کے دن کربلا پہنچنا میسر ہو تو ان کا اس حدیث پر عمل کربلا میں حاضری دینا ہے۔ اور وہ لوگ جو کسی وجہ سے اس سفر سے معذور ہوں تو وہ اسی ماثور کو یا کسی دوسری ماثور زیارت کو پڑھ کر اس حدیث پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

روزِ اربعین جابرؓ کی کربلا میں آمد

شیخ جلیل، عماد الدین ابی جعفر محمد بن ابی القاسم طبری نے عطیہ بن سعد سے مسنداً روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: عطیہ کو بعض لوگوں نے اپنی بے خبری کے سبب جناب جابرؓ کا غلام کہا ہے۔ وہ بزرگ تابعین میں سے تھے (تابعی وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول خدا کو تو نہ دیکھا لیکن اصحاب رسولؐ کو دیکھا تھا)

عطیہ کا باپ امیر المومنینؑ کے پاس آیا اور عرض کیا: اللہ نے مجھے بیٹا دیا ہے اس کا نام تجویز فرما دیجیے۔

آپؑ نے فرمایا: "هٰذَا عَطِيَّةُ اللّٰهِ" اور اسی جملہ سے عطیہ اللہ نام رکھ دیا گیا۔

(قاموس الرجال: ۶/۲۰۹)

عطیہ راویانِ حدیث اور قرآن کے بزرگ ترین مفسروں میں سے تھے اور انہوں نے خود پانچ جلدوں پر مبنی تفسیر قرآن لکھی تھی۔ وہ ابن عباسؓ کے شاگرد تھے، اور جناب فاطمہ زہراؑ کے خطبہ فدک کو انہوں نے عبداللہ بن محض سے روایت کیا ہے۔

جس وقت عبداللہ بن زبیر نے خروج کیا اور ابن عباس اور محمد بن حنفیہ پر بیعت کے لیے دباؤ ڈالا تو عطیہ نے آٹھ سو افراد کے ہمراہ اس پر چڑھائی کی۔ جب مکہ پہنچے تو تکبیر کہی اور ابن زبیر کو وہاں سے بھگا دیا۔ (طبقات ابن سعد: ۵/۱۰۲)

عطیہ نے (۸۱) ہجری میں حجاج بن یوسف پر بھی خروج کیا اور پھر "فارس" چلے آئے۔ جب آپ کو گرفتار کرلیا گیا اور کہا گیا کہ: نعوذ باللہ علیؑ کو برا بھلا کہو تو وہ نہ مانے "اس انکار پر ان پر چار سو کوڑے برسائے گئے اور سر اور ریش کے بال تراش دیے گئے"۔ (الاعلام زرکلی: ۴/۲۳۷)

اپنی عمر کے آخری حصّے میں آپ کوفہ میں قیام پذیر رہے اور گیارہ ہجری میں وفات پا گئے۔

طبری لکھتا ہے: عطیہ نے بہت سی روایات حدیث کی ہیں، اور قابل اعتماد ہیں۔ (منتخب ذیل المذیل از طبری/ ۱۲۸)

ابن حجر بھی آپ کو ثقہ سمجھتے ہیں لیکن ساجی سے منقول ہے کہ عطیہ کی بات حجت نہیں کیونکہ وہ علیؑ کو سب پر ترجیح دیتے ہیں۔ (التہذیب: ۴/۱۴۴)

اور ہر قدم پر ذکر خدا کرتے ہوئے قبر اطہر پر پہنچے۔ جابرؓ نے مجھ سے کہا کہ میرا ہاتھ قبر پر رکھ دو۔ میں نے ان کا ہاتھ قبر پر رکھ دیا۔

جب آپ کا ہاتھ قبر تک پہنچا تو بے ہوش ہو کر قبر مبارک پر گر پڑے۔ میں نے ان کے چہرے پر پانی چھڑکا تو انہیں ہوش آیا اور تین بار فرمایا:

یا حسینؑ! (پھر امام حسینؑ کو مخاطب کر کے عرض کیا:)

حَبِیْبٌ لَا یُجِیْبُ حَبِیْبَهُ!

"کیا دوست اپنے دوست کو جواب نہیں دے گا!"

اس کے بعد خود سے مخاطب ہو کر کہا: آپؑ بھلا کیسے جواب دیں درحالیکہ آپ کی گردن کی رگیں کٹ گئیں اور آپ کا سر اور بدن جدا جدا ہو گئے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ خاتم الانبیاءؐ اور سید المومنینؑ کے فرزند ہیں۔ آپ اس ہستی کے فرزند ہیں جو صاحب تقویٰ اور راہ ہدایت تھے۔ آپ اصحاب کساء میں سے پانچویں ہستی نیز نقبا کے سردار (حضرت علیؑ) اور سیدۃ النساء جناب فاطمہ زہراؑ کے بیٹے ہیں۔ اور آپ اس بلند مقام پر کیونکر فائز نہ ہوتے درحالیکہ سید المرسلینؐ نے اپنے ہاتھوں سے آپ کی پرورش کی، آپ نے متقی ہستیوں کی آغوش میں پرورش پائی اور ایمان کے پستان سے دودھ پیا، اور یہ دودھ اسلام سے حاصل کیا گیا اور آپ زندگی اور موت دونوں میں پاکیزہ تھے۔

تحقیق مومنوں کے دل آپ کے فراق میں غمگین ہیں کیونکہ آپ کی نیکی میں کوئی شک

نہیں۔ پس آپ پر سلام اور خوشنودی خدا ہو۔ اور تحقیق میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اپنے بھائی یحییٰ بن زکریاؑ کے راستے پر چلے............ اس کے بعد جابرؓ نے دوسرے شہدائے کربلا پر سلام بھیجا اور کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَيَّتُهَا الْاَرْوَاحُ الَّتِىْ حَلَّتْ بِفِنَاءِ قَبْرِ الْحُسَيْنِ وَاَنَاخَتْ بِرَحْلِه............"

اہل بیت کو کوفہ بھیجنے کے بعد ابن زیاد نے عبدالملک بن ابی الحارث کو عراق سے حجاز بھیجا تا کہ امام کی شہادت کی خبر والی مدینہ عمرو بن سعید بن عاص کو پہنچا دے لہٰذا جابر نے مدینہ سے امام عالی مقام، بنی ہاشم اور اصحاب کی شہادت کی خبر سن کر آپ کی زیارت کا ارادہ کیا۔

پھر فرمایا: اس (خدا) کی قسم جس نے محمد کو حق پر مبعوث کیا، ہم بھی آپ کے مقام و مرتبہ میں شریک ہیں۔

عطیہؓ نے جابرؓ سے کہا: ہم ان کے ساتھ کس طرح شریک ہیں حالانکہ نہ ہم نے صحراؤں کی خاک چھانی، نہ پہاڑوں کے سفر کیے اور نہ تلوار چلائی' جبکہ اس گروہ (شہداء) کے سرتنوں سے جدا ہو گئے، ان کی اولادیں یتیم ہو گئیں اور عورتیں بیوہ ہو گئیں!

جابر نے کہا: اے عطیہ! میں نے اپنے حبیب رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا حُشِرَ مَعَهُمْ وَمَنْ اَحَبَّ عَمَلَ قَوْمٍ أُشْرِكَ فِي عَمَلِهِمْ

"جو کسی گروہ کو دوست رکھتا ہے وہ اسی گروہ کے ساتھ محشور ہوگا اور ہر وہ شخص جو کسی قوم کے عمل سے محبت کرتا ہے وہ اس میں شریک ہے"۔

اس خدا کی قسم جس نے محمد کو حق کے ساتھ رسالت سے مبعوث فرمایا میری اور میرے ساتھیوں کی نیت اس چیز پر ہے جس پر امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی تھی۔

پس جابر نے کہا: مجھے کوفہ لے جاؤ۔

عطیہ کہتے ہیں: ہم تھوڑا راستہ ہی چلے تھے کہ جابرؓ نے فرمایا: اے عطیہ! کیا میں تمہیں

وصیت نہ کروں کیوں کہ مجھے گمان نہیں کہ اس سفر کے بعد دوبارہ تم سے ملاقات ہو سکے؟ (میں نے عرض کیا: فرمایئے، تو فرمایا:)

أَحِبَّ مُحِبَّ آلِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مَا أَحَبَّهُمْ ، وَأَبْغِضْ مُبْغِضَ آلِ مُحَمَّدٍ مَا أَبْغَضَهُمْ وَإِنْ كَانَ صَوَّامًا قَوَّامًا وَأَرْفِقْ بِمُحِبِّ (مُحَمَّدٍ وَ) آلِ مُحَمَّدٍ . فَإِنَّهُ إِنْ تَزِلَّ لَهُ قَدَمٌ بِكَثْرَةِ ذُنُوبِهِ ثَبَتَتْ لَهُ أُخْرىٰ بِمَحَبَّتِهِمْ ! فَإِنَّ مُحِبَّهُمْ يَعُوْدُ إِلَى الْجَنَّةِ وَمُبْغِضَهُمْ يَعُوْدُ إِلَى النَّارِ

”آلِ محمدؐ کے دوستوں کو ہمیشہ دوست رکھ کیونکہ آلِ محمدؐ ان سے محبت کرتے ہیں اور آلِ محمدؐ کے دشمنوں سے ہمیشہ دشمنی رکھ کیونکہ آلِ محمدؐ ان سے نفرت کرتے ہیں اگرچہ وہ کثرت کے ساتھ روزے رکھتے ہوں اور نمازیں کیوں نہ پڑھتے ہوں۔ اور (محمدؐ و) آلِ محمدؐ کے دوستوں کے ساتھ ملاقات کر، اگرچہ کثرتِ گناہ کے اثر سے تمہارے پاؤں میں ان کی طرف سے لغزش کیوں نہ آجائے۔ پھر بھی ان سے دوستی میں دوبارہ ثابت قدمی اور استواری کا مظاہرہ کر۔ یقیناً (آلِ محمدؐ) کا دوست بہشت کی طرف اور دشمن دوزخ کی طرف پلٹ جائے گا“۔ (بشارۃ المصطفیٰ/ ۴۷، بحار الانوار: ۱۰۱/ ۱۹۵)

maablib.org

اہلِ بیتؑ کی مدینہ کی طرف واپسی

حیدرؑ کا چمن باغیوں نے کر دیا پامال ہم جیتے پھرے مارا گیا فاطمہؑ کا لال
پیاسوں پہ چلیں برچھیاں کیا ان کا کہیں حال تلواروں سے منہ چاند سے سب خوں میں ہوئے لال

ہم جیتے ہیں قبروں پہ انہیں رو کے ہم آئے
اب اُن کو کہاں پائیں جنہیں کھو کے ہم آئے

(میر انیس)

زیارت ناحیہ مقدسہ میں آتا ہے:

فَقَامَ نَاعِیْكَ عِنْدَ قَبْرِ جَدِّكَ الرَّسُوْلِ ، فَنَعَاكَ اِلَیْهِ بِالدَّمْعِ الْهَطُوْلِ ، قَائِلاً : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، قُتِلَ سِبْطُكَ وَفَتَاكَ ، وَاسْتُبِیْحَ اَهْلُكَ وَحِمَاكَ ، وَسُبِیَتْ بَعْدَكَ ذَرَارِیْكَ ، وَوَقَعَ الْمَحْذُوْرُ بِعِتْرَتِكَ وَذَوِیْكَ فَانْزَعَجَ الرَّسُوْلُ ، وَبَكٰی قَلْبُهُ الْمَهُوْلُ وَعَزَّاهُ بِكَ الْمَلٰئِكَةُ وَالْاَنْبِیَاءُ

''پس ہوا آپؑ کی شہادت کی خوشبو کو لے کر آپ کے جدِ رسولؐ خدا کی قبر مطہر پر پہنچی اور اشک بار آنکھوں سے آپ کی شہادت کی خبر ان تک پہنچائی ۔ اس حال میں کہ وہ کہتی تھی: اے رسولؐ خدا! آپ کا نواسہ اور جوان شہید کر دیا گیا اور آپ کے اہل بیتؑ اور حرم پاک کی حرمت کو مباح خیال کیا گیا۔ اور آپ کی اولاد کو آپ کے بعد قیدی بنا لیا گیا اور آپ کے خاندان اور وابستگان پر مصیبتیں اور مشکلات وارد ہوئیں ۔ پس رسولؐ خدا

غم زدہ اور آشفتہ خاطر ہوئے اور ان کا خوف زدہ دل گریہ کرنے لگا اور فرشتوںؑ اور پیغمبروںؑ نے آپ کی شہادت پر ان سے اظہارِ تعزیت کیا"۔
(بحار الانوار: ۳۲۳/۱۰۱)

اس کے بعد کربلا سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بشیر بن جذلم نے کہا:
جب ہم مدینہ کے پاس پہنچے تو علیؑ بن الحسینؑ سواری سے نیچے اترے، سامانِ سفر کو کھولا ،خیمہ نصب کیا اور مخدرات کو پیادہ پا کر کے فرمایا: بشیر! خدا تمہارے باپ پر رحمت کرے وہ تو شاعر تھا کیا تم بھی شعر کہہ لیتے ہو؟

بشیر کہتا ہے: میں نے عرض کیا: ہاں! فرزندِ رسولؐ میں بھی شاعر ہوں۔ حضرت نے فرمایا: شہر مدینہ میں داخل ہو جاؤ اور ابا عبداللہ کے مرثیہ میں شعر پڑھو اور مدینہ کے لوگوں کو ان کی شہادت (اور ہماری آمد) کی اطلاع دو۔

بشیر کہتا ہے: میں گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے دوڑاتا ہوا مدینہ میں داخل ہوا۔ جب میں مسجد نبویؐ کے پاس پہنچا تو میں نے صدائے گریہ بلند کی اور کہا:

يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ بِهَا
قُتِلَ الْحُسَيْنُ فَأَدْمُعِي مِدْرَارُ
اَلْجِسْمُ مِنْهُ بِكَرْبَلَا مُضَرَّجٌ
وَالرَّأْسُ مِنْهُ عَلَى الْقَنَاةِ يُدَارُ

"اے اہلِ مدینہ! یہ شہر رہنے کے قابل نہیں رہا کہ حسینؑ شہید ہو گئے۔
جس کے سبب میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہے۔
آپ کا بدنِ اطہر کربلا میں خاک و خون میں غلطان پڑا رہا اور آپ کے سر اقدس کو نیزے پر چڑھا کر شہر بہ شہر پھرایا گیا"۔

اس کے بعد کہا: یہ علیؑ بن الحسینؑ ہیں جو اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کے ہمراہ شہر کے نزدیک آ کے بیٹھے ہیں۔ میں بطور قاصد آیا ہوں کہ تمہیں ان کی جائے قیام کی نشاندہی کر سکوں۔

بشیر کہتا ہے (یہ سن کر) کوئی پردہ نشین عورت بھی مدینہ میں نہ رہی' بلکہ یہ کہ عورتیں روؤں سے باہر نکل آئیں۔ وہ اپنے بال بکھرائے چہروں کو نوچتی اور پیٹتی ہوئیں واویلا اور گریہ وزاری کی آوازیں بلند کر رہی تھیں۔ میں نے اس دن سے پہلے کسی کو اس قدر گریہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی اس دن سے زیادہ کسی تلخ اور سخت دن سے واقف ہوں۔

میں نے سنا کہ ایک کنیز حسین علیہ السلام پر نوحہ کر رہی تھی اور اس مضمون کے اشعار پڑھ رہی تھی:

داد قاصد خبر مرگ تو و دل بشنید

وہ چہ گویم کہ از این فاجعہ بردل چہ رسید

دیدگان ، اشک عزایش منمائید دریغ

اشکِ بزید بپاپی ز غمِ شاہ شہید

آنکہ در ماتم او عرش الٰہی لرزید

وزغمش مجد و شرف داد ز کف دین مجید

''قاصد کی فریاد اور آپ کی شہادت کی خبر سنی تو میں کیا کہوں کہ اس فاجعہ سے میرے دل پر کیا گزری۔ آنکھیں آپؑ کے غم میں آنسو بہانے سے دریغ نہیں کر رہیں اور آپؑ سید الشہداؑ کے غم میں مسلسل آنسو بہہ رہے ہیں۔ وہ ہستی جس کے ماتم میں عرش الٰہی لرزنے لگا اور جس کے غم سے دین مجید نے اپنے ہاتھ سے مجد و شرف کو چھوڑ دیا''۔

بشیر کہتا ہے: مجھے وہیں چھوڑ کر لوگ مجھ سے پہلے ہی اس طرف دوڑے۔ میں نے گھوڑے کو ایڑی لگائی اور ان کی طرف واپس پلٹا۔ میں نے دیکھا کہ تمام راستوں پر لوگ ہی لوگ تھے۔ میں گھوڑے سے اترا اور لوگوں کے آگے آگے چل کر اس خیمے تک پہنچا جس میں علی بن الحسینؑ موجود تھے۔

امام باہر نکلے اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے رومال سے اپنی آنکھوں کو صاف کیا۔ ایک

خادم کرسی لے آیا۔ آپ اس پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ پر گریہ اس قدر حاوی تھا کہ آپ اس کو روک نہ سکے اور بے اختیار رونے لگے (ہر ست سے) لوگوں کے رونے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور عورتیں اور کنیزیں نالہ و فریاد کر رہی تھیں۔ ہر طرف سے لوگ آپ سے تعزیت و تسلیت کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ قطعہ زمین لوگوں کے رونے کی آوازوں سے ایک گریہ زار بن گیا۔ امامؑ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ لوگ جوش و خروش سے کھڑے ہو گئے۔ امامؑ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. أَيُّهَا النَّاسُ ، اِنَّ اللّٰهَ - وَلَهُ الْحَمْدُ اِبْتَلَانَا بِمَصَائِبَ جَلِيْلَةٍ وَثُلْمَةٍ فِيْ الْاِسْلَامِ عَظِيْمَةٍ. قُتِلَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعِتْرَتُهُ وَسُبِيَ نِسَاؤُهُ وَصَبِيَتُهُ وَدَارُوْا بِرَاْسِهِ فِي الْبُلْدَانِ مِنْ فَوْقِ عَامِلِ السِّنَانِ ، وَهٰذِهِ الرَّزِيَّةُ الَّتِيْ لَيْسَ مِثْلَهَا رَزِيَّةٌ. أَيُّهَا النَّاسُ فَأَيُّ رِجَالَاتٍ مِنْكُمْ يَسُرُّوْنَ بَعْدَ قَتْلِهِ. أَمْ أَيُّ فُؤَادٍ لَايَحْزَنُ مِنْ أَجْلِهِ؟ أَمْ أَيَّةُ عَيْنٍ مِنْكُمْ تَحْبِسُ دَمْعَهَا وَتَضِنُّ عَنِ انْهِمَالِهَا؟ فَلَقَدْ بَكَتِ السَّبْعُ الشِّدَادُ لِقَتْلِهِ، وَبَكَتِ الْبِحَارُ بِأَمْوَاجِهَا وَالسَّمَاوٰتُ بِأَرْكَانِهَا ، وَالْاَرْضُ بِأَرْجَائِهَا وَالْاَشْجَارُ بِأَغْصَانِهَا، وَالْحِيْتَانُ وَلُجَجُ الْبِحَارِ وَالْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَأَهْلُ السَّمَاوَاتِ أَجْمَعُوْنَ. أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ قَلْبٍ لَايَنْصَدِعُ لِقَتْلِهِ أَمْ أَيُّ فُؤَادٍ لَايَحِنُّ اِلَيْهِ أَمْ أَيُّ سَمْعٍ يَسْمَعُ هٰذِهِ الثُّلْمَةَ الَّتِيْ ثُلِمَتْ فِيْ الْاِسْلَامِ وَلَا يُصَمُّ؟

أَيُّهَا النَّاسُ! اَصْبَحْنَا مَطْرُوْدِيْنَ مُشَرَّدِيْنَ مَذُوْدِيْنَ ، وَشَاسِعِيْنَ عَنِ الْاَمْصَارِ كَاَنَّا أَوْلَادُ تُرْكٍ وَكَابُلٍ مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ اِجْتَرَمْنَاهُ وَلَا مَكْرُوْهٍ اِرْتَكَبْنَاهُ وَلَا ثُلْمَةٍ فِي الْاِسْلَامِ ثَلَمْنَاهَا

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی آبَائِنَا الْاَوَّلِیْنَ اِنْ هٰذَا اِلَّا اِخْتِلَاقٌ. وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ النَّبِیَّ تَقَدَّمَ اِلَیْهِم فِی قِتَالِنَا کَمَا تَقَدَّمَ اِلَیْهِمْ فِی الوِصَایَۃِ بِنَا لَمَا اِزْدَادُوا عَلٰی مَا فَعَلُوا بِنَا، فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ مِنْ مُصِیْبَۃٍ مَا اَعْظَمَهَا وَاَوْجَعَهَا وَاَفْجَعَهَا وَاَلْظَّمَا وَ اَفْظَعَهَا وَاَمَرَّهَا وَاَفْدَحَهَا ، فَعِنْدَ اللّٰهِ نَحْتَسِبُ فِیْمَا اَصَابَنَا وَمَا بَلَغَ بِنَا، فَاِنَّهٗ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ

”شکر ہے اس خدا کا جو پروردگار عالمین ہے..... اے لوگو! یقیناً خدائے متعال نے جو لائق حمد وسپاس ہے ہمیں عظیم مصائب سے دوچار کیا اور اسلام میں ایک بہت بڑا رخنہ پیدا ہوگیا۔ ابا عبداللہ حسین علیہ السلام اوران کے خاندان کو قتل کر دیا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا گیا۔ اور ان کے کٹے ہوئے سر کو نیزے پر سوار کرکے شہر بہ شہر پھرایا گیا اور یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ جس کی (کہیں) مثال نہیں ملتی۔

اے لوگو! تم میں سے کون ہے جو امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کے بعد خوش وخرم ہے؟ یا کون سا دل ہے کہ جو ان کے لیے افسردہ نہیں ہے یا تم میں سے کون ہے جو اپنی آنکھوں سے آنسو روک سکا ہو، یا جس نے شرمندگی محسوس نہ کی ہو؟ اور اس کے ساتھ ساتھ سات آسمانوں نے اپنی تختی، دریاؤں نے اپنی تمام امواج، آسمانوں نے اپنے ستونوں، زمین نے اپنے تمام جوانب، درختوں نے اپنی شاخوں، سمندر کی مچھلیوں اور پانی کے ذخیروں، اللہ کے مقرب فرشتوں اور آسمانوں کے رہنے والوں، تمام کے تمام نے اس کے قتل پر گریہ کیا۔

اے لوگو! وہ کون سا دل ہے کہ جو قتل حسینؑ سے شگافتہ نہ ہوا ہو؟ اور کون سا دل ہے کہ جس نے نالہ نہ کیا ہو؟ یا کون سا کان ہے کہ جس نے اسلام

میں پیدا ہونے والے اس رخنہ کو نہ سنا ہو اور اسے عظیم (ترین) سانحہ نہ جانا ہو؟

اے لوگو! ہم اپنے شہروں اور دیاروں سے نکال دیئے گئے گویا کہ ہم اہل ترک وکابل ہیں اور وہ بھی بغیر کسی گناہ کے جو ہم سے سرزد ہوا ہو اور بغیر کسی ناخوش آئند کام کے اور اسلام میں کوئی فتنہ کھڑا کرنے کے۔ اس طرح کی کوئی کوک سابقہ نسلوں میں نہیں سنی گئی۔ یہ ایک نیا ظاہر ہونے والا کام ہے۔ خدا کی قسم اگر رسول خداؐ نے ہمارے حق میں جس حرمت وحمایت کی سفارش کی ہے اس کے بجائے ہمارے قتل وغارت کا حکم دیا ہوتا تو جو سلوک ہم سے کیا گیا اس سے زیادہ برا سلوک نہ کیا جاتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ایک عظیم، دلسوز، دردناک، دلخراش، ناگوار، تلخ اور جاں سوز مصیبت تھی۔ ہم ان مصائب کا اجر خداوند متعال سے چاہتے ہیں کہ وہ عزیز وغالب اور منتقم ہے"۔ (لہوف/۱۹۷، بحار الانوار: ۴۵/۱۴۷)

اہل بیتؑ مدینہ شہر میں داخل ہوئے جب ان کی نگاہیں جناب رسول خدا کے مرقد منور اور ضریح مطہر پر پڑی تو انہوں نے فریاد بلند کی وَاجَدَّاهُ وَامُحَمَّدَاهُ! آپ کے حسینؑ کو تشنہ لب شہید کر دیا گیا اور ان کے اہل بیت محترم کو قیدی بنالیا گیا اور کسی صغیر وکبیر پر رحم نہ کیا گیا۔ پس دوبارہ اہل مدینہ کے در و دیوار سے آہ وفغاں اور نالہ وگریہ کا شور بلند ہوا۔ (منتہی الآمال: ۱/۴۴۸، جلاء العیون/۴۵۲)

منقول ہے کہ جناب زینب عالیہؑ جب مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچیں تو اسے دونوں طرف سے پکڑ کر ندا کی:

يَا جَدَّاهُ، إِنِّي نَاعِيَةٌ إِلَيْكَ أَخِيَ الْحُسَيْنَ

"اے جد بزرگوار! تحقیق میرے بھائی حسینؑ کو قتل کر دیا گیا، اور میں ان کی شہادت کی خبر آپ تک لے کر آئی ہوں"

بی بی مسلسل مصروف گریہ تھیں، اور آپ کی آنکھوں کے آنسو خشک نہیں ہو رہے تھے اور جب علیؑ بن الحسینؑ کو دیکھتی تھیں تو آپ کا غم تازہ ہو جاتا تھا اور رنج اور بھی بڑھ جاتا تھا۔ (منتہی الآمال: ۱/۴۴۹، نفس المہموم/۴۷۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ زینب خاتونؑ نے عرض کیا: اے نانا جان! اگر مسجد میں نامحرم موجود نہ ہوتے تو میں اپنے بدن سے کپڑا اٹھا کر آپ کو دکھاتی کہ مجھے کس قدر تازیانے مارے گئے جن سے میرا جسم نیلگوں ہو چکا ہے۔ (ریاض القدس: ۲/۳۶۰)

برخیز حال زینبؑ خونین جگر پرس
از دختر ستم زدہ حال پسر پرس
با کشتگان بہ دشتِ بلا گر نبودہ ای
من بودہ ام حکایتشان سربسر پرس
از کودکانت از سفر کوفہ و دمشق
پیمودن منازل و رنج سفر پرس
دارد سکینہ از تن صد پارہ این خبر
حال گل شگفتہ ز مرغ سحر پرس
از چشم اشک بار و دل بے قرار ما
کردیم چون بسوی شہیدان گزر پرس
بال و پرم زسنگ حوادث بہم شکست
برخیز حال طائر بشکستہ بے پرس

''نانا جان! اٹھیے اور غم زدہ زینبؑ کا حال پوچھیے۔ اپنی ستم زدہ بیٹی سے اپنے بیٹے کے احوال دریافت کیجیے۔
اگر آپ کربلا میں شہیدوں کے پاس نہیں تھے تو میں تو وہاں موجود تھی مجھ سے ان کی حکایت معلوم کیجیے۔

کوفہ کے واقعات اور شام کی سرگزشت ایک قصہ ناشنیدہ ہے۔ مجھ سے یہ حدیث غم سنیے۔

آپ مجھ سے اپنی اولاد خصوصاً بچوں کو درپیش آنے والی کوفہ و دمشق کے سفر کی صعوبتیں دریافت کیجیے۔

سکینہؑ کو (حسینؑ کے) صد پارہ تن اطہر کی خبر ہے۔ گل شگفتہ کا حال مرغ سحر سے پوچھیے۔

ہم روتی ہوئی آنکھوں اور بیقرار دلوں کے ساتھ کس طرح شہیدوں کے پاس سے گزرے یہ روداد معلوم کیجیے۔

میرے بال و پر حوادث کے پتھروں سے ٹوٹ چکے ہیں اٹھیے اور ایک شکستہ پر پرندے کا حال پوچھیے"۔

ای مدینہ خجلم از تو قبولم منما
خجل از بہر خدا نزد رسولم منما
تا نگوئی بمن ان نور دو عینت چون شد
آخر ای زینب افگار حسینت چوں شد
جان نگوئی کہ تو زینب کجا میآئی
با حسین رفتی و تنہا تو چرا آئی
گر رسم بر تو نگوئی کہ ترا معجز کو
ازمن زار نپرسی کہ علی اکبرؑ کو
این نپرسی تو زمن قاسم افگار چہ شد
یا کہ عباس علی قمر علمدار چہ شدہ

"اے مدینہ! میں شرمندہ ہوں تو مجھے قبول نہ کر، خدا کے لیے مجھے رسولؐ خدا کے حضور شرمندہ نہ ہونے دے۔

تا کہ وہ مجھ سے یہ نہ پوچھ لیں کہ تیری آنکھوں کا وہ نور کیا ہوا؟...... اے

زینبؑ! دلِ افگار تمہارا حسینؑ کہاں گیا؟!

وہ کہیں یہ نہ دریافت کر لیں کہ زینبؑ تو کہاں سے آئی ہے تو تو حسینؑ کے

ساتھ گئی تھی اور تنہا کیوں آئی ہو؟!

کہیں تو رسانہ کہے کہ تیری چادر کہاں ہے اور وہ میرے دلِ زار سے یہ نہ

پوچھ لیں کہ علی اکبرؑ کہاں ہے؟!

تو مجھ سے یہ مت پوچھ کہ قاسمؑ افگار کو کیا ہوا یا پھر عباسؑ ابن علیؑ علمدار

حسینؑ پر کیا بیتی"۔

بعض معتبر کتب میں منقول ہے کہ جب حضرت زینبؑ شام کی قید کاٹ کر واپس مدینہ پہنچیں اور رسول اکرمؐ کے روضۂ اقدس میں داخل ہوئیں تو عرض کیا:

يَا جَدَّاهُ إِنِّيْ نَاعِيَةُ أَخِيْ الْحُسَيْنِ إِلَيْكَ

"اے نانا! میں بھائی حسینؑ کی شہادت کی خبر آپؐ تک لائی ہوں"۔

اور اس کے بعد دست برد اور شہید مظلومؑ کے پارہ پارہ لباس کو لائیں اور قبر رسولؐ پر رکھ کر عرض کیا: یہ آپ کے حسینؑ کی یادگار ہے جو بطور تحفہ لے کر آئی ہوں۔

لیکن درحقیقت یہ پیرہن ابھی ماں زہراؑ کے پاس رہے گا اور روز قیامت وہ شفاعت کے لیے اسے ہاتھوں میں لے کر آئیں گی۔

تَجِئُ فَاطِمَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِيْ حِجْرِهَا قَمِيْصُ الْحُسَيْنِ مُرَمَّلًا

"حضرت فاطمہ زہراؑ جب روزِ قیامت عرصۂ محشر میں وارد ہوں گیں تو آپؑ

کی گود میں حسینؑ کی خون آلود قمیص ہوگی"۔ (منہاج الدموع /۳۳۹)

ابی مخنف نقل کرتے ہیں: جب علی بن الحسین اپنے نانا رسولؐ خدا کی قبر اطہر کے پاس آئے تو چہرہ مبارک کو قبر مطہر پر ملتے ہوئے اشکبار حالت میں کہا:

أَنَا جِئْتُكَ يَا جَدَّاهُ يَا خَيْرَ مُرْسَلٍ
حَبِيْبُكَ مَقْتُوْلٌ وَنَسْلُكَ ضَايِعٌ أَنَا
جِئْتُكَ مَحْزُوْنًا عَلِيْلاً مُوَجَّلاً
أَسِيْرًا وَمَالِيْ قَطُّ حَامٍ وَدَافِعٌ
سُبِيْنَا كَمَا تُسْبَى الْإِمَاءُ وَمَسَّنَا
مِنَ الضُّرِّ مَا لَا تَحْتَمِلُهُ الْاَضَالِعُ

"اے جد بزرگوار، اے سب انبیاء سے افضل! میں آپ سے راز و نیاز کی گفتگو کرتا ہوں کہ آپ کے محبوب حسینؑ شہید ہو گئے اور آپ کی نسل کا ضیاع ہوا۔ میں حزن و ملال اور سماوی و اسیری میں آپ کو پکارتا تھا اور کوئی بھی اس حالت میں میرا حمایتی اور طرفدار نہ تھا۔ ہمیں قیدی بنالیا گیا' اس طرح کہ جیسے کنیزوں کو قید کر لیتے ہیں۔ اور ہمیں اس قدر رنج و آزار پہنچایا گیا کہ ہماری ہڈیاں اس کی متحمل نہ تھیں۔ (معالی السبطین: ۲/ ۱۲۵)

جناب اُم کلثومؑ مسجد نبویؐ کی طرف بڑھیں اور گریہ کرتے ہوئے دل سوز و محزون حالت میں عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا جَدَّاهُ ، إِنِّيْ نَاعِيَةٌ إِلَيْكَ وَلَدَكَ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَعَلَتْ تَمْرَغُ خَدَّيْهَا عَلَى الْمِنْبَرِ وَالنَّاسُ يُعَزُّوْنَهَا

"اے جد بزرگوار! آپ پر سلام ہو۔ میں آپ کے حسینؑ کی موت کا قاصد ہوں اور اپنے چہرے کو منبر پر ملا۔ لوگوں نے آپ کو تسلی دی"۔

اس حال میں قبر رسولؐ سے صدائے نالہ سنائی دی، لوگ اس صدا کو سن کر گریہ و زاری کرنے لگے۔ (مقتل ابی مخنف/ ۲۲۶، معالی السبطین: ۲/ ۱۲۵)

سیدہ اُم کلثومؑ نے گریہ کرتے ہوئے کچھ اشعار پڑھے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

مَدِیْنَۃُ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِیْنَا
فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا
خَرَجْنَا مِنْکِ بِالْاَهْلِیْنَ جَمْعًا
رَجَعْنَا لَا رِجَالَ وَلَا بَنِیْنَا
وَاِنَّ رِجَالَنَا بِالطَّفِّ صَرْعٰی
بِلَا رُؤُسٍ وَ قَدْ ذَبَحُوْا الْبَنِیْنَا
وَاَخْبِرْ جَدَّنَا اَنَّا اُسِرْنَا
بَعْدَ الْاَسْرِ یَاجَدَّا سُبِیْنَا
وَرَهْطُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَضْحَوْا
عَرَایَا بِالطُّفُوْفِ مُسَلَّبِیْنَا
وَقَدْ ذَبَحُوْا الْحُسَیْنَ وَلَمْ یُرَاعُوا
جَنَابَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِیْنَا
فَلَوْ نَظَرَتْ عُیُوْنُکَ لِلْاُسَارٰی
عَلَی اَقْتَابِ الْجِمَالِ مُحَمَّلِیْنَا
اَفَاطِمُ لَوْ نَظَرْتِ اِلَی السَّبَایَا
بَنَاتُکِ فِی الْبِلَادِ مُشَتَّتِیْنَا
فَلَوْدَامَتْ حَیَاتُکِ لَمْ تَزَالِیْ
اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ تَنْدُبِیْنَا
وَنَحْنُ بَنَاتُ یَاسِیْنَ وَطٰاهَا
وَنَحْنُ الْبَاکِیَاتُ عَلٰی اَبِیْنَا
اَلَا یَاجَدَّنَا بَلَغَتْ عِدَانَا
مُنَاهَا وَاشْتَفَی الْاَعْدَاءُ فِیْنَا

لَقَدْ هَتَكُوْا النِّسَاءَ وَحَمَّلُوْهَا
عَلَى الْاَقْتَابِ قَهْرًا اَجْمَعِيْنَا
وَزَيْنُ الْعَابِدِيْنَ بِقَيْدِ ذُلٍّ
وَرَامُوا قَتْلَهٗ أَهْلُ الْخَئُوْنَا
فَبَعْدَهُمْ عَلَى الدُّنْيَا تُرَابُ
فَكَأْسُ الْمَوْتِ فِيْهَا قَدْ سُقِيْنَا

''اے ہمارے نانا کے مدینہ! ہمیں قبول نہ کر، کیونکہ ہم حسرت واندوہ سے بھرے دل لے کر آئے ہیں۔

ہم تمام اہل وعیال کے ساتھ مدینہ سے گئے تھے۔ جب کہ واپسی پر نہ (ہمارے) مرد ہمارے ساتھ ہیں نہ جوان اور بچے، سب کو قتل کر دیا گیا ہے۔

تحقیق ہمارے مرد خاکِ کربلا پر بغیر سروں کے پڑے تھے اور بچوں کے سر بھی کاٹ لیے گئے۔

ہمارے نانا کو خبر کرو کہ ہم قید کر لئے گئے اور اس کے بعد ہمیں غلام بنا کر شہر بہ شہر پھرایا گیا۔

اے رسولؐ خدا! آپ کے اہل بیتؑ زمین کربلا پر عریاں اور غارت شدہ حالت میں پڑے ہیں۔ حسینؑ کا سر کاٹ لیا گیا اور ہمارے بارے میں آپ کی حرمت تک کا خیال نہ رکھا گیا۔

کاش آپ اپنی آنکھوں سے ان قیدیوں کو دیکھتے کہ جو کجاووں پر سوار تھے اے فاطمہؑ! کاش آپ اپنی قیدی بیٹیوں کو دیکھتیں کہ جو مختلف شہروں میں بھٹکتی پھریں۔

اے مادر گرامی! اگر آپ روز قیامت تک زندہ رہتیں تو ہمارے حال پر

ندبہ اور گریہ کرتیں۔ہم یاسین وطہٰ کی بیٹیاں ہیں کہ جو اپنے باپوں (کی مظلومیت) پر گریہ کناں ہیں۔

اے نانا جان! آگاہ ہو جاؤ کہ ہمارے دشمنوں نے ہم پر اپنی آرزوؤں کی تکمیل کی اور اپنے کینہ کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔

خواتین کی حرمت کی ہتک کی گئی اور سب کو زبردستی اونٹوں پر سوار کرلیا گیا۔اور امام سجادؑ کو نہایت ذلت سے زنجیروں میں جکڑا گیا۔وہ ظالم ان کے قتل کا بھی ارادہ رکھتے تھے۔ان بزرگ ہستیوں (شہدائے کرامؑ) کے بعد اس دنیا کے سر میں خاک ہمیں اس سفر میں موت کا پیالہ پلایا گیا"۔(منتخب طریحی/۳۵۷،ناسخ التواریخ:۳/۱۷۹)

اور اس کا کچھ حصہ محدث قمیؒ کی نفس المہموم/۴۷۱ سے لیا گیا ہے)

شہزادی سکینہؑ نے نوحہ و نالہ کی صدا بلند کی اور عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، يَا جَدَّاهُ اِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى مِمَّا رَأَيْتُ بِالشَّامِ مِنَ اللِّئَامِ

"اے اللہ کے رسولؐ! اے نانا! میں نے شام میں جو کچھ دیکھا اور اُن لعینوں نے جو ہمارے اُوپر مظالم ڈھائے وہ آپؐ کی بارگاہ میں شکایت لے کر آئی ہوں۔

یزید ملعون نے میرے سامنے میرے بابا کے سر کو طشت میں رکھا اور ہمارے زخمی دلوں پر رحم نہ کھایا۔وہ میرے بابا کے ہونٹوں اور دانتوں پہ چھڑی مارتا تھا اور کفر آمیز شعر پڑھتا اور کہتا تھا: اے حسینؑ! تجھے میرے ہاتھ کی ضرب کیسی لگ رہی ہے"۔(ریاض القدس:۲/۳۶۰)

برقی نے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو بنو ہاشم کی بیبیوں نے سیاہ رنگ کا لباس پہن لیا اور وہ گرمی اور سردی میں کوئی شکایت نہ کرتی تھیں اور امام سجادؑ ان ماتم زدوں

کے اور عزاداروں کے لیے غذا کا اہتمام کرتے تھے۔ (محاسن/۴۲۰، نفس المہموم/۴۷۳، بحار الانوار: ۴۵/۱۸۸)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ (شہادت حسینؑ کے بعد) کسی ہاشمی سیدہ نے آنکھوں میں سرمہ نہ لگایا اور خضاب نہ کیا اور کسی ہاشمی گھر میں سے دھواں نہ اٹھا اور کھانا نہ پکایا گیا۔ حتی کہ (اسی حالت میں) پانچ سال گزر گئے اور عبید اللہ ابن زیاد ملعون قتل کر دیا گیا۔ (بحار الانوار: ۴۵/ ۳۸۶ نفس المہموم ۴۷۳)

امام صادقؑ نے فرمایا: امام زین العابدینؑ اپنے باپ پر چالیس سال تک روتے رہے اور اس مدت میں آپ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات عبادت میں گزارتے تھے۔ اور جب افطار کا وقت ہوتا تو خدمت گزار کھانا اور پانی لے آتے اور آپ کے سامنے رکھ کر عرض کرتے: آقا! تناول فرمائیے۔

آپ فرماتے:

قُتِلَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ جَائِعًا ، قُتِلَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَطْشَانًا

"رسولؐ خدا کے بیٹے کو گرسنہ حالت میں شہید کر دیا گیا، رسولؐ خدا کے بیٹے کو تشنہ حالت میں قتل کر دیا گیا"۔

آپ اس جملے کا اس قدر تکرار کرتے اور روتے کہ کھانا آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتا اور حضرتؑ کے پینے کے پانی میں آنسوؤں کی آمیزش ہو جاتی" اور اسی حالت میں آپ خدائے متعال سے وصال فرما گئے۔ (لہوف/ ۲۰۹)

یہ بات غور طلب ہے کہ حضرتؑ سانحۂ عاشور کے بعد ۳۴ یا ۳۵ سال تک زندہ رہے لہٰذا ممکن ہے کہ چالیس کا عدد تقریباً کے معنی میں ہو یا پھر امام کی مصیبت اور گریہ کی شدت بتانا مقصود ہو۔ کیونکہ چالیس (۴۰) اور اسی (۸۰) وغیرہ کے اعداد کو کثرت کے بیان کے لیے استعمال میں لاتے ہیں۔ یعنی آخر عمر تک گریہ کرتے رہے۔ جیسا کہ حدیث کے اختتام سے واضح ہے۔

حضرت زینبؑ کی ولادت باسعادت

توحید کا سرمایۂ توقیر ہے زینبؑ
کردار کی منہ بولتی تصویر ہے زینبؑ
پُرعزم ہے ناقابلِ تسخیر ہے زینبؑ
اعدا کے لیے حیدر کی شمشیر ہے زینبؑ
یہ گلشنِ تقدیس کی معصوم کلی ہے
یہ غیظ میں عباسؑ فصاحت میں علیؑ ہے
(سید مظفر نقوی)

بعض بزرگ محققین کی تحقیق کے مطابق اس مخدرہ عصمت کی ولادت باسعادت پانچ جمادی الاول سن پانچ یا چھ ہجری کو ہوئی۔ (زینب الکبریٰ تالیف علامہ نقدی/۳۳)

جبکہ بعض نے سن چھ ہجری کے اول ماہ شعبان میں اور بعض نے ماہ رمضان میں آپ کی ولادت تحریر کی ہے۔ (معالی السبطین: ۲/۱۳۲، زینب الکبریٰ/۳۳)

روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے بعد حضرت زینبؑ کی ولادت ہوئی اور آپ کے بعد جناب ام کلثومؑ اس دنیا میں تشریف لائیں۔ (منتخب التواریخ/۱۱۳، معالی السبطین: ۲/۱۳۲)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت زینبؑ رسولؐ خدا کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئیں۔ (معالی السبطین: ۲/۱۳۲ کتاب اسعاف الراغبین کی نقل کے ساتھ۔ اور رسالہ زینبیہ سے سیوطی نے نقل کیا ہے کہ یہ مخدرہ اپنے جد (حضرت محمد مصطفیٰؐ) کی رحلت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں)

مشہور روایات کے مطابق حضرت زینب، حضرت فاطمہؑ کے بطن مبارک سے پیدا ہونے والی پہلی بیٹی تھیں اور حضرت علیؑ کی بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں۔

اس پر یہ امر دال ہے کہ راویان حدیث کہیں کہیں حضرت امیر المومنینؑ کو "ابی زینب" کی کنیت سے کنی کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ روایت ابی زینب سے ہے۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں بھی ایسا کیا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۴/۷۳)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب زینب حسنینؑ شریفین کے بعد حضرت علیؑ کی سب سے بڑی اولاد تھیں۔ (زینب الکبریٰ/۳۳)

نام گزاری حضرت زینبؑ کی

جب حضرت زینبؑ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے آپ کو آپ کے والد گرامی جناب امیر المومنینؑ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا: اس بچی کا نام تجویز فرمائیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں رسولؐ خدا پر سبقت نہیں کروں گا اور رسولؐ خدا اس وقت سفر پر گئے ہوئے تھے۔ جب (تین دن گزرنے کے بعد آنحضرتؐ) سفر سے واپس آئے تو حضرت علیؑ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ! خداوند متعال نے فاطمہؑ کو بیٹی عطا فرمائی ہے) اس کے نام کا تعین فرمادیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: فاطمہؑ کی اولاد میری اولاد ہے، لیکن میں پروردگار پر پہل نہیں کرسکتا۔ (جبرئیلؑ نازل ہوئے اور پیغمبر اسلامؐ کو خدا کا پیغام پہنچایا اور عرض کیا: خدا نے اس بچی کا نام زینبؑ اختیار کیا ہے اور یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے)

اور پھر پیغمبر اکرمؐ کو اس بچی کو پیش آنے والے مصائب سے آگاہ کیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے گریہ کیا اور فرمایا:

مَنْ بَكٰى عَلٰى مُصَابِ هٰذِهِ الْبِنْتِ ، كَانَ كَمَنْ بَكٰى عَلٰى

أَخَوَيْهَا الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ

''جو شخص اس بچی کے مصائب پر گریہ کرے گا وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے اس کے بھائیوں حسنؑ اور حسینؑ پر گریہ کیا''۔ (زینب الکبریٰ/ ۳۲، الطراز المذہب تاریخ حضرت زینب: ۱/۴۴)

آیت اللہ جزائری اور عباس قلی خان اس حدیث کے آخر میں نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

''میں وصیت کرتا ہوں کہ اس بچی کی حرمت کا پاس کریں۔ لاریب اپنی امت کے حاضرین و غائبین (موجود اور بعد میں آنے والوں) کے لیے یہ خدیجۃ الکبریٰ کی مانند ہے''۔ (خصائص الزینبیہ/ ۷ الخصیصہ دوم، تاریخ حضرت زینب: ۱/۴۴)

اس جلیل القدر بی بی کو حضرت خدیجہ سے تشبیہ دینا ان کی فضیلت و منقبت کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جناب خدیجہ کے فضائل کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ خاصہ و عامہ رسولؐ خدا کی اس حدیث پر متفق ہیں کہ:

إِنَّ اللهَ اخْتَارَ مِنَ النِّسَاءِ أَرْبَعَةً : مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ ، وَآسِيَةَ بِنْتَ مُزَاحِمٍ ، وَخَدِيجَةَ بِنْتَ خُوَيْلِدٍ ، وَفَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ

''اللہ رب العزت نے عورتوں میں سے چار کو منتخب فرمایا: مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمدؐ''۔

اور ان (جناب خدیجہؑ) کی جلالت کے بیان میں یہی کافی ہے کہ انہیں اسلام کی خدمت اور اعلائے کلمہ توحید میں حضرت علیؑ کی تلوار کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

حضرت زینبؑ کو حضرت خدیجہؑ سے تشبیہ دینے کی وجہ (یعنی دونوں میں وجہ تشبیہ) یہ ہے کہ حضرت خدیجہ جناب رسولؐ خدا کے لیے تسلی و تشفی کا باعث تھیں۔ (اور جس طرح) حضرت خدیجہؑ نے دین مبین کے استحکام کے لیے اپنا مال قربان کیا، اسی طرح حضرت زینبؑ نے بھی

دین کی بقا کے لیے اپنا تمام اثاثہ حتیٰ کہ زیورات اور اولاد کو بھی قربان کر دیا اور اپنی اسیری سے دین مبین کی بقا کا باعث بنیں)

جناب خدیجہؑ تمام مشکلات میں رسولؐ خدا کی حصہ دار اور شریک تھیں اور جناب زینبؑ بھی تمام مصائب ونوائب میں اپنے بھائی کی شریک رہیں۔ (خصائص زینبیہ/۱۸)

لغت میں زینبؑ کے معنی خوبصورت اور خوشبودار درخت کے ہیں۔ اور ممکن بھی ہے کہ یہ لفظ "زین" اور "اب" کا مخفف ہو۔ جس کے معنی باپ کے لیے زینت کے ہیں۔

جناب زینبؑ کی ولادت کے بعد رسولؐ خدا حضرت فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: بیٹی! اس نومولود کو میرے پاس لاؤ۔ جب لایا گیا تو آپؐ نے بچی کو سینے سے لگایا اور اپنا چہرہ اس کے چہرے پر رکھا اور بلند آواز میں شدید گریہ کیا کہ آپ کے رخساروں پر آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت فاطمہؑ نے عرض کیا: ابا جان! یہ رونا کس لیے، خدا آپ کی آنکھوں کو (کبھی) گریاں نہ کرے؟۔

حضرتؐ نے فرمایا: فاطمہؑ بیٹی! بہت جلد یہ بچی گوناگوں مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہوگی۔

یَا بَضْعَتِیْ وَقُرَّةَ عَیْنِیْ اِنَّ مَنْ بَکٰی عَلَیْهَا وَعَلٰی مَصَائِبِهَا یَکُوْنُ ثَوَابُ بُکَائِهٖ کَثَوَابِ مَنْ بَکٰی عَلٰی اَخَوَیْهَا، ثُمَّ سَمَّاهَا زَیْنَبَ

"اے میرے پارۂ تن! اور میری آنکھوں کے نور (فاطمہؑ)! جو شخص بھی اس (زینبؑ) پر اور اس کی مصیبت پر روئے، اس کے لیے اس شخص کا سا ثواب ہوگا کہ جس نے اس کے بھائیوں پر گریہ کیا ہو، پھر بچی کا نام زینبؑ رکھا"۔ (معالی السبطین: ۲/۱۳۲، تاریخ حضرت زینبؑ: ۱/۳۶)

غمِ حسینؑ میں آنسو بہا کے دنیا کو
بتایا آپ نے جنت کا راستہ زینبؑ
(کوثر دبیری لکھنوی)

حضرت زینبؑ کی کنیات اور القاب

زمانہ آپ کو کہتا ہے ثانیٔ زہراؑ
ملا ہے آپ کو یہ حق سے مرتبہ زینبؑ
جناب فاطمہ زہراؑ کی آپ بیٹی ہیں
انھی کا جیسا ہے کردار آپ کا زینبؑ
(کوثر لکھنوی)

اس مخدرہ عصمت کی کنیتیں ام کلثوم، ام عبداللہ اور ام الحسن ہیں اور اس مظلومہ کے لیے مخصوص کنیتیں بھی مذکور ہیں مثلاً ام المصائب، ام الرزایا، ام النوائب وغیرہ۔ (ریاحین الشریعہ: ۳/۴۶)

جناب زینبؑ کے کچھ القاب حسب ذیل ہیں:

(۱) صدیقہ صغریٰ: آپ کے والد امیر المومنینؑ صدیق اکبر اور ماں فاطمہ زہراؑ صدیقہ کبریٰ ہیں۔

(۲) عقیلہ، عقیلہ بنی ہاشم، عقیلۃ الطالبین۔ اور عقیلہ کا مطلب عقلمند اور کریمہ بی بی ہے کہ جو اپنے خانوادے میں عزیز و محترم اور اپنے خاندان میں ارجمند ہو۔

(۳) موثقہ

(۴) عارفہ

(۵) عالمۂ غیر معلّمہ

(۶) فہمۂ غیر مفہمہ

maablib.org

(۷) فاضلہ

(۸) کاملہ

(۹) عابدۂ آلِ علیؑ

(۱۰) محدثہ

(۱۱) عصمت اللہ

(۱۲) مخبرہ

(۱۳) زاہدہ

(۱۴) ولیۃ اللہ

(۱۵) راضیہ: کیونکہ آپ پروردگار کی قضا و قدر پر راضی تھیں۔

(۱۶) صابرہ: کیونکہ آپ نے مصیبتوں میں صبر کیا اور جزع فزع نہیں کی۔

(۱۷) امیۃ اللہ

(۱۸) محبوبۃ المصطفیٰ

(۱۹) نائبۃ الزہراء، ثانیٔ زہراء (از مترجم)

(۲۰) عفیفہ

(۲۱) قانتہ

(۲۲) شریفہ

(۲۳) العصمۃ الصغریٰ

(زینب الکبریٰ/۲۲، ریاحین الشریعہ: ۳/ ۴۷ مقتل مقرم: ۳/ ۱۲۱، ۱۲۹ خصائص زینبیہ ص ۲۲)

مقتل مقرم: ۳/ ۱۲۱ و ۱۲۹، آپؑ کے القاب کی شرح کے لیے خصائص زینبیہ صفحہ ۲۲ اور مابعد کی طرف رجوع کریں۔

خطبات وفرمودات

زینبؑ کی فصاحت تھی عیاں برسر دربار
تاریخ میں محفوظ ہے معصومہ کا کردار
الفاظ تھے یا بدر میں کرار کی تلوار
تا تخت پہ شرمندہ وہ ملعون بیہ کار
خطبات میں وہ ضربتِ حیدرؑ کا اثر تھا
بیعت کا طلب گار جھکائے ہوئے سر تھا
(سید مظفر نقوی)

مخدرۂ عصمت حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے چند نہایت فصیح و بلیغ خطبے انشاء فرمائے، جن میں سے بعض کو قبل ازیں نقل کیا جا چکا ہے اور یہاں ہم ان کا ترتیب وار ذکر کرتے ہیں۔

(ا) آپ کا کوفہ شہر میں دیا گیا فصیح و بلیغ خطبہ بہت سے شیعہ اور سنی علماء نے نقل کیا ہے۔ وہ خطبہ اس قدر موثر تھا اور لوگوں پر اس قدر موثر ثابت ہوا کہ راوی کہتا ہے: خدا کی قسم! میں نے اس دن لوگوں کو دیکھا کہ وہ حیران و سرگرداں حالت میں گریہ کر رہے تھے اور شدت حیرت سے اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹ رہے تھے۔

اس بی بی نے اس طرح خطاب فرمایا کہ کوفہ کے لوگوں میں امیر المومنینؑ کے دلنشین خطبات کی یاد تازہ ہوگئی اور لوگ یہ سمجھے کہ آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؑ خطاب فرما رہے ہیں۔ جب اس مظلومہ بی بی نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کا حکم دیا تو

فَارْتَدَّتِ الْاَنْفَاسُ وَسَكَنَتِ الْاَجْرَاسُ

"ان کے سانس سینوں میں رک گئے اور گھنٹیوں کی آواز ساکت ہوگئی"۔

(احتجاج: ۲/۳۱، مقتل مقرم/۳۱۳)

طبری کی روایت کے مطابق امام سجادؑ نے فرمایا:

يَا عَمَّةُ اُسْكُتِي فَفِي الْبَاقِي مِنَ الْمَاضِي اِعْتِبَارٌ وَأَنْتِ بِحَمْدِاللهِ عَالِمَةٌ غَيْرُ مُعَلَّمَةٍ، فَهِمَةٌ غَيْرُ مُفَهَّمَةٍ

"پھوپھی جان! ٹھہر جائیں، آنے والوں کو چاہیے کہ وہ گزر جانے والوں سے عبرت حاصل کریں۔ اور اللہ کی مہربانی سے آپ بغیر معلمہ کے عالمہ اور بغیر کسی سمجھانے والے کے فرزانہ ہیں"۔ (احتجاج: ۲/۳۱، مقتل مقرم/۳۱۳)

امام کے اس فرمان پر یہ مخدرۂ عصمت خاموش ہوگئیں۔ (لہوف/۱۴۶، مثیر الاحزان /۸۶، بحار الانوار: ۴۵/۱۰۸، مقتل خوارزمی: ۲/۴۰)

(۲) آپ کے وہ کلمات جو آپ نے ابن زیاد کے دربار میں اس ملعون کے جواب میں بیان فرمائے اور جنہیں سن کر وہ لعین اس قدر غضب ناک ہوا کہ اس نے آپ کے قتل کے ارادہ کا اظہار کیا۔ ان کا قبل ازیں تذکرہ ہو چکا ہے۔ (لہوف/۱۶۰، ارشاد: ۲/۱۱۹، مثیر الاحزان/۹۰، مقتل خوارزمی: ۲/۴۲)

(۳) جناب زینبؑ کا وہ خطبہ جو آپ نے دربار یزید میں ارشاد فرمایا: اسے شیعہ سنی علماء کی کثیر تعداد نے نقل کیا ہے۔ اس خطبے نے یزید کو رسوا کر کے رکھ دیا اور وہ اپنے کردار پر پشیمان ہوا نیز اسے ہر دوست، دشمن کے سامنے ندامت اور ذلت اٹھانا پڑی۔ (لہوف/۱۸۱، مثیر الاحزان/ ۱۰۱، بحار الانوار: ۴۵/ ۱۳۳، مقتل مقرم/ ۳۶۱ بلاغات النساء/۲۱، مقتل خوارزمی: ۲/۶۴)

خلاصہ: جناب زینبؑ کے کلام کی فصاحت و بلاغت کسی پر پوشیدہ نہیں اور سبھی نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنے باپ علی مرتضیٰؑ اور ماں جناب فاطمہ زہراؑ سے یہ لیاقت ورثہ میں حاصل کی تھی۔ اور ان دو معصوموں کے دامن کی تربیت یافتہ بی بی کے کلمات میں

خطبات علیؑ کے انوار اور کلام فاطمہؑ کے اسرار کے علاوہ کیا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

تھا جو ہمشیر کا خطبہ تو پدر کا لہجہ
اِک خطابت میں سمٹ آئی تھیں تقریریں دو
(مولانا باقر جوراسی)

maablib.org

حضرت زینبؑ اور نقلِ حدیث

کتب حدیث کی ورق گردانی سے سیدہ زینبؑ سے منقول احادیث کی ایک کثیر تعداد ملتی ہے۔ ان جملہ احادیث میں سے فدک کے بارے میں حضرت فاطمہ زہرا کا خطبہ بھی ہے، جسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ" میں پینتالیسویں مکتوب میں (حضرت علیؑ کے) قول "بلی کانت فی ایدینا فدك....." کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: ہم ان کلمات کے بیان اور تشریح کے متعلق تین فصول میں بات کریں گے۔ اور یہاں حضرت فاطمہؑ کے اس خطبہ کو حضرت زینبؑ بنت علی ابن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۱۶/۲۱۱)

ابوالفرج "مقاتل الطالبین" میں رقم طراز ہیں:

وَالْعَقِيْلَةُ هِيَ الَّتِي رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْهَا

"عقیلہ (یعنی حضرت زینبؑ) کہ جن سے ابن عباس نے حدیث بیان کی ہے" فدک کے بارے میں حضرت فاطمہ زہراؑ کے خطبہ کو مخدرۂ عصمت زینب علیہا سے نقل کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں:

حیرانی کی بات یہ ہے کہ جس زمانے میں حضرت فاطمہ زہرا نے خطبہ فدک انشاء فرمایا اس وقت حضرت زینبؑ عہدِ طفولیت میں تھیں لیکن آپ نے اس کم سنی کے باوجود یہ طویل خطبہ شریف بیان فرمایا ہے۔

اس خطبہ کو شیعہ سنی دونوں کے علمائے بزرگ نے نقل کیا ہے اور دیگر بہت سی احادیث بھی اس مخدرہ سے منقول ہیں۔ (طالبین میں کتاب زینب الکبریٰ/۵۵ سے رجوع فرمائیں)

طبری مرحوم رقم طراز ہیں: حضرت زینبؑ نے اپنی والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ سے

کثیر روایات نقل فرمائی ہیں۔

اور عماد المحدثین نقل کرتے ہیں کہ حضرت زینبؑ نے اپنے والد ماجد، والدۂ ماجدہ بھائیوں (حسنین شریفینؑ) جناب اُم سلمہؓ اور جناب ام ھانیؓ وغیرہ سے روایات بیان کی ہیں۔

جن لوگوں نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں ان میں ابن عباسؓ، حضرت علی بن الحسینؑ، عبداللہ بن جعفر، فاطمہ صغریٰ بنت امام حسینؑ وغیرہ کے نام گنوائے جاسکتے ہیں۔ (زینب الکبریٰ/۵۳)

آیت اللہ جزائری مرحوم لکھتے ہیں: جن دنوں حضرت امیر المومنینؑ کوفہ میں تشریف رکھتے تھے یہ مکرمہ بی بی اپنے گھر میں ایک مجلس منعقد کرتی تھیں جس میں تفسیر قرآن بیان فرماتی تھیں۔

ایک دن آپ ''کھیعص'' کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں کہ اس دوران میں حضرت امیر المومنینؑ تشریف لے آئے اور فرمایا: اے نور چشم! میں سن رہا تھا کہ آپ کھیعص کی تفسیر بیان کر رہی تھیں!

عرض کیا: ہاں میں آپ کے قربان۔

حضرتؑ نے فرمایا: یہ عترتِ رسولؐ پر نازل ہونے والے مصائب کی طرف رمز و اشارہ ہے۔ پھر وہ مصائب اور تکلیفیں جو ان پر نازل ہوں گی، بیان فرمائیں۔ جنہیں سن کر یہ مظلومہ نالہ و فریاد اور گریہ کرنے لگیں۔ (خصائص الزینبیہ/ ۲۷ نواں خصیصہ)

maablib.org

حضرت زینبؑ کے فضائل ومناقب

امام محمد تقی الجواد کی صاحب زادی حکیمہ خاتون کا بیان ہے کہ امام حسینؑ نے ظاہراً اپنی بہن زینب کبریٰ بنت امیر المومنینؑ کو وصیت فرمائی۔ اور اس زمانے میں جو علوم (معارف واحکام الہی) امام سجادؑ سے صادر ہوئے انہیں حضرت زینبؑ سے نسبت دی جاتی ہے۔ تا کہ علی بن الحسینؑ محفوظ رہیں۔(اثبات الوصیہ/۲۳۱، کمال الدین: ۲/۵۰۱، غیبت شیخ طوسی/ ۲۳۱ اثبات الھداۃ: ۳/۵۰۶، بحار الانوار: ۵۱/ ۳۶۴، زینب الکبریٰ/ ۴۱)

حضرت زینبؑ اپنے والد گرامی کے متعدد اصحاب مثلاً میثم تمارؒ، رشید ہجریؒ کی طرح اور آپ مریم بنت عمرانؑ اور آسیہ دختر مزاحم وغیرہ سے افضل تھیں۔ (زینب الکبریٰ/۵۴)

"مجموعۂ شہید" میں روایت کی گئی ہے کہ جس وقت جناب زینبؑ ابھی کم عمر بچی تھیں، آپ نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا: اے بابا جان! کیا آپ ہم سے محبت کرتے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں میری بیٹی، اولاد میرے جگر کے ٹکڑے ہیں۔

حضرت زینبؑ نے عرض کیا: بابا جان دو محبتیں مومن کے دل میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں، محبت خدا اور محبتِ اولاد۔ اور اولاد سے محبت رکھنا ضروری ہے تو ہمارے لیے شفقت اور خدا کے لیے خالص محبت ہونی چاہیے۔

پس حضرت علیؑ کو (یہ بات سن کر) آپؑ سے اور بھی زیادہ محبت ہوگئی۔ (مستدرک: ۱۵/۲۱۵_۷۹ از احکام اولاد ج ۱۶)

دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت علیؑ کے پاس ایک بیٹا اور ایک بیٹی موجود تھے آپ نے بیٹے کو چوما تو بیٹی نے عرض کیا: کیا آپ کو اپنے بیٹے سے محبت ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ہاں بیٹی نے عرض کیا: میرا خیال تھا کہ آپ خدا کے علاوہ کسی سے محبت نہیں کرتے۔ امامؑ نے گریہ کرتے ہوئے فرمایا: محبت خدا سے مخصوص ہے اور اولاد کے لیے شفقت ہے۔ (مستدرک: ۱۵/ ۱۷۱ باب ۹۵)

یحییٰ مازنی کا کہنا ہے: میں مدینہ منورہ میں ایک طویل عرصہ تک امیر المومنینؑ کا ہمسایہ رہا اور میرا گھر اس گھر کے نزدیک تھا جہاں آپ کی بیٹی سیدہ زینبؑ رہتی تھیں۔ لیکن خدا کی قسم میں نے انہیں کبھی دیکھا اور نہ ان کی آواز سنی۔

جب کبھی وہ اپنے نانا رسول خداؐ کے روضہ اطہر کی زیارت کرنا چاہتی تھیں تو رات کے وقت وہاں جاتی تھیں اور وہ بھی اس حالت میں کہ امام حسنؑ آپ کے دائیں جانب (امام) حسینؑ بائیں جانب اور امیر المومنین علیہ السلام آگے آگے چل رہے ہوتے تھے۔ اور جب وہ قبر رسول پر پہنچتیں تو امیر المومنینؑ جلدی سے جا کر روضہ رسول کے چراغوں کو بجھا دیتے۔ (ایک دفعہ) جب امام حسنؑ نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ کہیں کسی (غیر محرم) شخص کی نظر تمہاری بہن زینبؑ پر نہ پڑ جائے۔

بعض محدثین نے نقل کیا ہے: جب امام حسنؑ کو زہر دے دیا گیا اور آپ اپنے سامنے رکھے ہوئے طشت میں اپنے پارہ ہائے جگر کی قے کر رہے تھے۔ اس حالت میں آپ کی نظر جناب زینبؑ پر پڑی تو آپ نے (بہن پر شفقت کے سبب) حکم دیا کہ اس طشت کو ہٹا دو مبادا کہ میری بہن زینبؑ کی نظر اس پر پڑے اور وہ اسے دیکھ کر افسردہ ہو۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب جناب زینبؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کی زیارت سے مشرف ہوتی تھیں تو آپ اپنی بہن کے احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ (زینب الکبریٰ/ ۳۹)

آپ کی قدر و منزلت، مقام عظمت اور شان و فضیلت کے بیان میں یہی کافی ہے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت زینبؑ امام حسینؑ کے پاس تشریف لائیں اور امام اس وقت قرآن پڑھ رہے تھے (جب آپؑ نے زینب سلام اللہ علیہا کو آتے ہوئے دیکھا تو)

آپ نے قرآن زمین پر رکھ دیا اور ان کے احترام و تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ (خاتون دوسرا مصنفہ فیض الاسلام مرحوم/ ۱۴۳ کتاب تحفۃ العالم کی نقل کے ساتھ مصنفہ علامہ سید جعفر آل بحر العلوم طباطبائی)

جناب صدیقہ، صغریٰ، نائبۃ الزہرا، امینہ خدا، ناموس کبریا، اختر برج عصمت، گوہر درج عفت وولایت، امینۃ اللہ العظمیٰ، موثقہ علیا، بنت المصطفیٰ، قرۃ عین المرتضیٰ، شقیقۃ الحسن المجتبیٰ وحسین سید الشہداء، عالمہ غیر معلمہ، فہمہ غیر مفہمہ، عارفہ کاملہ، محدثہ، بتول عذرا کی دختر عصمت پرور جناب زینب کبریٰ صلوات اللہ علیہا کے اوصاف باطنی اور مقاماتِ معنوی کو ضبط تحریر و تقریر میں لانا کسی شخص کے بس کا روگ نہیں اور دنیا بھر کے اہل قلم اس محترمہ دو جہاں، محبوبہ خداوند منان کے فضائل و مناقب کا احاطہ واحصا کرنے سے قاصر ہیں جیسا کہ مرقوم ہے:

فَاِنَّ فَضَائِلَهَا وَفَوَاضِلَهَا وَخِصَالَهَا وَجَلَالَهَا وَعِلْمَهَا وَعَمَلَهَا وَعِصْمَتَهَا وَ عِفَّتَهَا وَنُوْرَهَا وَ ضِيَاءَ هَا وَشَرَفَهَا وَ بَهَاءَ هَا تَالِيَةُ اُمِّهَا صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا

"بے شک حضرت زینبؑ فضائل و فواضل، خصائل وجلال، علم وعمل، عصمت وعفت، نور وحیا، اور شرافت ومنزلت بھی میں اپنی مادر گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کی مانند تھیں"۔ (الطراز المذھب، تاریخ حضرت زینبؑ: ۱/۷۳)

جناب زینب فصاحت وبلاغت، زہد وعبادت اور تدبیر وشجاعت میں اپنے ماں باپ کی شبیہ تھیں۔ اور امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل بیت عظام بلکہ تمام بنی ہاشم کے جمیع امور جناب زینب کی رائے اور تدبیر پر منحصر تھے۔ (جنات الخلود/ ۱۹، قسمت اولاد فاطمہ زہرا)

اور "رسالہ علویہ" نیشاپوری میں بھی منقول ہے کہ حضرت زینب فصاحت وبلاغت اور زہد وعبادت میں اپنے والد محترم حضرت علیؑ اور والدہ معظمہ حضرت زہراؑ کی مانند تھیں۔ (زینب الکبریٰ/ ۴۵)

اہل تسنن کے مصنفین میں سے محمد علی مصری اپنے رسالہ میں رقم طراز ہیں:

بی بی زینبؑ حسباً نسباً اہل بیتؑ عظام کی بزرگوار ترین اور والا ترین ہستیوں میں سے تھیں۔ آپ خاندانِ رسالتؐ کی طاہرہ وپاکیزہ خواتین میں سے برگزیدہ تر اور خوب تر تھیں۔ آپ وہ فرزانہ روزگار تھیں کہ جس نے شجاعت وشہامت میں (جنگی) سواروں پر بھی منزلت حاصل کی اور تمام عمر اپنے لیے تقوائے الٰہی کا انتخاب فرمایا۔

آپ نے اپنی دائماً ذکرِ خدا میں مرطوب زبان سے ظالموں کی سرزنش کی اور انہیں ضعف پہنچایا جبکہ اہلِ حق کی یاور و مددگار بنیں۔ آپ دنیا وآخرت میں بزرگوار، حسنین شریفینؑ کی خواہر اور بتول عذراؑ کی دختر نیک اختر تھیں، جنہیں خداوند متعال نے سیدۃ النساء العالمین کا عظیم مرتبہ عطا فرمایا ہے اور طاقتوروں کے نزدیک آہنی ارادے کا حامل قرار دیا اور جو جود وسخا اور کرم فرمائی میں ہاشمؒ کی بھی ماں تھیں (یعنی جناب ہاشم اپنی تمام تر جود وسخا کے باوجود ان کے فرزند کی مانند تھے کجا ماں اور کجا بیٹا) ....

جناب زینبؑ سن پانچ ہجری کو اپنے نانا رسول خداؐ کی رحلت سے پانچ سال قبل اس دنیا میں تشریف لائیں اور آپ کی ولادت باسعادت سے تمام اہل بیت نہایت خوش وخرم تھے۔

آپ نے (قرآن میں اللہ رب العزت کے تعریف کردہ) درخت سے بھرپور اور کامل بہرہ حیات اور دانشوری میں بلند مقام حاصل کیا) کہ جس کی جڑیں زمین میں ہیں اور شاخیں آسمان میں۔

آپ بردباری، عقل ودانش اور مکارم اخلاق کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز تھیں اور اس قدر فصاحت وبلاغت کی حامل تھیں کہ آپ کے ہاتھوں نے چشمہ جود وکرم کی تراوش فرمائی۔

آپ میں ظاہری اور باطنی خوبیاں اس قدر جمع تھیں کہ آپ اس گھر میں مبشر اور صاحب رائے مشہور تھیں کہ جس گھر میں وحی نازل ہوتی رہی۔ اور یہی فخر کا مقام ہے کہ آپ اہل بیتؑ وحی کے شجرہ سے تعلق رکھتی تھیں کہ جن کی مدح وستائش خدائے متعال نے اپنی کتاب عزیز قرآن مجید میں بھی کی ہے۔ (زینب الکبریٰ/۴۹)

فرید وجدی جو کہ ایک کٹر سنی مصنف ہے وہ دائرۃ المعارف میں لفظ زین کے ذیل میں رقم طراز ہے: زینب بنت علی ابن ابی طالب فاضلہ روزگار خاتون اور جلیلہ بنی ہاشم تھیں کہ وہ واقعۂ کربلا میں اپنے بھائی حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ موجود تھیں (اور جب حسینؑ شہید ہو گئے تو ان کے پسماندگان بچوں اور بیبیوں کی پیشوا تھیں)

اس کے بعد مصنف موصوف نے اس مظلومہ کے کوفہ و شام کے احوال و واقعات اور دربار یزید میں آپ کے خطبہ کا ذکر کیا ہے۔ (دائرہ المعارف فرید وجدی: ۴/۹۵-۷، ریاحین الشریعہ: ۳/۵۲)

روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ ایک مہمان کو گھر لے کر آئے اور جناب فاطمہؑ سے پوچھا کہ گھر میں مہمان کے لیے کچھ ہے؟

بی بی نے عرض کیا: روٹی کا ایک ٹکڑا موجود ہے جو زینبؑ بیٹی کے لیے رکھا ہوا ہے۔

بی بی زینبؑ سو رہی تھیں۔ جب مادر گرامی کی یہ بات سنی تو اگرچہ اس وقت آپ کا سن مبارک چار سال کا تھا، فرمایا: اماں جانؑ! یہ روٹی مہمان کو دے دیجیے۔ (مقتل مقرم: ۳/۱۳۰)

علامہ نقدیؒ تحریر فرماتے ہیں: حضرت زینبؑ خدا کی عبادت اور بندگی میں اپنی ماں جناب زہراؑ کی ثانی تھیں اور ساری ساری رات عبادت و تہجد اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتی تھیں۔

بعض فضلا کا کہنا ہے کہ جناب زینب نے تمام عمر نماز تہجد کو ترک نہ فرمایا حتیٰ کہ گیارہ محرم کی رات کو بھی نماز تہجد ادا کی اور حضرت امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اس رات (گیارہ محرم کی رات) بھی پھوپھی جان بیٹھ کر نماز شب بجا لائیں۔

آیت اللہ بیر جندی بعض معتبر مقاتل میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سجادؑ نے فرمایا: تحقیق میری پھوپھی زینبؑ نے ان تمام مصائب اور تکلیفوں کے باوجود کہ جو شام کے راستے میں ان پر نازل ہوئیں۔ نوافلِ شب کو ترک نہ فرمایا اور امام حسین علیہ السلام نے اپنی بہن زینبؑ سے وداع ہوتے وقت فرمایا:

"اے بہن! مجھے نوافلِ شب میں فراموش مت کرنا"۔ (زینب الکبریٰ/۸۱)

علامہ شیخ جواہری کی کتاب "مثیر الاحزان" میں ہے کہ فاطمہؑ بنت امام حسینؑ نے فرمایا: میری پھوپھی زینبؑ نے عاشور کی شب کو جائے نماز پر کھڑے ہو کر بارگاہ خداوندی میں استغاثہ فرمایا، (ان کے آہ و نالہ کے اثر سے) میری آنکھ تک نہ لگ سکی اور نہ ہی میرے رونے کی آواز بند ہوئی۔ (خاتون دوسرا/۱۸۲، زینب الکبریٰ/۸۲)

امام سجادؑ فرماتے ہیں: میری پھوپھی زینبؑ ایک رات بیٹھ کر نماز شب ادا فرما رہی تھیں۔ میں نے پوچھا: پھوپھی جان! آپ بیٹھ کر نماز کیوں پڑھ رہی ہیں؟

فرمایا: ہر شب و روز میں ایک سے زائد روٹی اسیروں کو نہیں دے سکی اور آج تیسری رات ہے کہ اپنا حصہ بچوں کو دے دیتی ہوں کیونکہ ان کی بھوک ابھی باقی ہوتی ہے۔ اس لیے سخت بھوک اور کمزوری کے سبب مجھ میں اٹھنے کی سکت نہیں رکھتی۔ (زینب الکبریٰ/۸۲، معالی السبطین: ۲/۱۳۳)

اور جناب زینبؑ کے صبر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اپنی ماں فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بعد کوئی بھی جناب زینبؑ کے مقام استقامت پر فائز نہیں۔ وہ تمام پیش آمدہ مصائب میں ایک مضبوط پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہیں۔

آپ مقامِ امامت کی قدر اور قرب نیز خصوصیات ولایت کے ادراک میں اس مرتبہ پر فائز تھیں کہ جب سید الشہداءؑ کو شہید کر دیا گیا تو آپ نے ان کے خون میں غلطاں بدن مبارک پر نظر ڈالی اور خالق مطلق کی بارگاہ میں عرض کیا:

"(اے اللہ) آل محمد کی اس قلیل قربانی کو قبول فرما"۔ (تاریخ حضرت زینبؑ: ۱/۷۵)

آیت اللہ میرزا احمد سیبویہ جو کہ تہران کے رہنے والے تھے، عراق کے متقی بزرگ شیخ حسین سامرائی سے نقل فرماتے تھے:

جب میں زیارت سامرا سے مشرف ہوا تو ایک جمعہ کی عصر کے وقت سرداب مقدس میں گیا۔ میرے علاوہ وہاں کوئی نہ تھا، میں جناب صاحب الامر صلوات اللہ علیہ کے مقام معرفت

میں توجہ کی حالت میں تھا کہ اس حالت میں اپنے پیچھے سے ایک صدا سنی کہ کوئی فارسی زبان میں کہہ رہا تھا:

''بہ شیعان و دوستان ما بگوئید کہ خدارا بہ حق عمہ ام حضرت زینبؑ قسم دھند کہ فرج مرا نزدیک گرداند''۔

''میرے شیعو اور دوستو سے کہو کہ خداوند متعال کو میری پھوپھی زینبؑ کے واسطے سے قسم دیں کہ میرے ظہور کو نزدیک فرمائے۔

(شیفتگان حضرت مہدیؑ: ۱/۲۵۱)

maablib.org

کرامات زینب سلام اللہ علیہا

گن فکاں گیر تیرے عزم کی حد ہے زینبؑ
تیرے افکار کی سرحد پہ ابد ہے زینبؑ
لا الہ تیرے تحفظ میں پسِ قتلِ حسینؑ
صورت نادِ علیؑ حق کی مدد ہے زینبؑ
میری نظروں میں ہے تحقیق طلب اس کا نسب
وہ مسلماں جسے تجھ سے حسد ہے زینبؑ
(مشتاق لکھنوی)

(۱) علامہ نوری نقل فرماتے ہیں: سید محمد باقر سلطان آبادی جو کہ ارباب فضل اور راسخین فی العلم میں سے تھے نے فرمایا: میں بروجرد میں میں آنکھوں کی سخت تکلیف میں مبتلا تھا اور درد کی شدت اس قدر تھی کہ طبیب اس کے علاج سے عاجز تھے۔ وہاں سے مجھے سلطان آباد لایا گیا۔ درد اور شدید ہوگیا اور ورم بہت پھیل گیا کہ سیاہی چشم نظر نہیں آتی تھی۔

درد کی شدت نے میری آنکھوں سے نیند چھین لی اور (اس) شہر کے (بھی) تمام معالج میرے علاج سے عاجز آ گئے۔ بعض معالجوں کا کہنا تھا (میری آنکھوں کو ٹھیک ہونے کے لیے) کم از کم چھ ماہ کا علاج درکار ہے۔

اس صورت حال سے میرا دل افسردہ اور خستہ ہوگیا۔ میں ہمت ہار گیا اور حد سے زیادہ پریشان اور رنجیدہ تھا۔ میرے ایک دوست نے مشورہ دیا: بہتر ہے کہ شفایابی کے لیے شرف زیارات حاصل کیا جائے۔ میں اس سلسلے میں سفر پر روانہ ہو رہا ہوں میرے ساتھ چلیے۔

جب آپ خاک کربلا کو سرمہ بنائیں گے تو ان شاء اللہ شفایاب ہوں گے۔ میں نے اس سے کہا: اس حالت میں میں ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر بھلا کس طرح سفر کر سکتا ہوں۔

جب میں نے ڈاکٹر سے رجوع کیا تو اس نے کہا: سفر ہرگز نہ کیجیے۔ اور اگر آپ ایسا کریں گے تو بالکل نابینا ہو جائیں گے۔ اور دوسری منزل تک پہنچنے تک کلی طور پر بینائی سے محروم ہو جائیں گے، میرا دوست چلا گیا اور میں بھی اپنے گھر آ گیا۔

میرے ایک اور دوست آئے اور کہنے لگے: آپ کو مقتلِ شہداء اور مریض خانہ اولیاء کی خاک شفاء کے سوا آرام نہیں آئے گا اور ضمناً یہ تفصیل بھی دی کہ میں خود نو سال تک طپش قلب کا مریض رہا۔ جب تمام طبیب میرا علاج کرنے سے عاجز آ گئے تو آخر صرف امام حسینؑ کی قبر مطہر کی خاک سے شفا حاصل ہوئی۔ اگر آپ بھی طالب شفا ہیں تو خدا پر توکل کر کے کربلائے معلی کی طرف روانہ ہو جائیں۔

میں خدا کے بھروسے پر عازم سفر ہوا۔ دوسری ہی منزل پر پہنچا تھا کہ مرض شدت اختیار کر گیا اور داہنی آنکھ میں اس قدر درد اٹھا کہ اس کے اثر سے بائیں آنکھ بھی مبتلائے درد ہو گئی۔ میرے ہمراہیوں نے مجھے ملامت کی اور کہا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ واپس چلے جائیں۔

جب صبح ہوئی تو درد سے آرام نصیب ہوا اور میں سو گیا۔ میں نے خواب میں صدیقہ صغریٰ جناب زینب الکبریٰؑ کو دیکھا۔ میں اس مکرمہ بی بی کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے مقنعہ مطہر کا ایک کونا پکڑ کر اپنی آنکھ پر لگایا۔ پھر میں نیند سے بیدار ہو گیا۔ میری دونوں آنکھیں ایک جیسی تھیں اور مجھے کسی قسم کا درد محسوس نہ ہوا۔ یوں میرا سفر اختتام کو پہنچا۔ (دار الاسلام: ۲/ ۱۵۶)

(۲) بعض مؤلفین نے کتاب "التبر المذاب" اور مقتل "امدانی یزدی" سے نقل کیا ہے کہ قیدی شام میں داخل ہوئے تو جناب زینبؑ نے شمر کو طلب کر کے فرمایا: مجھے تجھ سے ایک حاجت ہے اور وہ یہ کہ ہمیں اس دروازے سے لوگوں کی بھیڑ سے گزار کر نہ لے جائیں بلکہ کسی کم مصروف راستے سے شام میں لے جائیں۔

اس ملعون نے کچھ توجہ نہ دی بلکہ اس مخدرۂ عصمت کو چند تازیانے بھی مارے۔ اس معدنِ صبر ووقار نے فرطِ غیرت کے سبب زمین کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

یَا أَرْضُ خُذِیْهِ

زمین نے شرِ ملعون کو کمر تک اپنے اندر دھنسالیا۔

اچانک کٹے ہوئے سر سے امام حسینؑ کی آواز آئی:

یَا اُخْتَاهُ اِصْبِرِیْ وَاحْتَسِبِیْ فِیْ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

''اے بہن صبر کیجئے اور اللہ کی رضا کو قبول کیجئے''۔

چنانچہ بی بی نے زمین کو حکم دے کر اس ملعون کو رہا کرادیا۔ (خصائص الزینبیہ/ ۱۲۰ خصیصہ ۳۱)

(۳) شبلنجی شافعی ''نور الابصار'' میں شیخ عبدالرحمٰن اجہوری مصری سے (یہ دونوں سنی علماء ہیں) کتاب ''شارق الانوار'' میں نقل کرتے ہیں کہ:

سن ۱۰۷۰ قمری میں میں ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہوگیا۔ میں نے جنابِ زینبؑ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا اور آپ سے متوسل ہوا' خدا نے اس عظیم مخدرۂ عصمت کے صدقے میں مجھے اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔

مرحوم خیابانی نے یہ قصیدہ نقل فرمایا ہے۔ (وقائع الایام خیابانی/ ۳۰۲)

maablib.org

جنابِ زینبؑ کی اپنے بھائی حسینؑ سے شدتِ محبّت

یزیدیوں کے سبھی چاک ہو گئے پردے
بلند و بالا کیا جب خطاب زینبؑ نے
وگرنہ حق و صداقت کا نام مٹ جاتا
بپا کیا ہے اسد انقلاب زینبؑ نے
(اسد رضوی)

جناب زینبؑ بچپن ہی سے اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام سے اس قدر انس و محبت رکھتی تھیں کہ ان کے آغوش و دامان کے بغیر آرام نہ فرماتی تھیں اور جب بھی امام کے نزدیک ہوتیں تو ان کے چہرے سے نظر نہیں ہٹاتی تھیں، اور نہ ہی دور ہوتی تھیں۔ اگر کبھی دور ہو جاتیں تو رونے لگتی تھیں۔

ایک دن جناب فاطمہؑ نے اپنے والد گرامی سے عرض کیا: اے بابا جان! میں زینبؑ کی حسینؑ سے اس شدید محبت سے حیران ہوں کہ وہ حسینؑ کو دیکھے بغیر صبر نہیں کرتی اور اگر کچھ دیر اسے حسینؑ کی خوشبو محسوس نہ ہو تو اس کی جان نکلنے لگتی ہے۔

جب رسولؐ خدا نے یہ بات سنی تو ایک دردناک آہ کھینچی اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس حالت میں فرمایا: اے نور چشم! یہ بچی (زینبؑ) حسینؑ کے ساتھ کربلا کے سفر پر جائے گی اور ہزاروں مصیبتوں اور سختیوں کا شکار ہو گی۔

جناب زینبؑ نے جناب عبداللہ بن جعفر سے شادی کے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ اپنے بھائی سے شدید انس و محبت کے سبب مجھے اجازت ہونی چاہیے کہ میں ہر روز حسینؑ کی زیارت کرسکوں۔

تمام مدت حیات میں کوئی ایسا دن کم ہی گزرا ہوگا کہ جس میں زینبؑ نے حسینؑ کی زیارت نہ کی ہو اور اسی بنا پر یہ ہوا کہ جب سر حسینؑ کو دفن کر دیا گیا تو زینبؑ بھائی کے ہجر و مفارقت میں اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔

بعض صاحبان مقاتل نے تحریر کیا ہے کہ جب حضرت علیؑ نے جناب زینبؑ کی عبداللہ بن جعفر سے شادی کرنا چاہی تو شرط لگائی کہ جب حسینؑ سفر کا ارادہ کریں اور زینب ان کے ساتھ جانا چاہیں تو عبداللہ ان کو منع نہیں کریں گے۔

فاضل بیرجندی ''کبریت احمر'' میں لکھتے ہیں: حضرت زینبؑ اپنے بھائی سے اس قدر مانوس تھیں کہ ایسی انسیت کسی بہن بھائی میں نہیں دیکھی گئی اور آپ بچپن ہی سے امام حسینؑ سے (شدید) انس رکھتی تھیں۔

بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن عباس نے امام حسینؑ سے کہا:

فَمَا مَعْنٰی حَمْلِكَ هٰؤُلَاءِ النِّسَاءِ

آپ فرماتے ہیں: میں شہید ہونے کے لیے جا رہا ہوں تو پھر خواتین کو اپنے ہمراہ کیوں لے جا رہے ہیں؟

سیدہ زینبؑ نے محمل سے سر نکالا اور فرمایا: اے ابن عباس! کیا آپ میرے اور میرے بھائی کے درمیان جدائی ڈالنا چاہتے ہیں! میں ان سے ہرگز دور نہ ہوں گی۔ (ریاحین الشریعہ: ۳/۴۱)

آپ کو اپنے بھائی حسینؑ سے اس درجہ محبت تھی کہ ہر روز کئی مرتبہ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی آنکھوں کو ان کے دیدار سے روشن کرتی تھیں۔ اسی کیفیت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اوقات نماز میں آتیں، اپنے کعبہ مقصود پر نگاہ ڈالتیں اور اہل حاجت و حقیقت کے اس قبلہ کی زیارت کرتیں اور پھر نماز میں مشغول ہو جاتیں۔ (الطراز المذهب ناسخ حضرت زینبؑ: ۱/۳/۷ اور اسی کے مثل خصائص الزینبیہ/ ۱۴۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

مؤلف کا کہنا ہے کہ جناب زینبؑ کے اس کام میں ایک راز ہے جسے اہل حقیقت ہی

سمجھتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

وَانْوِ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ذِكْرَ اللّٰهِ وَذِكْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَجْعَلْ وَاحِدًا مِنَ الْاَئِمَّةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ نَصْبَ عَيْنَيْكَ

''نماز شروع کرتے وقت خدا کے ذکر اور رسولؐ خدا کی یاد کا ارادہ کرو، اور آئمہ معصومینؑ میں سے کسی ایک (کے تصور) کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو''۔ (مستدرک:۴/۱۳۲ اب ۱۳ از ینت ح ۱)

آقائے شیخ علی ربانی خلخالی تحریر فرماتے ہیں: ایک دن میں آیت اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین نجفی مرعشی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہر طرح کی باتیں ہوئیں تا آنکہ آپ نے فرمایا: جب جناب فاطمہ زہراؑ جناب زینبؑ کو رسول خداؐ کی خدمت میں لے گئیں تو اس نوزاد نے اہل بیت میں سے کسی ایک پر آنکھ نہ کھولی لیکن جونہی آپ کو امام حسینؑ نے اٹھایا، آپ نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اور مزید فرمایا کہ دربار یزید میں امام علیہ السلام کے نیزے پر سوار سر نے تمام اسیروں پر نظر ڈالی لیکن جس وقت جناب زینبؑ کے سامنے پہنچا تو اپنی آنکھوں کو بند کر لیا اور گوشۂ چشم سے آنسو جاری ہو گئے۔ (چہرہ درخشان قمر بنی ہاشم: ۱/ ۸۷)

نوٹ: مرحوم آیت اللہ نجفی مرعشی قدس سرہ تمام بزرگوں میں تاریخ کے تتبع میں مشہور تھے۔

سعد کے بیٹے کو یہ حکم یزید نحس ہے
سر مجھے شبیرؑ کا زینبؑ کی چادر چاہیے

(مسعود رضوی رودولوی)

maablib.org

خصائصِ زینب سلام اللہ علیہا

سیدہ زینبؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کی طرح بہت سے خصائص اور امتیازات کی حامل تھیں۔ ہم یہاں آیت اللہ سید نور الدین کی کتاب "خصائص الزینبیہ" سے کچھ خصائص یہاں نقل کر رہے ہیں:

① آپ کی خلقت کی ابتداء سے تولد فرمانے تک آپ کی والدۂ معظمہ جناب فاطمہ زہراؑ رنج وغم میں مبتلا رہیں۔

البتہ یہ امتیاز تمام اولاد فاطمہ ہی کو حاصل ہے، اس لیے کہ خاصان خدا کے لیے اس دنیا میں خوشیاں نہیں ہیں اور اولاد کا علاقہ امور قہریہ میں سے ہے۔ حضرت فاطمہؑ اپنے جس بچے سے بھی محمول ہوئیں اس پر وارد ہونے والی مصیبتوں سے آگاہ تھیں، اورا سے فراموش نہ کرسکتی تھیں۔

جب امام حسنؑ پیدا ہوئے تو اس مخدرہ کو خبر دی گئی کہ اس بزرگوار کو نہایت مشکلات برداشت کرنے کے بعد زہر جفا سے شہید کردیا جائے گا۔ چنانچہ آپ جناب حسنؑ کی ولادت ہی سے محزون رہنے لگیں۔

جب امام حسینؑ سے حاملہ ہوئیں اور ان کو پیش آنے والی مصیبتوں سے آگاہ ہوئیں تو اس قدر غمگین ہوئیں کہ ارشاد ربانی ہے:

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (سورۂ احقاف آیہ ۱۵)

"اس کی ماں نے اسے اٹھائے رکھا اور جنا اسے تکلیف کے ساتھ جنم دیا"۔

اور جناب زینبؑ کے حمل کے بارے میں بھی منقول ہے کہ جناب فاطمہ زہراؑ آپ کے حمل سے وضع حمل تک رنجیدہ خاطر رہیں۔

② رسولؐ خدا کا آپ کی ولادت کے وقت اس سبب سے گریہ فرمانا کہ آپ امام حسینؑ کی شریک مصائب ہوں گی۔

روایت میں ہے کہ جب حضرت زینبؑ اس دنیا میں تشریف لائیں تو رسول خدا کو خبر دی گئی۔ آپ جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: میری بیٹی! اس بچی کو میرے پاس لاؤ۔ جب بچی کو آپ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ اور اس کے چہرے پر اپنا چہرہ مبارک رکھ کر

وَبَكٰى بُكَاءً عَالِيًا وَسَالَ الدَّمْعُ عَلٰى مَحَاسِنِهٖ جَارِيًا

"اونچی آواز میں گریہ فرمایا: اور آپ کے آنسو ریش مبارک پر جاری ہو گئے"۔

جناب فاطمہؑ نے عرض کیا: بابا جان! خدا آپ کی آنکھوں کو کبھی نہ رلائے؟ آپ گریہ کیوں فرما رہے ہیں۔

فرمایا: بیٹی فاطمہؑ! یہ بچی میری اور تمہاری رحلت کے بعد (سخت) مصیبتوں میں مبتلا ہوگی۔ (سیدہ زینبؑ کی نام گزاری کے عنوان کے تحت مکمل حدیث نقل کی جا چکی ہے)

③ اس مخدرہ پر ہونے والے مصائب کی خبر جبرئیلؑ نے دی۔ اس امتیاز میں بھی آپ امام حسینؑ کے ساتھ شریک ہیں۔

④ رسولؐ خدا کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کا آپ کے لیے نام منتخب کرنا اور آپ کو اسم زینبؑ سے موسوم کرنا، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

⑤ آپ کے مخصوص اسما والقاب جن کا مستقل عنوان کے تحت ذکر ہو چکا ہے اور ان میں سے ایک کی شرح کتاب "خصائص الزینبیہ" میں موجود ہے۔

⑥ ہر کوئی اس مخدرہ کا کفو نہ تھا اور آپ سے ازدواج کی لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ تاریخ کی

بعض کتابوں میں اور ''شرح نہج البلاغہ'' میں ابن ابی الحدید سے منقول ہے کہ اشعث بن قیس جو قبیلہ کندہ کا ایک رئیس وزعیم تھا، نے امیر المومنینؑ سے جناب زینبؑ کی خواستگاری کی۔ امیر المومنینؑ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: تمہیں یہ جرات کیسے ہوئی کہ مجھ سے زینبؑ کی خواستگاری کر رہے ہو؟

ابو قحافہ کے بیٹے نے تمہیں اس قدر گستاخ اور بے شرم بنا دیا ہے۔[1] (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۴/۷۵)

زینبؑ جنابِ خدیجہؑ کی شبیہ اور دامانِ فاطمہؑ کی پروردہ ہے۔ اور اس نے پستانِ عصمت سے دودھ پیا ہے۔ تم میں کیا قابلیت ہے کہ اس کے ہمسر بن سکو۔ مجھے اس خدا کی قسم کہ جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر تم نے اس بات کا تکرار کیا تو میں اس کا جواب تمہیں تلوار سے دوں گا۔ (ریاحین الشریعہ: ۳/۵۹)

حتیٰ کہ (۱۷) سترہ ہجری میں جوادِ اہل بیتؑ عبداللہ بن جعفر[2] نے، جو نہایت شرف و منزلت کے حامل تھے اپنے چچا حضرت علیؑ سے اس مکرمہ بی بی کی خواستگاری کی جو آنحضرتؐ

۱- یہاں اشعث بن قیس کے ارتداد کی داستان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسے اپنے قبیلہ کے دس دیگر افراد کے ساتھ اسلام سے ارتداد کے سبب زنجیروں میں باندھ کر ابوبکر کے پاس لایا گیا۔ ابوبکر نے انہیں معاف کر دیا اور اپنی ایک نابینا بہن کی شادی اشعث سے کر دی جس کی وجہ سے وہ گستاخ ہوا۔

۲- جناب عبداللہ بن جعفر نہایت پاکیزہ کردار اور بزرگوار شخصیت تھے۔ آپ نے پیغمبر اکرمؐ کی زیارت بھی کی تھی اور حضورؐ اور امیر المومنین علی علیہ السلام سے روایت بھی نقل فرمائی۔ آپ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے اور حسنؑ وحسینؑ کے صحابی تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام اسما بنت عمیس تھا اور آپ حبشہ میں اس دنیا میں تشریف لائے۔

آپ کے دو فرزندوں محمد اور عون نے کربلا کے میدان میں امام حسینؑ پر فداکاری کی اور جام شہادت نوش فرمایا۔ خود آپ کے ساتھ کربلا میں موجود نہ ہونے کے کئی سبب بتائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی نظر بہت کمزور ہو چکی تھی۔

آپ رسولؐ خدا کی دعا کی برکت سے بنی ہاشم کے ثروت مندوں میں سے تھے۔ آپ بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے اس لیے آپ کا نام بحرالجود (سخاوت کا سمندر) پڑ گیا تھا۔

نے قبول فرمائی اور جناب فاطمہ کے برابر حق مہر (۴۸۰ درہم) پر آپ کا عقد جناب عبداللہ سے کر دیا گیا۔

⑥ متعدد امتحانات خصوصاً سفر کربلا کے امتحانات پر پورا اترنا انسانیت کے مقامات و کمالات

آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے: "لَمْ یَکُنْ فِی الْاِسْلَامِ اَسْخٰی مِنْهُ،" "اسلام میں آپ سے زیادہ سخی کوئی نہیں ہوا"۔ آپ کا گھر محتاجوں کی حاجات پوری کرنے کا مرکز تھا اور کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا اور ہمیشہ مانگنے سے پہلے ہی فقیر کو عطا کر دیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی وفات کے بعد فقراء کا کہنا تھا: جب تک عبداللہ زندہ تھے ہم سوال کے مفہوم سے ناآشنا تھے۔

ایک بڑھیا نے مکہ سے مدینہ کے راستے میں آپ کی پذیرائی کے لیے ایک گوسفند ذبح کیا، جب وہ مدینہ آئی تو آپ نے اسے دو ہزار گوسفند اور دو ہزار دینار عطا فرمائے۔ (بحار الانوار: ۳۳/۳۴۸)

امام صادق فرماتے ہیں: مسجد کے دروازے میں بیٹھے ایک شخص نے عثمان بن عفان سے خیرات مانگی۔ عثمان نے اسے پانچ درہم دیئے۔ اس شخص نے کہا: یہ رقم میرے درد کی دوا نہیں۔ میری کسی ایسے شخص کی طرف رہنمائی کریں کہ جو مجھے اس سے زیادہ خیرات دے سکے۔ عثمان نے کہا تمہارے سامنے سخی مرد بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے ہاتھ سے مسجد کے اس کونے کی طرف اشارہ کیا جس میں امام حسنؑ، امام حسینؑ، اور عبداللہ بن جعفر بیٹھے ہوئے تھے۔ امام حسنؑ نے اسے (۵۰) دینار دیئے، امام حسینؑ نے ۴۹ دینار اور جناب عبداللہ نے ۴۸ دینار۔

جب وہ شخص عثمان کے پاس واپس گیا تو اسے اپنی داستان سنائی: عثمان نے کہا کہ ان جیسا کوئی جواں مرد نہیں۔ انہوں نے علم و دانش (براہ راست علم و دانش کے منبع سے) حاصل کیا ہے اور خیر و نیکی، حکمت، راستی اور درستی کو اپنے کاموں میں اختصاص دیا ہے اور کوئی بھی ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ (بحار الانوار: ۴۳/۳۳۲)

ایک شخص آپؓ کے پاس آیا۔ آپؓ اس وقت گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھ کر اپنی زمینوں پر تشریف لے جانا چاہتے تھے اور کہا: اے رسولؐ خدا کے چچا زاد کے بیٹے! میں ایک غریب شاعر ہوں کہ جس کے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔

عبداللہ نے فوراً گھوڑے کی رکاب سے پاؤں نکالا اور کہا: میں نے یہ اونٹ اس کی خورجین کے سمیت تمہیں دیا۔ ناقہ پر سوار ہو جاؤ اور اس مال کو اپنے استعمال میں لاؤ۔ جب سائل نے اسے کھولا تو اس میں چار ہزار اشرفیاں اور خز کی چند چادریں بھی تھیں۔ (تذکرۃ الشہداء ۱/۱۴۷)

مشہور ہے کہ مدینہ کے لوگوں کا معمول تھا کہ جب ایک دوسرے سے قرض لیتے تو اس قرض کی ادائیگی کی ضمانت جناب عبداللہ بن جعفر سے دلواتے تھے۔

کے موازنے کے لیے امتحان لیا جاتا ہے جس سے کمالات کا اظہار اور ملکات کا ابراز ہوتا ہے اور آدمی باطناً اگر ان مقامات کے امتحان سے بخوبی عہدہ برآ ہو جائے تو مقام قرب پر پہنچ جاتا ہے اور اسے قوسِ صعودی کا نام دیا جاتا ہے۔

اور اگر انسان حیوانیت پر پہنچ جاتا ہے (یعنی امتحان پر پورا نہیں اترتا) تو اسے قوسِ نزولی کا نام دیا جاتا ہے۔ ہر شخص کا امتحان اس کی استعداد اور قابلیت کے مطابق ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق ابتلاؤں کا سامنا ہوتا ہے۔ جس قدر مقام بلند ہوگا اسی قدر مصیبت زیادہ ہوگی۔

حضرت زینبؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کی طرح کربلا کے سفر میں طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوئیں اور پہلے گزر جانے والوں یا بعد میں آنے والوں میں سے کسی کا امتحان بھی اتنا سخت نہیں۔ بلکہ یہ سخت ترین امتحان دو افراد سے مخصوص تھے۔ چنانچہ اس مخدرہ کی ہم جس مقام پر

مرقوم ہے کہ جناب عبداللہ آخری عمر میں تنگدستی کا شکار تھے۔ ایک دن ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے کوئی چیز مانگی تو چونکہ عبداللہ کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہ تھا چنانچہ اپنی ردا اتار کر اسے دے دی اور اپنا سر آسمان کی طرف بلند فرما کر عرض کیا: خدایا! اب مجھے موت دے دے۔ چند یوم کے بعد آپ بیمار ہو گئے اور اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

مامقانی مرحوم نے اپنی کتاب رجال میں آپ کی جلالتِ قدر اور بزرگی کی تعریف و توصیف کی ہے اور مدائنی سے ایک داستان نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: آپ کی ایک روایت میں بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔ (تنقیح المقال: ۲/ ۱۷۳)

بنابرایں مخالفین کی کتابوں مثلاً "الاغانی مصنفہ ابوالفرج اصفہانی" (جو کہ ظاہراً سنی اور باطناً یہودی تھا) میں جو یہ کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر سماع وغنا کے رسیا تھے، یہ بات ہرگز قابل اعتبار نہیں بلکہ معاویہ اور ابوالفرج کی ان تہمتوں میں سے ایک ہے جو انہوں نے خاندان ابی طالبؑ اور امیر المومنین علی علیہ السلام پر لگائیں۔

آپ کی تاریخ وفات اسی (۸۰) ہجری لکھی گئی ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر شریف ۹۰ سال تھی اور بعض مورخین آپ کی وفات کا سن (۹۰) ہجری خیال کرتے ہیں۔

امام حسینؑ کی مکہ سے مدینہ روانگی کے باب میں آپ کے بارے میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ جناب عبداللہ اپنی ضعیفی اور ناسازی صحت کے سبب امام کے ہمراہ کربلا نہ جا سکے۔

بھی ترسیم کریں ہرگز عالی نہیں ہوں گے۔ اور درحقیقت کربلا کا سفر اس مخدرہ کے معراج کا وسیلہ اور قرب الٰہی کا سبب تھا اور آپ اس مقام پر پہنچیں کہ جس پر کوئی بھی فائز نہ ہوسکا۔

⑧ آپ کی اپنے بھائی امام حسینؑ سے مؤاسات:

آپ نے تمام حالات میں اپنے بھائی حسینؑ کے ساتھ مواسات کی انتہا کا مظاہرہ کیا آپ مدینہ سے اپنے بھائی کے ساتھ چلیں اور تمام مصائب، غربت، بھوک، پیاس اور اسیری میں بھائی کے ساتھ شریک رہیں۔ اپنے دو بیٹے بھائی پر قربان کئے اور جب کوفہ میں یہ دیکھا کہ امامؑ کے خون آلود سر سے خون ٹپک رہا ہے تو اپنا سر محمل کے اگلے حصے پر مارا گویا اس بات میں بھی مؤاسات کی۔

(مراجع تقلید میں سے ایک گروہ نے قول تاریخ میں بی بی کے اس عمل سے استناد کیا ہے اور اس کو اپنا مستند فقہی حکم قرار دیا ہے)

⑨ آپ کے ہاتھوں حجت خدا کی جان کی حفاظت ہوئی، کہ متعدد مواقع پر آپ نے حضرت سجادؑ کی نگہداری کی۔

اول: جس وقت دشمن کا لشکر خیموں میں داخل ہوگیا، شمر ملعون نے امام سجا کے قتل کا ارادہ کیا تو جناب زینبؑ نے (شدید) تضرع اور بے تابی دکھائی جس کے سبب امام کی جان بچی۔

دوم: جب خیموں کو آگ لگا دی گئی تو وہاں اگر جناب زینبؑ نہ ہوتیں تو ظواہر کے مطابق جناب سجادؑ جل گئے ہوتے۔

سوم: قیدیوں کے مقتل سے گزرنے کے دوران میں یا جب حضرت زینبؑ (شہداء سے) وداع میں مشغول تھیں، اچانک آپ کی نظر پڑی تو سید سجادؑ کو حالتِ اختصار میں پایا کر فرمایا:

مَالِی أَرَاكَ تَجُودُ بِنَفْسِكَ يَا بَقِيَّةَ الْمَاضِينَ

"اے یادگار اجداد! میں آپؑ کی یہ کیا حالت دیکھ رہی ہوں؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ جاں بحق ہونے والے ہیں"

بی بی نے انہیں تسلی دی اور ام ایمن سے مروی حدیث بیان فرمائی۔

چہارم: ابن زیاد کے دربار میں، اس ملعون نے امام سجادؑ سے گفتگو کے بعد حکم دیا کہ امام کو قتل کر دیا جائے۔ اس موقع پر حضرت زینبؑ مانع ہوئیں اور فرمایا: جب تک میں زندہ ہوں اسے قتل نہیں ہونے دوں گی۔

(۱۰) اس مخدرۂ عصمت کے (فصیح و بلیغ) کلمات:

اس مظلومہ سے نہایت فصیح کلمات اور نہایت بلیغ اشعار منقول ہیں، اور آپ نے ایسے ایسے خطبات ارشاد فرمائے کہ معصومینؑ کے علاوہ کوئی بھی اس خطابت سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ جب آپؑ بازار کوفہ میں خطبہ پڑھ رہی تھیں تو یوں محسوس ہوتا تھا گویا علیؑ کی زبان سے بول رہی ہیں۔ آپ نے لوگوں کو چپ ہو جانے کا اشارہ کیا اور ان کے سانس سینوں میں بند کر دیئے اور ہر طرف کامل خاموشی چھا گئی۔ ہم ان خطبات میں سے بعض کو قبل ازیں نقل کر چکے ہیں۔

(۱۱) اس بی بی کے ہاتھوں اسلام کی حفاظت:

قیام کربلا امام حسینؑ کے ہاتھوں شروع ہوا اور جناب زینبؑ کے ہاتھوں پایہ تکمیل پہنچا۔ یعنی وہی برنامہ جو آپ کے بھائی نے:

هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّة

''خواری اور ذلت ہم اہل بیتؑ سے دور ہے''۔

کے جملے کے ساتھ اپنی شہادت کے وقت تک بلند رکھا، عاشور کی عصر سے مدینہ میں ورود تک آپ کی بہن زینبؑ اسے بروئے کار لائی اور اپنی ماں فاطمہ زہراؑ کا حق تربیت ادا کر دیا۔

اگر بازار کوفہ اور محافل شام میں جناب زینبؑ کے یہ (حق گویانہ) کلمات نہ ہوتے تو بنی امیہ بھلا کس طرح اجازت دیتے کہ ان کے بارے میں یہ رسوائیاں، بدبختیاں اور ذلتیں تاریخ اسلام میں رقم ہوتیں۔

حضرت زینبؑ نے اپنے اور دیگر قیدیوں نیز شہدائے کربلا کے تعارف اور واقعات کربلا کو اس طرح بیان فرمایا کہ لوگوں کے آنسو جاری ہوگئے، دل افسردہ ہوگئے اور حق و باطل کی پہچان ہوگئی۔ لوگ اپنے اشتباہ اور طاغوت وقت کے پروپیگنڈہ کے سبب یہ سمجھتے تھے کہ یہ حادثہ

دشمن کے ہاتھوں وجود پذیر ہوا ہے۔ اس طرح سانحہ کربلا اپنی حقیقی صورت میں تاریخ میں ثبت ہو گیا کہ جس کے آثار قیامت تک باقی رہیں گے۔

زینبؑ یزیدیت کی تباہی کا نام ہے

زینبؑ حسینیت کی بقائی کا نام ہے

maablib.org

حضرت زینبؑ کی وفات اور جائے تدفین

وقت نے گواہی دی
جبر کے مقابل میں
صبر کا سبق زینبؑ
مصحفِ شہادت کا
آخری ورق زینبؑ
(افتخار عارف)

مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں: حضرت زینبؑ بنت علیؑ مدینہ میں لوگوں کو حکومت کے خلاف قیام اور خون حسینؑ کے انتقام کے لیے جمع کرتی رہتی تھیں۔

جب عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں قیام کیا اور لوگوں کو خونِ حسینؑ کا بدلہ لینے اور یزید کو حکومت سے ہٹانے کے لیے آواز اٹھائی تو یہ خبر اہلِ مدینہ تک بھی پہنچی، چنانچہ حضرت زینبؑ نے اپنے خطبات سے لوگوں کو اس انتقام کے لیے ابھارا۔

جب یہ خبر عمرو بن سعید (والی مدینہ) کو ملی تو اس نے یزید کو خط لکھا اور اسے صورتحال کی اطلاع دی۔ جس کے جواب میں اس نے کہا کہ لوگوں کو زینبؑ سے دور کر دو۔ لہٰذا حاکم مدینہ کی طرف سے آپ کو مدینہ سے دور کسی اور جگہ سکونت کا حکم صادر ہوا۔

جناب زینبؑ نے فرمایا: خدا ہی جانتا ہے کہ ہم پر کیا گزری۔ ہمارے مردوں کو شہید کر دیا گیا اور ہمیں حیوانوں کی طرح (قید خانے میں) بند کر دیا گیا اور ہمیں اونٹوں پر سوار کر دیا گیا۔ خدا کی قسم میں مدینہ سے نہیں نکلوں گی، چاہے ہمارا (اہل بیتؑ کا) خون بہا دیا جائے۔

زینب بنت عقیل نے عرض کیا: میرے چچا کی بیٹی! ہمارے بارے میں خدا کا وعدہ برحق ہے کہ ہمیں زمین کا وارث بنایا گیا ہے اور جہاں چاہیں سکونت کر سکتے ہیں۔ پس خوش ہو جاؤ اور پرامید ہو کہ جلد ہی خدا ظالموں کو سزا دے گا۔

کیا اس کے بعد آپ دوبارہ ذلت وخواری اور قتل عام چاہتی ہیں؟ شہر امن سے کوچ فرما جائیے۔

اس کے بعد بنی ہاشم کی عورتیں آپ کے گرد اکٹھی ہو گئیں اور ادب و محبت کے ساتھ آپ سے اظہار مواسات کیا (چنانچہ حضرت زینبؑ سفر کے لیے راضی ہو گئیں)

عبداللہ بن ابی رافع کہتا ہے: میں نے محمد ابا القاسم بن علی سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے: جب زینبؑ بنت علیؑ بچوں اور عورتوں کے ہمراہ شام سے مدینہ آئیں تو ان کے اور عمرو بن سعید والی مدینہ کے درمیان اختلاف اور جھگڑا کھڑا ہو گیا۔

اس نے یزید کو خط لکھا اور اسے سیدہ زینبؑ کو مدینہ سے نکال دینے کے حکم کی درخواست کی۔ یزید نے یہ درخواست قبول کر لی اور جناب زینبؑ بنو ہاشم کے کچھ افراد کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہو گئیں، اس وقت رجب میں ابھی چند دن باقی تھے۔

اور امام صادقؑ اپنے والد بزرگوار سے اور وہ حسن بن حسینؑ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب میری پھوپھی زینبؑ مدینہ سے روانہ ہوئیں تو بنو ہاشم کی چند خواتین مثلاً میرے چچا حسینؑ کی صاحبزادیاں فاطمہؑ اور سکینہؑ آپ کے ساتھ تھیں۔

رقیہ بنت عقبہ سے منقول ہے کہ اس نے کہا: میں ان لوگوں میں سے تھی کہ جنہوں نے جناب زینبؑ بنت علیؑ کا مصیبت کربلا کے بعد مصر آنے پر استقبال کیا۔

اور اس موقع پر استقبال کے لیے آنے والوں میں مسلمہ بن مخلد، عبداللہ بن الحارث، ابو عمیرہ مزنی بھی شامل تھے۔ مسلمہ نے بی بی زینب کو تسلی دی اور رو پڑا اور سب نے اس موقع پر گریہ کیا۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا:

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ

"یہ وہی ہے کہ جس کا خداوند متعال نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور پیغمبروں نے سچ کہا ہے"۔ (سورۂ یٰسین، آیہ ۵۲)

اس کے بعد آپ نے محلّہ حمرا کا رخ کیا اور گیارہ ماہ چندرہ دن وہاں قیام فرمایا۔ اس کے بعد وفات پا گئیں اور ہم نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔ مسلمہ بن مخلد نے جامع مسجد میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بعد میں آپ کی وصیت کے مطابق اسی گھر کے ایک کمرہ میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔

زینبؑ بنت علیؑ نے یک شنبہ (اتوار) کے روز ۱۵ رجب سن ۶۲ ہجری کو وفات پائی اور آپ کی نماز جنازہ کے بعد آپ کو عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے باغ کے پاس حمرا قصویٰ میں واقع مسلمہ کے گھر کے ایک حجرے میں دفن کیا گیا۔ (اخبار زینبات منسوب بہ عبیدلی / ۱۱۵ تا ۱۲۲)

عبیدلی کے ہم رائے مصنفین نے علامہ نقدی مصنف "زینب الکبریٰ" کے علاوہ ابن عساکر دمشقی نے اپنی کتاب "تاریخ کبیر" میں، ابن طولون دمشقی "رسالہ زینبیہ" میں شعرانی "لواقع الانوار" (ج ۱ ص ۲۳) میں، شیخ محمد صبان "اسعاف الراغبین" (ص ۱۹۶) میں، شبلنجی، نور الابصار" (ص ۱۶۶) شبراوی "الاتحاف" (ص ۹۳) میں، شیخ حسن عدوی "مشارف الانوار" (ص ۱۰۰) شعرانی کی "انوار قدسیہ" مناوی کی "طبقات" سیوطی کے رسالہ زینبیہ، علامہ اجہوری کے عاشورا پر مسلسل رسالہ کی نقل سے یہ عبارت تحریر کی ہے۔ (زینب الکبریٰ / ۱۲۳)

سید حسن صدر مرحوم کتاب "نزهة اهل الحرمين" میں رقم طراز ہیں: زینب کبریٰ دختر امیر المومنین کہ جن کی کنیت ام کلثوم تھی، کی قبر مطہر اپنے خاوند جناب عبداللہ بن جعفر کے ساتھ دمشق کے باہر ملک شام میں مشہور ہے۔

جس زمانے میں قحط پڑا تھا وہ اپنے خاوند عبداللہ کے ساتھ شام تشریف لائیں۔ یہ عبدالملک مروان کا عہد حکومت تھا۔ کیونکہ جناب عبداللہ کے شام کے باہر کھیت تھے اس لیے وہ

وہاں چلے گئے۔

پس جناب زینبؑ وہاں اس دنیا سے کوچ فرما گئیں اور کسی قریہ میں دفن ہوئیں۔

آپ کی تدفین کی علت میں تحقیق بس یہی ہے اور جو دوسری باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ غلط اور بے اصل ہیں۔ پس اسے غنیمت خیال کرنا چاہیے کہ ایک جماعت اشتباہ میں پڑی ہوتی ہے۔ (نزہۃ اھل الحرمین/ ۳۹' چاپ ہندو ۶۷ چاپ کربلا)

سید ھبۃ الدین کتاب "نھضۃ الحسینؑ" میں لکھتے ہیں: امیر المومنینؑ کی دو بیٹیاں اسی نام کی حامل تھیں کہ ان کا لقب ام کلثوم تھا اور زینب کبریٰ وہ فاتح کربلا ہیں کہ ابن عباس نے ان کی عقیلہ بنی ہاشم سے تمجید و تعریف فرمائی ہے۔

وہ امام حسینؑ کے دو سال بعد جناب فاطمہ زہراءؑ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئیں اور اپنے بھائی کے ساتھ کربلا گئیں اور امام حسینؑ کے خیموں میں قطب دائرہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اور لسان الملک نے "ناسخ" کی مکمل جلد اس مخدرہ کے بارے میں لکھی ہے۔ اور کتاب "خیرات الحسان" وغیرہ میں ہے کہ مدینہ میں قحط پڑ گیا تو عبداللہ اپنے خاندان کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں اپنے ایک باغ میں سکونت فرمائی۔

جناب زینبؑ سفر کی سختی کے سبب یا پھر اہل بیتؑ کو دوران اسیری میں پیش آنے والے غم و اندوہ کو یاد کر کے بیمار ہو گئیں اور نصف رجب سن ۶۵ ھ میں اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ اور وہیں دفن کی گئیں۔ آپ کی قبر مبارک آج تک مشہور ہے۔ (نھضۃ الحسینؑ/ ۹۷)

بعض کا کہنا ہے کہ جو قبر شام میں واقع ہے وہ زینب صغریٰ کی ہے۔ کیونکہ لوح قبر پر اس طرح لکھا ہوا ہے اور زینب کبریٰ نے مصر میں اس دنیا سے رحلت فرمائی اور وہیں دفن ہوئیں۔ ان کی قبر قاہرہ میں مشہور ہے۔ (معالی السبطین: ۲/ ۱۳۴)

علامہ شہرستانی عبیدلی سے منسوب کتاب "اخبار زینبات" پر اعتماد کے سبب معتقد ہیں کہ زینبؑ دختر امیر المومنینؑ "قناطر السباع" مصر میں مدفون ہیں۔ لیکن درعین حال یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ دلائل سے ثابت ہے کہ جناب زینب کبریٰ کی قبر مسلماً شام میں ہے اور زینب صغریٰ

• جنہیں ام کلثوم ثانی کہا جاتا ہے، اور مقام کی موقعیت کے لحاظ سے اس اخبار سے متناسب ہیں وہ مصر کی طرف روانہ ہوئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

اور سنگ مدفن کتبے پر بھی یہی لکھا ہے: قبر زینب الصغریٰ بنت امیر المومنینؑ اور زینب کبریٰ کہ جن کا نام رقیہ تھا سانحہ کربلا سے قبل وفات پا چکی تھیں۔ اور جو زینب واقعہ کربلا میں موجود تھیں وہ ان کی نسبت زینب صغریٰ تھیں۔ لیکن بعد میں زینب کبریٰ کے نام سے مشہور ہوگئیں۔ انہوں نے شام میں وفات پائی اور تاریخ وفات یک شنبہ کی رات پندرہ (۱۵) رجب سن باسٹھ (۶۲) ہجری تھی۔

اور ہم نے تہران میں علامہ سید ھبۃ الدین شہرستانی سے ملاقات کی تو انہوں نے بھی اس نظریہ کی تائید فرمائی۔ حتیٰ کہ بیان کیا کہ اگر تردید کرتے ہو تو اس بارے میں کوئی قول نقل کرو۔

ظاہر ہے کہ یہ مطالب علمائے اسلام کی تصدیق کا مورد ہیں اور ہمیں بھی اس نظریہ پر یقین ہوگیا جس کا تکرار کر رہے ہیں۔

(۱) جناب فاطمہ زہراؑ کی بڑی بیٹی رقیہؑ کی قبر بر بنائے صحت بقیع میں واقع ہے۔ انہی کا نام زینب تھا اور کنیت ام کلثوم تھی۔

(۲) جناب زینب کبریٰ جن کی کنیت ام کلثوم تھی جو پہلے زینب صغریٰ کہلاتی تھیں اور بعد میں زینب کبریٰ کے نام سے مشہور ہوگئیں کی قبر شام کے باہر واقع ہے، اور قدیم سنگ مزار پر زینب الصغریٰ مرقوم ہے۔ آپ سات ماہ مدینہ میں رہیں اور وہاں سے شام مراجعت فرمائی اور وہیں دفن ہوئیں۔

(۳) جناب زینب صغریٰ کہ جو صہباء تغلبیہ سے تھیں کی قبر قناطر السباع مصر میں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ (زینب کبریٰ عماد زادہ/ ۲۹۹ تا ۳۰۲)

مؤلف کا کہنا ہے: لازمی ہے کہ اس ہستی کے بارے میں تمام نقطہ ہائے نظر سامنے رکھے جائیں۔

الف: یہ کہ جناب فاطمہ زہراؑ کی ایک رقیہ نامی بیٹی جناب زینب الکبریٰ سے بڑی تھیں حدیث کی کتابوں اور تراجم میں ان کا تذکرہ نادر ہے وجہ یہ ہے کہ وہ بے اولاد تھیں۔

ب: عبیدلی کے کلام کی توجیہ یہ ہے کہ زینب دختر صہبا ثعلبیہ کا مصر میں ہونا خلاف ظاہر ہے اور یہ عبیدلی کی عبارت پر منطبق نہیں ہوتا۔

ج: اگر انہوں نے زینبیات عبیدلی کی عبارت کے مطابق زینب کو زینب صغریٰ سمجھا ہے تو پھر ان کی تاریخ وفات کو زینب کبریٰ کے لیے کیوں لائے ہیں۔ معمولاً جناب زینب کبریٰ کا سال وفات عبیدلی کی پیروی میں ۶۲ ھ لکھا جاتا ہے اور یہ زینب کبریٰ کے شام میں ہونے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں کہ قحط کے سال میں جناب زینب الکبریٰ نے شام کی طرف سفر کیا اور یہ عبدالملک مروان کی حکومت کا واقعہ ہے جو سن پینسٹھ (۶۵) ہجری میں تھی، لہٰذا انہوں نے سن باسٹھ (۶۲) میں کس طرح وفات پائی۔

بلکہ جناب زینب کبریٰ کی وفات سن ۶۵ ہجری قمری میں ہوئی۔ جیسا کہ "خیرات الحسنات" میں گزرا ہے اور مرحوم محمد جواد مغنیہ نے پندرہ رجب سن ۶۵ ھ کو اختیار کیا ہے۔ (الحسین وبطلۃ کربلا/ ۲۳۸، خاتون دوسرا/ ۲۴۷)

اس کے جواب میں حقیقت یہ ہے کہ عبیدلی کی کتاب دلائل کے لحاظ سے درجہ اعتبار سے ساقط ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے جن میں سے کچھ پہلوؤں کا تذکرہ بعد کے صفحات میں کیا جائے گا اور ضعف کتاب اس کے مصنف سے پوشیدہ نہیں ہے۔ (کتاب مرقد العقیلۃ/ ۷۵ تا ۱۰۱ سے رجوع کریں)

اور مرحوم آیت اللہ مرعشی نجفی کہ جو اس کتاب کی تصحیح کرنا چاہتے تھے، آواخر سے ان کی نظر مبارک برگشتہ ہوگئی۔

اور یہ کہ شام میں بی بی کی قبر پر زینب صغریٰ لکھا ہونا، ممکن ہے کہ عبیدلی کی اسی کتاب سے مستفاد ہو۔ اور نوپسندہ معتقد ہے کہ حضرت زینب کبریٰ مصر میں مدفون ہیں۔ مرحوم خیابانی لکھتے ہیں: اہل خبر اور اصحاب سیر نے جناب زینب کبریٰ کی قبر منور کی تحقیق میں اختلاف کیا ہے،

اور اسے تین جگہوں سے نسبت دی ہے۔ لیکن ان میں سے صحیح یہی ہے کہ شام کے قریہ میں زینبیہ کے نام سے آپ کی قبر معروف ہے۔

اعتماد السلطنت مرحوم "خیرات الحسان" میں لکھتے ہیں: جناب زینبؑ کی قبر صحیح روایات کی بنا پر شام کے ایک قریہ میں ہے اور بعض اتباع کرنے والے اہلِ خبر اس بارے میں کہتے ہیں: ایک سال مدینہ میں قحط پڑا تو عبداللہ بن جعفر اپنی زوجہ حضرت زینبؑ کے ساتھ شام کی طرف چلے گئے تاکہ اس مصیبت کے ٹل جانے کے بعد واپس آ جائیں۔

اس موضع اور قریہ میں توقف کے ایام میں، کہ جہاں حضرت زینب کا مزار ہے۔ آپ کی طبیعت خراب ہوگئی اور مزاج میں استقامت نہ رہی۔ اسی مرض سے آپ وفات پا گئیں اور آپؑ کو وہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس امر کا مؤید شیخ عباس قمی کا کلام ہے "ہدیۃ الزائر" میں کہتے ہیں اگر ہم کہیں کہ یہ مزار شام میں ہے تو یہ حضرت زینب الکبریٰ کا مزار ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان مطالب پر اعتماد کریں کہ جو متتبعین میں سے کچھ اہل خبر نے لکھے ہیں اور مجھ حقیر نے اپنے شیخ بزرگوار مرحوم نوری سے جو سنا ہے اس کا ماحصل یہ ہے:

مدینہ میں قحط پڑا اور وبا پھوٹ پڑی تو عبداللہ بن جعفر اپنے اہل و عیال کے ہمراہ شام کی طرف چلے گئے تاکہ وہاں سکونت اختیار کریں۔ اس دوران میں اس جگہ جہاں اب حضرت زینبؑ کا مزار ہے، بی بی کے مزاج عصمت امتزاج میں استقامت نہ رہی اور اسی تکلیف سے آپ رحلت فرما گئیں اور آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ اہل بیتؑ کو دوبارہ قیدی بنا کر شام لایا گیا اور شام کے اس دوسری بار کے سفر میں آپ کی وفات ہوئی تو یہ بات درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ (وقائع الایام خیابانی/۳۱۰)

مؤلف کہتا ہے: اس میں کچھ شک نہیں کہ شام اور مصر میں دو زینب مدفون ہیں، اختلاف تو صرف اس بات میں ہے کہ آیا زینب کبریٰ شام میں ہیں یا مصر میں اور ظاہراً اختلاف کی علت

یہ ہے کہ آنحضرت کی دونوں بیٹیوں زینب اور ام کلثوم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ اختلاف دونوں کے نام ایک جیسے ہونے کے سبب ہے۔

مؤرخین کے نظریات مختلف ہیں لیکن مجموعی طور پر جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کی بڑی بیٹی زینب کبریٰ" جو عبداللہ بن جعفر کی زوجہ تھیں شام میں مدفون ہیں اور زینب صغریٰ کہ جو احتمالاً امیر المومنینؑ کی چھوٹی بیٹی ہیں وہ مصر میں مدفون ہیں۔ البتہ مصر میں مدفون زینب کے بارے میں اور اقوال بھی ہیں۔

اس قول کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

① وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ جناب زینبؑ شام میں آئیں اور بیمار ہوگئیں اور پھر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں وہ تصریح کرتے ہیں کہ ان کے ہمسر عبداللہ بن جعفر تھے کہ جنہوں نے قحط یا طاعون کے سبب شام کی طرف سفر کیا اور یہ بات زینب صغریٰ پر منطبق نہیں ہوتی۔

دوسری عبارت کے مطابق: ''اخبار زینبات'' کی عبارت میں زینب حضرت علی کی بیٹی ہے جن پر ہر دو زینب کا اطلاق ہوتا ہے لیکن ان لوگوں کی عبارت میں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ جناب زینبؑ شام آئیں' یہ تصریح موجود ہے کہ اس بی بی کے ہمسر عبداللہ بن جعفر ہیں اور عبداللہ بن جعفر زینب کبریٰؑ کے شوہر تھے۔

② ''اخبار زینبات'' کی عبارت میں اس طرح ہے کہ حضرت زینبؑ نے یزید کے خلاف قیام کیا۔ یہ بات زینب کبریٰؑ کے بارے میں نہیں ہوسکتی چونکہ جناب سجادؑ قضیہ عاشور کے بعد تقیہ کی مراعات کو لازمی سمجھتے تھے۔ اور اس کی تائید واقعہ حرہ سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے گھر کو محل امن قرار دینے میں کوئی بھی معترض نہ تھا اور آپ کی پیروی میں دوسروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ چنانچہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جناب زینبؑ اس عظمت و بزرگواری اور امامؑ سے اپنے قرب کے باوجود امام زمانہ کے خلاف منشا ایسا کریں۔

③ ''اخبار زینبات'' عبیدلی کے قول کے مقابلے میں دیگر معتبر اقوال بھی ہیں کہ جناب زینب کبریٰؑ نے شام میں وفات پائی۔ مثلاً کامل بہائی وغیرہ میں شیخ بہائی کی روایت وغیرہ۔

معمولاً جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جناب زینب کبریٰ کی قبر مصر میں ہے ان کا مدرک عبیدلی ہی ہے۔

۳ کتاب اخبار زینبات کی اسناد قابلِ خدشہ ہیں اور ان کا ضعف اہلِ تحقیق پر واضح ہے۔ اور ہم یہاں اس کے ضعف کے بارے میں کچھ نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف: اصولاً جن لوگوں نے کتاب ''اخبار زینبات'' کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اسے عبیدلی نسابہ کی تالیفات میں سے سمجھتے ہیں اور وہ بغیر تردید کے موردِ اعتماد و استناد ہے۔ (عبیدلی نسابہ یحییٰ بن حسن بن جعفر بن عبداللہ بن امام سجادؑ تھے جن کی وفات (۲۷۰) ہجری میں ہوئی) لیکن بہت تحقیق کے بعد معلوم ہوا ہے کہ یہ کتاب ابو علی محمد بن اسعد حسینی عبیدلی مصری، متوفی ۵۸۸ھ کی تالیفات میں سے ہے۔ (النجوم الزاہرا: ۶/119)

اس مفہوم کے شواہد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آثار مؤلف میں سے ایک کتاب ''الرد علی اولی الرفض والمکر'' بھی ہے اور اس میں نقل کردہ مطلب سن چار سو (۴۰۰) ہجری اور کچھ سے مربوط ہے۔ جیسا کہ ابن زیارت نے اس سے روایت کی ہے۔ (الکواکب السیارۃ/۸۹) اس بیان کے پیشِ نظر کتاب ہذا کا مؤلف عبیدلی نسابہ نہیں ہو سکتا کہ جس کی وفات ۲۷۰ ہجری میں ہو گئی تھی۔

ب: کتاب ''اخبار زینبات'' (صفحہ ۱۱۵ تا ۱۲۱) میں حضرت زینب کبریٰ کے بارے میں چھے احادیث نقل کی گئی ہیں۔ ان چھے حدیثوں میں گیارہ مجہول راوی موجود ہیں کہ ان میں سے کسی کا نام و مقام کتبِ رجال میں نہیں ملتا۔

(اس مطلب کی شرح کے لیے کتاب مرقد العقیلہ کے ص ۸۵ سے رجوع کیا جائے)

ج: اس کتاب میں جو عبارت عبداللہ بن عبدالرحمن سے نقل کی گئی ہے وہ سفید جھوٹ ہے اور جو کچھ بی بی زینبؑ کی سیرت کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہے، یہ اس کے خلاف ہے۔ (اخبار زینبات/۱۲۰)

(د) اس کتاب میں ہے کہ ''مسلمہ بن مخلد'' نے بی بی کا استقبال کیا اور اپنے گھر میں جگہ دی اور

سرانجام آپ کے جسد اطہر پر نماز (جنازہ) پڑھائی۔ حالانکہ مسلمہ اہل بیتؑ کے قسم خوردہ دشمنوں میں سے تھا اور تحقیق سے ثابت ہے کہ وہ عہد معاویہ ہی میں مر گیا تھا۔ (الکواکب السیارۃ/۱۹)

⑤ یہ بہت تعجب کا مقام ہے کہ (عبیدلی کے کہنے کے مطابق) اس مظلومہ کو مکہ و مدینہ سے نکال دیا گیا تھا اور انہوں نے شہر مصر میں سکونت اختیار کی۔ چونکہ مورخین کے کہنے کے مطابق اس زمانے میں تمام مصر عثمانی الرائے اور یزید کا پیرو تھا۔

⑥ اس بات پر کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ مخدرۂ عصمت مصر میں مسلمہ بن مخلد کے پاس پہنچی ہوں۔ جبکہ اس کے ناصبی ہونے کی شہرت کفر ابلیس کی طرح ہے۔ عثمان کے قتل کے بعد اس نے امیر المومنینؑ کی بیعت نہ کی اور آپ کی شہادت تک آپ سے منحرف رہا۔

ابن حجر اپنے ترجم میں لکھتے ہیں: وہ معاویہ اور یزید کی طرف سے مصر کا والی تھا۔ (الاصابہ:۶/۹۸)

اور ابن الحدید نے تصریح کی ہے کہ اس نے حضرت علیؑ کی بیعت نہ کی، اور سبط ابن جوزی اور دوسروں نے بھی یہی کہا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ:۴/۹، تذکرۃ الخواص/۶۱)

مگر یہ کہ ہم کہیں کہ انہوں نے تقیہ فرمایا یا اس مخدرہ کو مجبور کیا گیا کہ اس پلید کے پاس جائیں، اور یہ بات عبیدلی کی ''اخبار زینبیات'' کے ظاہر کے خلاف ہے۔

⑦ عبداللہ جعفر اور معاویہ و یزید کے درمیان ارتباط و پیوند تھا اور بعض نے لکھا ہے کہ اسیری کے واقعہ کے بعد (یزید) ملعون جناب عبداللہ سے شرمسار ہوا اور ہر ممکن اصرار کیا کہ حضرت زینب کو رقم اور جواہرات کے وسیلہ سے راضی کیا جائے مگر وہ نہ مانیں اور فرمایا: یزید! میرے بھائی کے خون کا ازالہ ممکن نہیں'' اور یہ بعید ہے کہ یزید ملعون نے دوبارہ بی بی زینب کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا ہو۔

⑧ مورخین کے اتفاق کے مطابق عبداللہ بن جعفر نے مصر کا سفر ہی نہیں کیا اور یہ بات بھی بعید از قیاس ہے کہ جناب عبداللہ بی بی زینبؑ اور دیگر اہل بیتؑ سے جو انس رکھتے تھے اس

کے باوجود انہیں اکیلا چھوڑ دیا اور ان کے ہمراہ روانہ نہ ہوئے مگر اس کے برعکس عبداللہ کا شام کے قریب ایک باغ تھا' حتیٰ کہ شام میں ایک قبر بھی آپ سے منسوب ہے۔

اور جناب زینب کے شام میں مدفون ہونے کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ داستان ہے۔

معروف واعظ دانش مند محترم آقائے سقازادہ نقل کرتے ہیں کہ آیت اللہ آخوند ملا علی معصومی ہمدانی نے حقیر کو حضرت زینبؑ کے مدفن کے بارے میں جواب دیتے ہوئے فرمایا: مرحوم آیت اللہ آقا ضیاء الدین عراقی فرماتے ہیں: شہر قطیف حجاز کا ایک شیعہ امام رضا کی زیارت کے قصد سے روانہ ہوا راستے میں آمد و رفت کے اخراجات کی رقم گم کر بیٹھا۔ چنانچہ اس نے بقیۃ اللہ الاعظم حضرت حجۃ ابن الحسن روحی وارواح العالمین لہ الفداء سے توسل کیا۔

اس حالت میں دیکھا کہ ایک نورانی اور جلیل القدر سید آپ کے ہمراہ تھے اور فرماتے تھے: یہ پیسے پکڑو اور سامرا پہنچو۔ وہاں ہمارے وکیل حاج میرزا حسن شیرازی (کہ جو مشہور علماء میں سے ہیں) کے پاس جانا اور کہنا:

سید مہدی نے کہا ہے: میری جو رقم تمہارے پاس ہے اس میں سے اتنی مقدار تمہیں دے دیں، تاکہ تم میرے جد علی بن موسیٰ الرضاؑ کی زیارت کے لیے جا سکو۔

کہتے ہیں کہ میں پہچان نہ سکا کہ یہ بزرگوار کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے عرض کیا: جب میں آیت اللہ شیرازی سے کہوں: سید مہدی نے کہا ہے' تو اگر وہ پوچھیں کہ مہدی کون ہے اور تمہارے پاس اس کی کیا نشانی اور تحریر ہے تو میں کیا کہوں؟

فرمایا: آقا شیرازی سے کہنا: سید مہدی نے کہا ہے: اس نشانی کے ساتھ کہ اس سال موسم تابستان میں آپ ملا علی کنی تہرانی کے ہمراہ شام میں میری پھوپھی زینب کبریٰ کے حرم پر حاضری سے مشرف ہوئے۔ زواروں کی کثرت اور ہجوم کے سبب حرم میں آشغال (کچرا) بکھرا پڑا تھا۔ آپ نے اپنے دوش سے عبا اتاری اور ہاتھ میں اکٹھی کر کے اس کے ذریعے حرم کو صاف کیا اور آشغال حرم کے ایک کونے میں اکٹھا کر دیا۔ اور حاج ملا علی کنی نے اپنے ہاتھوں

سے آشغال کو اٹھایا اور باہر لے گئے اس وقت میں وہیں تھا۔

قطیفی کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے اپنے آپ سے کہا: شاید یہ امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ہوں۔ اسی دوران میں ایک نور نے ان کا احاطہ کرلیا اور وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔

جس وقت میں سامرا میں آیت اللہ حاج میرزا حسن شیرازی کی خدمت میں پہنچا اور یہ واقعہ بیان کیا تو وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھے، میری گردن میں ہاتھ ڈالے اور میری آنکھوں کو چوما اور مبارک باد دی۔

اور تہران میں میں نے آیت اللہ ملا علی کنی کی خدمت میں پہنچ کر اس بات کی تصدیق کی لیکن دل ہی دل میں حیران تھا کہ آنحضرت نے ان کی طرف حوالہ کیوں نہیں دیا۔ (مقدمہ کتاب خصائص الزینبیہ)

حضرت زینبؑ کے چند مصائب کا تذکرہ

یہی عزم مسلسل بس محافظ ہے امامت کا
بچا لی زندگیٔ عابدِ بیمار زینبؑ نے
نمازِ شب پڑھی شامِ غریباں کے اندھیرے میں
کیا سجدوں سے دشتِ کربلا ضوبار زینبؑ نے
زباں پر شکرِ خالق ہے نہیں حرفِ شکایت ہے
نسیم اتنا بڑھایا صبر کا معیار زینبؑ نے
(عباس بہادر نسیم لکھنوی)

(۱) آپ کے بھائی (امام حسینؑ) سے حر کی گفتگو اور امام کو وہاں رکھنے پر مجبور کرنا۔

(۲) بھائی کے اصحاب اور ساتھیوں کی قلت اور دشمن کے لشکر کی کثرت۔

(۳) امام حسینؑ کے ہمراہ آنے والے کچھ لوگوں کا جناب مسلم کی شہادت کی خبر سن کر منتشر ہو جانا۔

(۴) خواتین جب کربلا پہنچیں تو خوفزدہ اور پریشان حال تھیں۔

(۵) بی بی کا اہل بیتؑ کے ہمراہ پیاسا ہونا اور پانی لانے پر پابندی۔

(۶) پیاس سے بلکتے ہوئے بچوں کو حوصلہ دینا۔

(۷) امامؑ کے چہرے پر نگاہ کرنا اور دیکھنا کہ آپ افسردہ ہیں۔

(۸) بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں، چچا کے بیٹوں اور مددگاروں کا میدان میں جانا اور قتل ہو جانا۔

(۹) آپ کے دو فرزندوں عونؑ ومحمدؑ کی شہادت۔

(۱۰) آپ کے بھائی امام حسینؑ کا تنہا رہ جانا اور دشمنوں کا انہیں گھیر لینا۔

(۱۱) ذوالجناح کا امامؑ کے بغیر خیموں کی طرف آنا۔

(۱۲) نشیب مقتل میں شمر ملعون کو بھائی کے سینے پر سوار دیکھنا

(۱۳) بھائی کا سر نیزے پر سوار دیکھنا

(۱۴) خیام کی غارت گری لوٹ مار اور بچوں کا خوفزدہ ہونا۔

(۱۵) لشکر کا خیام کو جلانے کے لیے آگے بڑھنا اور کہنا:

اِحْرِقُوْا بُیُوْتَ الظَّالِمِیْنَ ظالموں کے گھروں کو جلا دو۔

(۱۶) آگ لگ جانے کے بعد بچوں کا بیابان میں بھٹک جانا۔

(۱۷) مقتل سے گزرنا اور بھائی کے جسد مطہر کو زمین پر پڑے ہوئے دیکھنا۔

(۱۸) بچوں اور بیبیوں کو اونٹوں پر سوار کرانا۔

(۱۹) سخت بیماری اور ناتوانی میں امام سجادؑ کا خیال رکھنا۔

(۲۰) امام سجادؑ کے پاؤں کا اونٹ کے نچلے حصے کے ساتھ باندھا جانا۔

(۲۱) بچوں اور بیبیوں کو قیدی بنا کر لے جایا جانا۔

(۲۲) بچوں اور بیبیوں کو تازیانے مارے جانا۔

(۲۳) دشمنوں کی شماتت۔

(۲۴) طشت میں بھائی کے سر کو دیکھنا' جب لب ہائے مبارک پر چھڑی ماری جا رہی تھی۔

(۲۵) دربار یزید میں پیشی اور اس ملعون سے گفتگو۔

(۲۶) جناب رقیہ کی شہادت

(۲۷) ایام اسیری میں اپنی اور دوسری بیبیوں کی بھوک اور پیاس

(۲۸) مدینہ میں ورود اور رسول خدا، ماں فاطمہ زہراؑ، بھائی حسنؑ اور بی بی ام البنینؑ کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دینا۔

(خاتون دوسرا/ ۱۹۶ سے ماخوذ کچھ موارد)

آسمان پر مجلسِ عزاء اور ملائکہ کا گریہ

عالم جلیل آیت اللہ بیرجندی مرحوم مؤلف ''کبریت احمر'' اپنی کشکول کتاب ''سفینۃ القماش'' میں لکھتے ہیں:

جس زمانے میں مَیں عتبات مقدسہ میں تحصیل علم میں مشغول تھا سادات میں سے ایک شخص وہاں مشغولِ زیارت تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک ترک زوار سر مبارک کی طرف قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہے۔ وہ اپنے آپ سے کہنے لگا: کیا یہ سزاوار ہے کہ تمام لوگ تو تمہارے جد (رسول اکرمؐ) پر اتری ہوئی کتاب کی تلاوت کریں اور تم اس کے فیوض سے بہرہ مند نہ ہو۔ لہٰذا وہ (سید) اپنے اوقات میں سے کچھ وقت سقائی میں اور کچھ علم حاصل کرنے کے لیے صرف کرنے لگا۔ اور اپنے آباؤ اجداد کی برکات سے اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں علمی ترقی حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ آیت اللہ میرزا محمد حسن شیرازی صاحب کے درس میں حاضر ہونے لگا۔ بلکہ یہ احتمال تھا کہ وہ سید بزرگوار درجۂ اجتہاد پر فائز ہو چکے ہیں اور موصوف اپنے طہارت وتقویٰ اور کثرت عبادت کے سبب بھی معروف ہو گئے۔

ایک دن انہوں نے ہمیں بتایا کہ میں نے عالم رؤیا میں حضرت حجت ابن الحسن عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کو دیکھا کہ انتہائی آشفتہ حال تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا' سلام کیا اور آپ کے حال کے بارے میں سوال کیا!

فرمایا: جان لو کہ آج کے دن میری پھوپھی زینبؑ نے رحلت فرمائی تھی۔ ہر سال اس مخدرہ کی وفات کے روز ملائکہ آسمان پر مجلس عزاء برپا کرتے اور گریہ کرتے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا تھا تا کہ انہیں چپ کرا سکوں۔ آج میری پھوپھی زینبؑ کا روزِ وفات تھا اور میں ابھی اس

مجلس ہی سے آرہا ہوں۔

اور اس دن مرحوم سید اعلی اللہ مقامہ نے نہایت افسوس سے ہمیں یہ واقعہ بیان فرمایا:
(خصائص الزینبیہ/ ۲۱/خصیصہ ۱۶)

اور اہل بیتؑ کی اسیری کے باب میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے حالتِ خواب میں بقیۃ اللہ الاعظم ارواحنا فداہ سے گریہ کرتے ہوئے لَاَبْكِيَنَّ لَكَ بِدَلَ الدُّمُوْعِ دَمًا کے بارے میں سوال کیا۔

حضرتؑ نے فرمایا: جنابِ زینبؑ کی اسیری کی مصیبت کو یاد کر کے میں ہمیشہ خون کے آنسو روتا رہتا ہوں۔

اولادِ حضرت زینبؑ

جہاں میں ہر وہ لشکر زینبیؑ ہے
جسے یادِ حسینؑ دم بہ دم ہے
(جامِ بقا)

جناب زینب کے عبداللہ بن جعفر سے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ جن کے نام علی، عون، عباس، محمد اور ام کلثوم تھے۔ (منتخب التواریخ/ ۱۱۳)

علامہ نقدی مرحوم لکھتے ہیں: تاریخ الخمیس میں آتا ہے حضرت زینب کی عبداللہ بن جعفر سے یہ اولاد تھی: علی، عون، اکبر، عباس، اور ام کلثوم۔ (تاریخ الخمیس: ۲/ ۳۱۷)

اور نووی نے ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں جعفر اکبر کا ذکر کیا ہے۔ (زینب الکبریٰ/ ۱۴۸)

اور سبط ابن جوزی نے ''تذکرۃ الخواص'' میں عونؑ اور عبداللہ نام بتائے ہیں۔ (تذکرۃ الخواص/ ۲۸۸)

اور جنابِ علیؑ کی نسل سے جو ''زینبی'' مشہور ہیں بہت زیادہ تعداد میں اولاد پیدا ہوئی کہ سیوطی نے ''رسالۂ زینبیہ'' انہی کے بارے میں لکھا ہے۔ (الحاوی للفتاوی: ۲/ ۳۱ تا ۳۴)

جناب زینبؑ کے دو بیٹے جن کے نام عونؑ و محمدؑ تھے کربلا میں شہید ہوئے۔

محمدؑ نے دس افراد کو ہلاک کیا اور آخر کار عامر بن تمیمی کے ہاتھوں شہید ہوئے، اور عون تین سواروں اور اٹھارہ پیادوں کو واصلِ جہنم کر کے عبداللہ بن قطنہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ (منتہی الآمال ۱/ ۳۷۷، بحار الانوار: ۴۵/ ۳۴)

جنابِ عونؑ کی قبر کربلا میں مشہور ہے جو ایک گنبد اور بارگاہ پر مشتمل ہے۔

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں آتا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلٰى عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ الطَّيَّارِ فِى الْجِنَانِ ، حَلِيْفِ الْإِيْمَانِ ، وَمُنَازِلِ الْأَقْرَانِ النَّاصِحِ لِلرَّحْمٰنِ ، التَّالِيْ لِلْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنِ لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَهُ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ قُطْبَةِ النَّبْهَانِيْ اَلسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ ، الشَّاهِدِ مَكَانَ اَبِيْهِ وَالتَّالِيْ لِاَخِيْهِ وَوَاقِيْهِ بِبَدَنِهٖ لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَهُ عَامِرَ بْنَ نَهْشَلِ التَّمِيْمِيَّ"

"عون فرزند عبداللہ ابن جعفر طیار پر سلام کہ جو بہشت میں پرواز کرتے ہیں، وہ اہلِ ایمان کے حلیف، جنگجوؤں کے حریف، خداوند رحمان کی طرف سے نصیحت کرنے والے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے تھے، خدا ان کے قاتل عبداللہ بن قطبہ پر لعنت کرے۔ محمد ابن عبداللہ بن جعفر پر درود کہ جو اپنے باپ کی جگہ (کربلا میں) موجود تھے۔ اور بھائی کے نقش قدم پر چلنے والے اور اپنے جسم سے بھائی کی حمایت کرنے والے ہیں۔ ان کے قاتل عامر ابن نہشل تمیمی پر اللہ کی لعنت ہو۔ (بحارالانوار: ۶۸/۴۵)

☆ جناب عبداللہ کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ وہ خود کربلا میں حاضر ہونے کے قابل نہ تھے چنانچہ اپنے دو فرزندوں کو بھیجا اور سانحہ کربلا کے بعد کہا:

"اگر مجھ میں امام حسینؑ پر اپنی جان فدا کرنے کی طاقت نہیں تھی تو میں نے اپنے دو نورِ چشم ان پر قربان کر دیئے"۔ (فرسان الهيجاء: ۲۰/۲)

جنابِ سکینہ علیہا السلام

شمر بدگوہر سکینہؑ کو طمانچے مار کر
سر سے مقنع لے گیا کانوں سے گوہر لے گیا
(مولانا مصطفیٰ جوہر)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بی بی سکینہؑ کے بارے میں بات کرتے ہوئے جو کمی رہ گئی ہے اس کا تذکرہ یہاں کر دیا جائے:

محدث قمی مرحوم لکھتے ہیں: امام حسینؑ کی بیٹی سکینہ کا نام آمنہ اور ایک قول کے مطابق مینہ تھا۔ آپ کی والدہ رباب بنت امراء القیس بن عدی تھیں، جو کہ بکسر بن وائل کے رئیس اور مذہباً نصرانی تھے۔ آپ عمر کے عہد میں مسلمان ہوئے اور ابھی نماز نہ پڑھی تھی کہ عمر نے ناحیہ کی ولایت ان کو دے دی اور حضرت علیؑ نے ان کی بیٹی رباب کی امام حسینؑ کے لئے خواستگاری کی، جو انہوں نے قبول کی۔ جناب عبداللہ (علی اصغرؑ) اور شہزادی سکینہؑ انہی سے پیدا ہوئے۔

امام حسینؑ جناب سکینہ اور ان کی ماں کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَعَمْرُكَ اِنَّنِيْ لَاُحِبُّ دَارًا
تَكُوْنُ بِهَا سَكِيْنَةُ وَالرَّبَابُ
اُحِبُّهُمَا وَاَبْذِلُ جُلَّ مَالِيْ
وَلَيْسَ لِعَاتِبٍ عِنْدِيْ عِتَابُ
فَلَسْتُ لَهُمْ وَاِنْ عَابُوْا مُطِيْعًا
حَيَاتِيْ اَوْ يُغَيِّبَنِيْ التُّرَابُ

"مجھے تمہاری جان کی قسم! یقیناً جس گھر میں سکینہؑ اور ربابؑ ہوں میں اس گھر سے محبت کرتا ہوں۔

ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں اور اپنا بیشتر مال ان دونوں کے لئے خرچ کرتا ہوں اور ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہیں کرتا۔

اگر ملامت کرنے والے مجھے سرزنش کریں تو میں جب تک زندہ ہوں ان کی پیروی نہیں کروں گا جب تک کہ زمین مجھے اپنے اندر نہ چھپائے"۔

(نفس المہموم / ۵۲۷)

جناب ربابؑ اور آپ کے باپ کی بعض خصوصیات جناب علی اصغرؑ کے باب میں گزر چکی ہیں۔ ابن تمیہ سے جناب سکینہؑ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کہتا ہے:

آپ نیک سیرت، بزرگواری، سخاوت کی فراوانی اور عقل کامل کی حامل تھیں۔

"حبیب السیر" میں ہے کہ آپ کو عقیلہ قریش کہا جاتا ہے۔ اور آپ فصاحت و بلاغت کی کثرت مہارت سے بہرہ مند تھیں۔

اس مخدرہ کے فضائل میں یہی کافی ہے کہ سیدالشہداءؑ نے آپ کو "یا خیرۃ النسوان" اے بہترین زناں، کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ چنانچہ "منتخب" میں منقول ہے کہ روزِ عاشور سکینہؑ فریاد کرتی ہوئی اپنے بابا کی طرف آئیں اور امامؑ اسے بہت دوست رکھتے تھے۔

آپ نے سکینہؑ کو اپنے سینے سے لگالیا اور اپنے دامن سے ان کے آنسو صاف کیے اور فرمایا:

فَاِذَا قُتِلْتُ فَاَنْتِ اَوْلٰی بِالَّذِیْ

تَاْتِیْنَہٗ یَا خَیْرَۃَ النِّسْوَانِ

بقیہ تمام اشعار سیدالشہداؑ کے وداع میں نقل کیے جا چکے ہیں۔

(منتخب التواریخ / ۲۳۵)

حدیث میں آتا ہے کہ حسن مثنیٰ ابن امام حسنؑ اپنے چچا امام حسینؑ کے پاس آئے اور آپ

کی دو بیٹیوں فاطمہؑ اور سکینہؑ میں سے ایک کی خواستگاری کی۔

امامؑ نے فرمایا: میں نے تمہارے لئے فاطمہ کا انتخاب کیا ہے کیونکہ یہ میری ماں فاطمہؑ بنت رسولؐ خدا سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ دین داری میں رات کو تہجد پڑھنے والی اور دن کو روزہ رکھنے والی ہے۔ اور خوب صورتی میں حور العین کی طرح ہے لیکن سکینہؑ :

فَغَالَبَ عَلَيۡهَا الۡاِسۡتِغۡرَاقُ مَعَ اللّٰهِ فَلَا تَصۡلَحُ لِرَجُلٍ

''کسی مرد کے ساتھ زندگی گزارنے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ وہ مجذوب حق تعالیٰ ہے''۔ (السیدہ سکینہ/۳۳، اسعاف الراغبین/۲۰۲)

شبلنجی شافعی ''نور الابصار فی مناقب آل النبی المختار'' میں لکھتے ہیں: سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جمال وادب اور فصاحت میں عظیم مرتبہ پر فائز تھیں۔ (وقائع الایام خیابانی/۲۹۰)

ایک سفر کے دوران میں جب حضرت سجادؑ حج اور عمرہ کے ارادہ سے جا رہے تھے جب آپؑ مدینہ سے باہر گئے تو جناب سکینہؑ نے ہزار طلائی دینار کی ایک تھیلی آپ کی خدمت میں ارسال کی۔ امام نے اپنے خادموں سے فرمایا: اس تھیلی کو غریبوں میں تقسیم کردو۔ (تمقام زخار: ۲/۶۵۸)

شیعوں کی فضیلت میں حدیث حضرت سکینہؑ

ابو محمد جعفر بن احمد قمی شیخ صدوقؒ کے معاصر جو ''ابن رازی'' کے نام سے مشہور ہیں، نے کتاب ''المسلسلات'' میں اپنے سلسلۂ اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ سے فاطمہ دختر امام رضاؑ سے، وہ فاطمہ، زینب اور ام کلثوم دختران موسیٰ بن جعفرؑ سے، وہ فاطمہ دختر امام صادقؑ سے، وہ فاطمہ دختر امام محمد باقرؑ سے، وہ فاطمہ دختر امام سجادؑ سے، وہ فاطمہ وسکینہ دختران امام حسینؑ سے اور وہ ام کلثوم دختر امیر المومنینؑ سے اور وہ جناب فاطمہ زہراؑ سے نقل کرتی ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: شب معراج مجھے جب آسمان پر لے جایا گیا تو میں بہشت میں داخل ہوا۔ وہاں سفید موتی کا بنا ہوا ایک محل دیکھا...... اس کی بلندی پر لکھا ہوا تھا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ، عَلِيٌّ وَلِيُّ الۡقَوۡمِ

اور پردہ کے اوپر لکھا ہوا تھا:

بَخٍ بَخٍ، مَنْ مِثْلُ شِیْعَةِ عَلِیٍّ

(المسلسلات/۱۰۸، بحار الانوار: ۶۸/۷۶، الفوائد الرضویہ/۶۰)

سکینہؑ بی بی تمہارے غلام حاضر ہیں
بجھے جو پیاس تو اشکوں کے جام حاضر ہیں
یہ رَن، یہ حشر، یہ صدمے نئے نئے بی بی
کہاں پہ بیٹھی ہو خیمے تو جل گئے بی بی
پہاڑ رات بڑی دیر ہے سویرے میں
کہاں ہو شامِ غریباں کے گھپ اندھیرے میں
زمین گرم، یتیمی کی سختیاں بی بی
وہ سینہ جس پہ کہ سوتی تھی اب کہاں بی بی
(آلِ رضا)

maablib.org

وفاتِ حضرت سکینہؑ

تاحشر بس اب شاد نہ ہوئے گی سکینہؑ
چین آئے گا جب قبر میں سوئے گی سکینہؑ
(میر انیس)

حضرت سکینہؑ نے بروز جمعرات، پانچ ربیع الاول، سال ۱۱۷ ہجری قمری کو مدینہ کے شہر میں دنیا سے رحلت فرمائی۔ (تنقام زخار: ۲/۶۶۰، نفس المہموم/۵۳۰، منتخب التواریخ /۲۹۶، تاریخ التواریخ: ۴/۲۲۷، وفیات الاعیان ابن خلکان: ۲/۳۹۶، اعلام النساء: ۲/۲۲۴، تاریخ طبری: ۷/۱۰۷، کامل اثیر: ۵/۱۹۵، السیدہ سکینہ مقرم مرحوم/۱۱۲ بہ نقل از کواکب الدریہ مناوی: ۱/۵۸ و تہذیب الاسماء نووی: ۱/۶۳ و نور الابصار شبلنجی/۱۶۰)

اور بعض کا کہنا ہے کہ مکہ میں عمرہ فرمانے گئیں تو وہیں رحلت فرمائی۔ اور کچھ اس کے قائل ہیں کہ شام سے واپسی کے وقت دنیا سے وداع فرمایا۔ (السیدۃ سکینہ/۱۱۲، تنقام ۲/۶۶۰)

البتہ اس مخدرہ کی ولادت کا دن اور وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک معلوم نہیں ہے۔

ملا ہاشم مرحوم لکھتے ہیں: اس بی بی کی عمر مبارک معلوم نہیں ہے البتہ کربلا میں دوشیزگی کی عمر میں تھیں۔ کیونکہ سید الشہداءؑ سے منسوب شعر میں آپ کو خیرۃ النسواں (بہترین زنان) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسری یہ دلیل ہے کہ کربلا کے واقعہ میں یہ مخدرہ اپنے چچا کے بیٹے عبداللہ بن الحسن کی ہم عمر تھیں جو کربلا میں شہید ہو گئے۔ (منتخب التواریخ ۲۳۶)

اس کی نظیر مقرم مرحوم نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ (السیدۃ سکینہ/۱۱۲، ۱۱۴)

اسی طرح لکھتے ہیں: اس مخدرہ کا سالِ ولادت اور عمر ہم پر واضح نہیں ہے لیکن سالِ وفات

کو دیکھنے اور یہ جاننے کے بعد کہ آپ واقعہ عاشور میں خواتین کی عمر کی تھیں اور یہ عمر (بلوغ) کم از کم دس سال ہوگی تو ہمیں قائل ہونا پڑے گا کہ آپ کی عمر شریف ۷۰ سال تھی اور آپ کی ولادت ۴۷ ہجری میں ہوئی ہوگی۔ (السیدۃ سکینہ/۱۱۲)

مرحوم سپہر کا کہنا ہے: جناب سکینہؑ کی وفات کے سال کے بارے میں تمام اہل سیر کا اتفاق ہے کہ وہ ۱۱۷ ہجری تھا۔ (ناسخ التواریخ: ۴/۲۵۱)

عماد زادہ مرحوم لکھتے ہیں: جناب سکینہؑ کی ولادت سن ۴۸ ہجری میں ہوئی اور اس حساب سے ہم احادیث کے تواتر سے آپ کی عمر مبارک معلوم کرتے ہیں۔ (زینب کبری عمادزادہ/۳۰۸)

جناب سکینہؑ نے ۱۱۷ ہجری میں ستر (۷۰) سال سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔ اگر اس خبر کو قابلِ اعتبار جانیں تو جناب سکینہؑ کی ولادت سن ۴۷ ہجری میں ہوئی اور آپ اپنے دادا حضرت امیر المومنینؑ کی شہادت کے سات سال بعد پیدا ہوئیں اور تین سال کی تھیں کہ آپ کے چچا سبط اکبر شہید ہوگئے اور کربلا کے واقعہ میں آپ چودہ سال کی تھیں۔

اور کچھ نے تحریر کیا ہے کہ جناب سکینہؑ نے تقریباً ۷۰ سال عمر پائی لہذا آپ کی ولادت سن ۴۷ ہجری (کی حدود) میں ہوئی۔ (زینب کبری/۳۲۲،۳۲۳)

نظام العلماء اپنی کتاب شہاب الثاقب میں رقم کرتے ہیں: زمینِ کربلا میں اس مخدرہ کی عمر بیس سال سمجھنی چاہیے۔ اس بنا پر آپ کی عمر ۷۷ سال بن جائے گی۔ (ریاحین الشریعہ: ۳/۲۵۷)

(عرضِ مترجم: محققین کے مطابق زندانِ شام میں وفات پانے والی بچی کا نام رقیہؑ تھا نہ کہ سکینہؑ۔ جن کا تفصیلی تذکرہ قبل ازیں گزر چکا ہے)

وآخرُ دعوانا فقطع دابر القوم الذین ظلمو

وَالحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّاهِرِینَ اَللّٰھُمَّ عَجِّل لِوَلِیِّکَ الفَرَجَ وَالعَافِیَۃِ وَالنَّصرِ وَ اجعَلنَا مَعَہٗ فِی الدُّنیَا وَالآخِرَۃِ ۔

ذوالجناح! اے ذوالجناح!

(اضافہ از ناشر)

آیا ہے مثلِ شیر جو دریا پہ چند بار
باقی نہیں ہے گھاٹ پہ کوئی ستم شعار
آبِ فرات دیکھ کے پیتا تو درکنار
یہ سوچتا ہے صاحبِ غیرت کا رہوار
منہ اس میں فوجِ شام کے گھوڑوں نے ڈالا ہے
پانی کو سونگھتا بھی نہیں ناک والا ہے

(قمر جلالوی)

مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر قیام مکۃ المکرمہ اور وہاں سے چل کر دشتِ کربلا میں آمد تک تمام وقت ذوالجناح امام حسین علیہ السلام کی سواری میں رہا۔ صبح یومِ عاشور کو نمازِ فجر کے بعد لشکرِ یزید سے امام حسینؑ نے اُونٹنی پر سوار ہو کر تبلیغی خطبہ کہا۔ اس کے بعد امام حسینؑ نے ذوالجناح پر سواری فرمائی' جو وقتِ عصر تک جاری رہی۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہوگا کہ صبح سے لے کر بعد از وقتِ ظہر امام حسین علیہ السلام نے جو سواری ذوالجناح پر فرمائی وہ عام دستور کے مطابق تھی' مگر جب ظہر کے بعد سب انصار اور رشتہ دار شہید ہو گئے تو امامؑ نے جو سواری ذوالجناح پر کی وہ جنگی دستور کے مطابق تھی۔ اس سواری کا ذکر آگے درج ہے۔

امام علیہ السلام کے خطبے کے نتیجے میں جنابِ حرؑ نے حق پرستی کی راہ اختیار کی اور امام کی قدم بوسی کر کے اذنِ امیدوارِ جہاد ہوئے۔ اس طرح ان کا نام شہداء کے دفتر میں اوّل شہید کے

طور پر درج ہوا۔ روایت کے مطابق جنابِ حرؑ جنگ کرتے ہوئے خیمہ گاہ سے کئی کوس دور جا کر شہید ہوئے تو امام حسینؑ ذوالجناح پر سوار ہو کر جنابِ حرؑ کے لاشے پر پہنچے اور اُن کے لیے دعا کی۔ اس کے بعد امامؑ ہر شہید ہونے والے کے لاشے پر پہنچتے اور دعا کرتے اور لاشہ اُٹھا کر ذوالجناح کی مدد سے خیمہ گاہ میں واپس لاتے۔

ذوالجناح نے اپنے آقا کے ہمراہ ہر شہید کو اُس کی جانثاری پر اپنی بے زبانی کی زبان میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ ذوالجناح نے مسلم بن عوسجہؓ کو رفاقت نبھانے پر، حبیب ابن مظاہرؓ کو پیرانہ سالی میں اوائل جوانی کا ولولہ دکھانے پر، جونؓ حبشی کو رنگ و نسل کی تفریق مٹانے پر اور ہر شہید صحابی کو اُس کی قربانی پر اپنے آقا کے ہمراہ جا کر امامؑ کی طرف سے شرفِ قبولیت عطا ہونے اور ظالموں کی طرف سے کشتۂ ستم ہونے پر اپنی گواہی ثبت کی۔

انصار کی قربانیوں کے بعد جب اہلِ بیتؑ کی جانثاری کا وقت آیا تو ذوالجناح رخصت ہونے والے ہر شجاع کے رہوار کو نگاہوں کی زبان میں تاکید کرتا رہا کہ یاد رکھنا تمہارا نام کہیں بزدلوں کی صف میں نہ لکھا جائے اور تمہاری وجہ سے تمہارے سوار کو کہیں خفت نہ اُٹھانی پڑ جائے۔ ایک ایک کر کے سب دلاور رخصت ہوتے گئے اور مقتل سے ہر ایک لاشہ وصول کرنے پر اپنے آقا کی سواری کے طور پر ذوالجناح بھی جاتا رہا۔ پھر وہ وقت آیا کہ ثانیِ زہراؑ کے دونوں پھولوں کو ڈالی سے گرنے پر یہ بے زبان اپنے آقا کے ہمراہ لے کر آیا۔ اب مشکل مرحلے شروع ہو گئے۔ امامِ حسنؑ کے لختِ جگر شہزادۂ قاسمؑ کے بدن کے ٹکڑوں کو کربلا کی جلتی ریت سے اکٹھا کرنے میں اس بے زبان نے اپنے آقا کی مدد کی۔ جب امام حسینؑ اپنے بڑے بھائی امام حسنؑ کے چمن کے پھول کی بکھری ہوئی پنکھڑیاں سمیٹ چکے تو اس مظلومِ کربلاؑ نے دشتِ کربلا کو ایسا سیراب کیا کہ یہ مظلوموں کے لیے تاقیامت جرأت کا استعارہ بن گیا۔ ہم شکلِ پیغمبرؐ کے سینے سے نیزے کی ٹوٹی ہوئی اَنی کے نکالے جانے کا منظر ایسا تھا کہ اس بے زبان کی آنکھوں سے اشکوں کی شکل میں لغتِ غم جاری ہو گئی۔ یہ ایسا وقت تھا جب سوارِ دوشِ رسولؐ کے لیے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تھا۔ اس وقت میں ذوالجناح صرف اپنے آقا کا مرکب ہی رہا بلکہ غمگسار بن گیا۔ یہ سب

کچھ دیکھ کر فخرِ آلِ مصطفیٰ نے اذنِ معرکہ آرائی طلب کیا۔ جواب میں صرف اطفال کے لیے پانی لانے کی اجازت عطا ہوئی تو قیامت تک کے لیے سالارِ فوج حسینؑ کو سقۂ سکینہؑ کا قابلِ فخر خطاب حاصل ہوگیا۔ جب نہر علقمہ جلالِ پسرِ حیدر کا مظاہرہ دیکھ چکی تو اس نے یہ بھی دیکھا کہ کمسن شہزادی کی امید کس طرح مشکِ عباسؑ سے بہہ کر کربلا کی ریت میں جذب ہوگئی۔ اب ذوالجناح اپنے آقا کے ہمراہ ٹوٹے دلوں کی آس حضرت عباسؑ کے پاس آیا اور اس نے گواہی دی کہ عباسؑ نے شانے کٹوا لیے' مگر اپنے جوش کو عزمِ شبیرؑ کے تابع رکھا۔ ذوالجناح نے یہ منظر بھی دیکھا کہ حسینؑ جیسا سخی جس نے مسکراتے ہوئے اپنا گھر بار لٹا دیا تھا' صرف اس لیے پریشان تھا کہ عباسؑ کے لبوں پر خود کو آقا کے بجائے برادر پکارا جانے کی آواز سن لے۔ یہ ذوالجناح ہی تھا جس نے نہر علقمہ کے کنارے کٹے بازوؤں والے لاشۂ عباسؑ کو اس یقین سے دیکھا تھا کہ آج کے بعد قیامت تک کے لیے حاجت مندوں کی دست گیری ہوا کرے گی اور سقۂ سکینہؑ کا مرقد قیامت تک کے لیے ایسا مرکزِ سخاوت بن جائے گا کہ جہاں پر مانگنے والے کو اس کے سوال وطلب سے زیادہ عطا ہوا کرے گا۔ یہ واحد لاشہ ہے جو خیمہ گاہ میں نہیں آیا' اس لیے ذوالجناح اپنے آقا کو اپنی پشت پر سوار کر کے اس خیمہ گاہ میں لے آیا' اس کے آقا کے ہاتھوں میں علمِ عباسؑ اور تیروں سے چھدی ہوئی ننھی مشک تھی۔

اب ذوالجناح کے لیے سب سے کٹھن مرحلہ آیا۔ جوانانِ بہشت کے سردار نے اپنے چھ ماہ کے لال کو گود میں لیا اور ذوالجناح پر سوار ہوئے۔ دشمنانِ خدا و رسولؐ کے ہجوم کے سامنے امامؑ نے اپنے رہوار سے اتر کر جب ثانی اسماعیل شہزادۂ علی اصغرؑ کے لیے سوالِ آب کیا تو ذوالجناح اس واقعہ کا بھی گواہ بن گیا کہ جواب میں آب کی بجائے گھوڑے کو مارا جانے والا تیر آیا جس سے ذبحِ عظیم کے ربانی اعلان کی تکمیل ہوگئی۔ پسرِ حسینؑ کا حلقوم گوسفند کی قربانی کی طرح کٹ گیا۔ اس معصومؑ کے خون سے نہ صرف بدنِ امامؑ رنگین ہوا بلکہ شہادت کے گلال سے ذوالجناح بھی گل رنگ ہوگیا۔ جب کربلا کی گرم ریت میں ذوالجناح کے غریب الوطن آقا اپنی شمشیر سے ننھی سی قبر بنا کر اپنے نورالعین کو اس میں سلا رہے تھے تو ذوالجناح نہ صرف اس

مظلومیت کا گواہ بن رہا تھا بلکہ اپنے آقا کے شانے کو تھوتھنی سے سہلا کر اپنائیت بھرا پرسہ بھی دے رہا تھا۔

امام حسین علیہ السلام نے دشتِ کربلا میں جب ھَل مِن ناصِرٍ کی صدا بلند کی تو ذوالجناح نے بے قرار ہو کر اپنے سُم زمین پر مارے اور حلق سے لبیک لبیک کی صدا بلند کی۔ اب امام حسین علیہ السلام نے آخری بار خیمہ گاہ میں آ کر اپنی جانشین مادر بہنؑ سے گفتگو کی اور پھر بیمار کربلاؑ کے خیمہ میں جا کر ان کو وصیت کی۔ اب امامؑ نے اپنے تیور تبدیل کیے۔ آلاتِ حرب سے لیس ہو کر اپنی سواری طلب کی۔ مگر عباسؑ تو موجود نہ تھے جو رہوار کو آراستہ کر کے درِ خیمہ پر لاتے۔ مختصراً بہن نے بھائی کو سوار کرایا۔ مظلوم حسینؑ ثانی زہراؑ اور دیگر خواتین سے رخصت ہو کر ذوالجناح پر سوار ہوئے اور مقتل کا رُخ کیا تو تمام مستورات نے دو رویہ قطار بنا لی۔ جیسے ہی ذوالجناح نے مستورات کی قطار کے درمیان سے چلنا شروع کیا ویسے ہی تمام مستورات نے اپنے سروں پر بندھے کپڑے کھول کر ہاتھوں میں لے لیے اور جیسے جیسے ذوالجناح ان کے سامنے آتا گیا وہ خواتین ذوالجناح کی گردن میں یہ کپڑا باندھ کر اس وفادار کو یہ کہتی گئیں کہ ہمارے سر کے اس بندھے کپڑے کی لاج رکھنا اور مشکل وقت میں خاصِ آلِ عبا کو تنہا نہ چھوڑنا۔

جب ذوالجناح مستوار کی قطار سے آگے بڑھا تو امامؑ نے ذوالجناح کو ایڑ لگائی مگر بجائے چلنے کے ذوالجناح ٹھہرا رہا اور اپنے سر کو اپنے قدموں کی طرف جھکا لیا۔ جب امامؑ نے ذوالجناح کے جھکے ہوئے سر کی سمت نگاہ کی تو ان کو اپنی لاڈلی شہزادی سکینہؑ ذوالجناح کے قدموں سے لپٹی نظر آئی۔ بعض روایات میں اس طرح ہے کہ ذوالجناح نے سر کو جھکاتے ہوئے باآواز انسانی امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا' آقا میں قدم کس طرح اٹھاؤں' میرے قدموں سے سکینہؑ لپٹی ہوئی ہے۔ مصائب اور مقتل کے تذکروں میں اس واقعہ کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔ امامؑ نے معصوم بچی کو تسلی دی اور شہزادی کو اس کی پھوپھی کے حوالے کر کے مقتل میں تشریف لائے۔ آپؑ نے مقتل میں آ کر اپنے ناناؐ کی عظمت اور اپنے باباؑ کی شجاعت کو چار چاند

لگا دیئے۔ مؤرخ حیران ہیں کہ کس طرح تین دن کے بھوکے پیاسے اور بہتر جانثاروں کے سوگوار کی جنگ کا احاطہ کریں۔ امامؑ نے یہ دکھا دیا کہ حق سے آشنا کس طرح مقابلہ کرتے ہیں اور جو مرد باعزم ہوتے ہیں وہ کس طرح اپنی بات پر کٹ مرتے ہیں۔ غرض کہ امام حسینؑ نے ہر شعبۂ حرب میں اپنی برتری ثابت کردی۔ اب وقتِ تکمیلِ ذبحِ عظیم تھا۔ نفسِ مطمئن کا اپنے رب کی طرف روانہ ہونے کا وقت تھا۔ ابن علیؑ نے اپنی تلوار کو نیام میں رکھا۔ تیروں سے گوندھے اور ہر آلۂ حرب سے زخم آلود بدن کو اپنے رب کی بارگاہ میں شکرانے کے واسطے جھکانے کے لیے اپنے وفادار کی پشت سے زمین پر تشریف لائے۔ ادھر امامِ مظلومؑ نے ریگ کربلا پر سجدہ کے لیے سر جھکایا تو ادھر ذوالجناح روکا' کسی کو سموں کی ضرب لگائی تو کسی کو دولتی کے وار سے فی النار کیا۔ اگر کوئی بہت قریب گیا تو اس کی خبر دانتوں سے لی اور اس دوران تیر اس بے زبان کے جسم میں پیوست ہوتے رہے۔ نیزوں سے اس پر مشقِ ستم بھی جاری رہی مگر یہ دنیا کو دکھاتا رہا کہ عظمتِ رسالت پر ایمان رکھنے والے بے زبان بھی آلِ رسولؐ کی خاطر جان دینا جانتے ہیں۔ اس دوران میں شہزادی سکینہ محبتِ پدر میں بے قرار ہوکر اپنے بابا کے پاس آ گئیں۔ امامؑ نے ذوالجناح کو حکم دیا کہ وہ اپنی جنگ بند کردے اور معصوم شہزادی کو خیام کی طرف روانہ کردے۔ ذوالجناح نے اشکوں بھری آنکھوں سے اپنے آقا کی طرف دیکھا اور اپنے بے کس آقا کے آخری حکم کی تکمیل اس طرح کی کہ شہزادی کے اوپر اپنے سر کو جھکا کر ان کو اپنی گردن کے تلے لے کر باحفاظت خیام کی طرف روانہ کردیا۔

روایت میں ہے کہ جب امامؑ نے سجدۂ شکر ادا کیا تو اس وقت غائب سے سورۂ فجر کی آخری آیات کی تلاوت کی صدا آنی شروع ہوگئی۔ اس پر امامؑ نے ذوالجناح کو حکم دیا کہ وہ اپنی جنگ بند کردے کیونکہ اب رب نے اپنے سے راضی نفس کو راضی ہو کر بلا بھیجا ہے۔ اس اثناء میں شمر رذیل نے اپنے چہرے پر دونوں جہاں سیاہی تھوپ لی اور خولی ملعون نے اپنے آپ کو سدا کے لیے باعثِ لعنت قرار دلوالیا۔

ذوالجناح تڑپ کر آگے بڑھا اور اس نے آقا کے بہتے ہوئے خون سے اپنی پیشانی کو

رنگین کیا۔ پیشانی پر خونِ مظلوم کے لگاتے ہی ذوالجناح خیام کی طرف سرپٹ دوڑا۔ خیمہ میں آکر باآوازِ انسانی کربلا کی شیر دل خاتون کو قتلِ برادر کی خبر دی۔ اس خبر کو سن کر تمام مستورات نے ذوالجناح کے گرد حلقہ بنالیا۔ شدتِ غم باشکل ماتم ظاہر ہونا شروع ہوا۔

اکثر روایات کے مطابق ذوالجناح اس حلقۂ ماتم کے درمیان ہی نظرِ مردم سے غائب ہوگیا۔ بعض روایات کے مطابق ذوالجناح مستورات کے حلقۂ ماتم سے نکل کر نہر علقمہ کے کنارے لاشۂ حضرت عباس علمدارؑ کی طرف گیا اور وہاں اس نے اپنے آپ کو نہر علقمہ کے پانی میں اُتار دیا اور غائب ہوگیا۔ چند راویان کا خیال ہے کہ ذوالجناح خیمہ گاہ سے واپس مقتل میں آیا اور جنگ کرتا ہوا شہید یا نظروں سے غائب ہوگیا۔ غرض حاصلِ کلام یہ ہے کہ ذوالجناح حکمِ رب سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی خدمت کے لیے بطورِ خاص خلق ہوا تھا یا بھیجا گیا تھا اپنے فرض کی ادائیگی کے بعد وہ حکمِ ربی سے واپس اپنی دنیا میں چلا گیا۔

بہت سے اہلِ علم کا نظریہ ہے کہ ذوالجناح پردۂ غائب میں ہے۔ جب امامِ زمانہؑ کا ظہور ہوگا تو ذوالجناح کی خدمت کے لیے دوبارہ حاضر ہوگا۔ امامِ زمانہؑ اس پر سواری فرمائیں گے اور ذوالجناح ان کے ہمراہ ہی رہے گا۔ بعض کا خیال ہے کہ ذوالجناح زندہ ہے اور امامِ زمانہ کی اقامت گاہ پر موجود ہے۔ امام زمانہؑ جب ظہور فرمائیں گے تو یہ ان کے ہمراہ ہوگا۔

کربلا میں یومِ عاشور کو ذوالجناح نے جو جنگ کی تھی اس میں ذوالجناح نے بہت سے منافقین کو جہنم رسید کیا۔ اس کے علاوہ زخمیوں کی بھی بہت بڑی تعداد تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ذوالجناح نے امامؑ کی جنگ کے وقت ایسی تیزی دکھائی کہ دشمن کے لشکر کی صفیں کئی بار اُلٹ گئیں اور عدو کے لشکر میں کوئی ایسا جری نہ تھا جو ذوالجناح کی رفتار کے آگے بند باندھ سکتا۔ یہ ہی عالم ذوالجناح کی تنہا جنگ کا بھی تھا جو اُس نے امامؑ کے سجدہ کے وقت کی۔

مختارِ آلِ محمدؐ کا قیام و جہاد

(اضافہ از مترجم)

یہ قانونِ فطرت و جبلت ہے کہ ظالم و جبار لوگ اس دنیا ہی میں آخرکار اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ یعنی جو ظلم وہ کسی کے ساتھ روا رکھتے ہیں وہی ان کے ساتھ ہو کر رہتا ہے۔ گویا جو بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں۔

ہر عمل کا ردِعمل ہوتا ہے لہٰذا کسی ظالم و جابر کو بھی استحکام حاصل نہیں ہے۔ ظلم کی اندھیری رات جلد ہی صبحِ عدل میں بدل جاتی ہے۔ اسی لیے امام علی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ حکومت کفر سے تو باقی رہ سکتی ہے ظلم سے نہیں۔

ظالم اپنی زندگی ہی میں بڑی جلدی سے مختلف حیلوں بہانوں سے انجام کار کو پہنچتا ہے اور عذاب و سزا کا مزہ چکھتا ہے۔ ظلم کی راجدھانی دیرپا نہیں ہوتی فقط عدل کا سویرا ہی برس ہا برس باقی رہتا ہے۔

سانحۂ کربلا میں یزیدیوں نے بڑے طمطراق سے ظالمانہ انداز میں نواسۂ رسولؐ پر ظلم و بربریت کے پہاڑ ڈھائے۔ وہ اقتدار کی کرسی پر براجمان ہو کر بدمست ہو چکے تھے۔ انھیں انسانی اقدار یکسر بھول چکی تھیں۔ ان کے دلوں میں یہ بات جڑ پکڑ چکی تھی کہ آلِ اطہارؑ پر جتنا بھی ظلم کیا جا سکے کم ہے۔ مگر یہ ان کی بھول اور کج فہمی تھی۔ انھیں یہ معلوم ہونا چاہیے تھا کہ ظلم سے حکومتیں مضبوط نہیں ہوتیں بلکہ بڑے بڑے کاخ و ایوان ہل جاتے ہیں۔ اسی قانونِ فطرت کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے جانباز ساتھیوں کی شہادت کے روز ہی سے ستم گروں، ظالموں اور جابروں سے انتقام کی تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی۔ قانونِ فطرت کا نفاذ ہوا اور

دشمن کی صفوں سے انتقامِ حسینؑ کے نعرے بلند ہونے لگے۔ جب یزیدی سپاہ نے حسینی خیموں کے چاروں طرف ہجوم کیا تو قبیلۂ بکر بن وائل سے تعلق رکھنے والے ایک یزیدی سپاہی کی زوجہ نے تلوار ہاتھ میں لی اور حسینی خیموں کے سامنے آ گئی۔ اس نے بلند آواز سے کہا: اے قبیلہ بکر کے مردو! کیا رسولؐ اسلام کی بیٹیوں کا لباس بھی لوٹا جائے گا۔ اس غیر خدائی حکومت پر ہلاکت۔

یَالثَارَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اے اس خون کے طلبگارو! جو رسولؐ کی طرف منسوب ہے......

اس وقت اس کا شوہر آگے بڑھا اور اپنی بیوی کو پکڑ کر لے گیا۔

اسی طرح ہفہاف بن مہند کا واقعہ نیز امام سجاد علیہ السلام اور عالمہ غیر معلّمہ سیدہ زینبؑ کے خطبات اور بیانات نے جو کوفہ اور شام کے بازاروں اور درباروں میں دیے گئے، نے ابن زیاد اور یزید کے خلاف لوگوں کے دلوں میں انتقام کی تحریک پیدا کر دی۔ جس کے اثر سے کافی سارے بہادر لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے انتقام و قیام کا نعرہ بلند کیا۔ جیسے سلیمان بن صرد خزاعی نے ۶۵ھ میں تحریکِ حسینیہ کی بنیاد رکھی اور ان کے علاوہ بہت سارے لوگوں نے انتقامِ حسینؑ میں حصہ لیا۔ ان بہادروں میں سب سے بڑا بہادر (جس نے تحریکِ انتقام حسینی کی بنیاد رکھی اور ان ظالموں کو جو قتلِ حسینؑ کے کارناموں کا ذکر کرنے سے پہلے ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ کوفہ کا رہنے والا منہال بن عمرو کہتا ہے کہ میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ گیا۔ مراسم حج بجالانے کے بعد بارگاہِ امام سجادؑ میں مدینہ پہنچا۔ امامؑ نے وہاں پر مجھ سے حرملہ بن کاہل اسدی کے بارے پوچھا کہ وہ کیا کرتا ہے۔ میں نے کہا: مولاؑ! وہ زندہ ہے اور کوفہ میں سکونت پذیر ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَذِقْهُ حَرَّ الْحَدِيْدِ اَللّٰهُمَّ اَذِقْهُ حَرَّ النَّارِ

''اے خدا! اس کو لوہے کا عذاب چکھا۔ اے خدا! اسے آگ کا عذاب چکھا''۔

منہال کا بیان ہے کہ میں واپس کوفہ لوٹ گیا۔ میں نے دیکھا کہ مختار نے حکومت کے خلاف قیام کیا ہے، وہ اقتدار پر قابض ہے اور اسے کوفیوں کی حمایت حاصل ہے۔ میرا ایک دوست تھا جو چند روز میرے پاس ٹھہرا اس کی وجہ سے میری مختار سے ملاقات نہ ہو سکی۔ چند روز

کے بعد میں اپنی سواری پر سوار ہو کر مختار کی طرف جا رہا تھا کہ میری اس سے گھر کے باہر ملاقات ہوگئی۔ اس نے مجھے کہا: اے منہال! تو میرے پاس اور میرے پرچم کے نیچے آیا؟ لیکن تو نے مجھے ہدیہ تبریک کیوں نہیں پیش کیا اور میرے قیام و جہاد میں شرکت کیوں نہ کی۔

میں نے کہا کہ میں مکہ گیا ہوا تھا لہٰذا میں اس تحریک میں شامل نہ ہوسکا۔ ہم گفتگو کرتے ہوئے کوفہ کے محلّہ کناسہ میں پہنچ گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ مختار وہاں کسی کے انتظار میں ہے۔ ہم اس جگہ پر رک گئے۔ اس اثناء میں کسی نے اسے حرملہ کے مکان کی اطلاع دی تو اس نے حرملہ کی گرفتاری کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا۔

کوئی زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کچھ آدمی حرملہ کو سختی سے پکڑ کر لا رہے ہیں۔ چند لوگ ان سے پہلے مختار کے پاس آئے اور انہوں نے مختار کو مبارکباد دی: اے امیر! بشارت ہو کہ حرملہ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

حرملہ کو مختار کے پاس بھیج دیا گیا۔ مختار نے اس سے کہا: اس خدا کی حمد و سپاس ہے کہ جس نے مجھے تمہارے اوپر مسلط کیا۔ پھر اس نے فریاد بلند کی: الجزار! الجزار! اے کاٹنے والے اے کاٹنے والے!

اس دوران جلاد آ گیا۔ مختار نے اسے حکم دیا تو حرملہ کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر حکم دیا کہ اس کے پاؤں کو کاٹ دو۔ اس نے اس حکم کی بھی بجا آوری کی۔ پھر مختار نے آواز دی کہ اسے آگے لے کر آؤ۔ آتش اور لکڑیوں کو لایا گیا اور لکڑیوں کو آگ لگائی گئی۔ جب شعلے بلند ہونے لگے تو مختار نے حکم دیا کہ اسے آگ میں پھینک دیا جائے۔ اس طرح اس دشمن حسینؑ کے تمام بدن کو آگ نے جلا کر خاکستر کر دیا۔

میں نے کہا: سبحان اللہ!۔

مختار نے کہا کہ ذکرِ خدا اچھا ہے لیکن تو نے یہ تسبیح کیوں کی ہے؟

میں نے کہا: میں سفرِ حج کے دوران بارگاہِ حضرتِ امام سجادؑ میں دست بوسی کے لیے حاضر ہوا تو آپؑ نے حرملہ کی بابت پوچھا۔ میں نے عرض کیا: مولاؑ وہ کوفہ میں زندگی گزار رہا ہے اور

ابھی تک زندہ ہے۔ آپؑ نے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور بارگاہِ الٰہی میں اس طرح کہا: خدایا! حرملہ کو لوہے اور آگ کا عذاب چکھا۔ اب میں نے امام کی اس حسرت کو پورا ہوتے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا ہے کہ آپ کا ایک دشمن اپنے انجام کو پہنچا تو سبحان اللہ کہا ہے۔

مختارؓ نے کہا کہ یہ سچ ہے کہ آپ نے امامؑ کی زبان سے ایسے الفاظ سنے؟

میں نے کہا: کیوں نہیں۔

مختارؓ سواری سے نیچے اتر آیا اور دو رکعت نماز شکرانہ پڑھی۔ اس نے طویل سجدے کیے۔ پھر کہا: امام علیؑ بن الحسینؑ نے جس سے نفرین کی تھی خدا نے میرے ہاتھ سے اس کو انجام تک پہنچایا۔ امیر مختارؓ نے شکرانے کا روزہ بھی رکھا۔

دوسری روایت میں مذکور ہے کہ جب حرملہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو اس نے مختارؓ سے کہا کہ تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو کچھ وقت کے لیے رک جا تا کہ میں تمہیں اپنے مظالم سے آگاہ کردوں۔ اے امیر! میرے پاس تین پھلوں والے تیر تھے اور میں نے انھیں زہر میں بجھا رکھا تھا۔ ان میں سے ایک تیر گلوئے علی اصغرؑ پر چلایا' جو امام حسین علیہ السلام کی گود میں تھا۔ دوسری دفعہ قلب حسینؑ کا نشانہ باندھا' اس وقت آپؑ اپنی قمیص کو اٹھا کر اپنی پیشانی سے خون صاف کر رہے تھے اور تیسرے تیر سے عبداللہ بن حسنؑ کے گلے کا نشانہ باندھ کر چلایا کہ جب وہ اپنے چچا حسینؑ کے پاس کھڑے تھے۔

مختارؓ کون؟

امیر مختارؓ ابوعبیدہ بن مسعود بن عمیر ثقفی کے فرزند ارجمند تھے۔ آپؓ طائف میں پہلی ہجرت کے وقت متولد ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار ابوعبیدہ ثقفی' سپاہِ اسلام کے سردار تھے اور حضرت عمر کی خلافت کے زمانے میں جنگِ قادسیہ میں قتل کر دیے گئے۔ مختار آلِ محمدؐ کی عمر اس وقت ۱۳ سال تھی۔ آپ اپنے والد کے ہمراہ محاذ جنگ پر آئے۔ آپ کو شوقِ جہاد تھا۔ آپ دشمن کے ساتھ اسلام کی سربلندی کی خاطر لڑنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ تھے لیکن آپ کے والد نے کم

عمری کے باعث آپ کو لڑنے سے منع کیا۔

امیر مختارؒ ایک بہادر سپاہی ایک سخی انسان اور ایک جرأت مند امیر تھے۔ آپ ایک عظیم فکر کے مالک دانش مند تھے۔ آپ ایک عالی ہمت انسان تھے۔ آپ جنگی امور میں اچھا خاصا تجربہ رکھتے تھے اور دوسروں سے بڑھ کر صلاحیتیں رکھتے تھے۔

اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے' میں نے مختارؒ کو بچپن کی حالت میں امیرالمومنین علی علیہ السلام کی گود میں دیکھا' امامؑ اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے اور فرماتے: یاکَیِّس یاکَیِّس "اے ہوش مند وزیرک انسان!"

لہٰذا یہی وجہ ہے کہ مختار آلِ محمدؐ کے پیروکاروں کو ہوشیار اور بہادر انسان کہا جاتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَا تَسُبُّوا الْمُخْتَارَ فَإِنَّهُ قَتَلَ قَتَلَتَنَا وَطَلَبَ ثَارَنَا وَزَوَّجَ أَرَامِلَنَا وَقَسَّمَ فِينَا الْمَالَ عَلَى الْعُسْرَةِ

"مختارؒ کو گالی مت بکو! ان کو برا بھلا مت کہو کیونکہ اس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کر کے ہمارا بدلہ لیا ہے۔ اس نے ہمارے خون کا بدلہ لیا ہے اور اس نے سخت حالات میں اپنے مال کو ہمارے درمیان تقسیم کیا ہے"۔

مسلمؑ کی حمایت اور مختارؒ کا قید ہونا

جب سفیر امام حضرت مسلم بن عقیلؑ کوفہ میں آئے تو اُس وقت مختارؒ کوفہ میں قیام پذیر تھے۔ مختارؒ نے سفیر امام کی پوری پوری حمایت کی اور پوری کوشش کی کہ کوفہ کے لوگ نمائندہ امامؑ کی بیعت کریں۔ جناب مسلمؑ ایک مدت تک آپ کے مہمان رہے۔

مختارؒ کا عراق میں آلِ اطہارؑ کے طرفداروں اور فضائل آلِ محمدؐ بیان کرنے والوں میں سے شمار ہوتا تھا۔ آپ ایک نڈر محب آلِ محمدؐ تھے۔ آپ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کی امامت وولایت کے قائل تھے اور خانوادۂ عصمت کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔

امیر مختارؓ حضرت مسلمؑ کی شہادت کے وقت کوفہ میں نہ تھے۔ عبداللہ بن زیاد نے حضرت مسلمؑ کی شہادت کے بعد چند آزاد مردوں کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا تھا' تا کہ جب امام حسینؑ کوفہ میں تشریف لائے تو وہ ان کی حمایت نہ کریں۔

علامہ مامقانی نے لکھا ہے کہ ابن زیاد کے حکم پر جن لوگوں کو گرفتار کر کے پسِ دیوار زندان کردیا گیا ان کی تعداد ۴۵۰۰ تھی۔ لہٰذا اس بنیاد پر یہ فکر صحیح نہیں ہے کہ ان لوگوں نے جان کے خوف سے بچنے کے لیے امامؑ کی حمایت نہ کی۔ جس طرح ابن اثیر نے بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ شہادتِ امامؑ کے بعد پشیمان ہوئے اور بعد میں انہوں نے سلیمان بن صرد خزاعی کی رہبری و رہنمائی میں ایک حزب توابین بنائی۔

حضرت مسلمؑ کی دلسوز شہادت کے بعد ابن زیاد کے حکم پر مختارؓ کو ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو ابن زیاد نے اسے کہا: اے پسر عبید! تم نے ہمارے دشمنوں کے ہاتھ پر بیعت کی۔

مختارؓ کے بولنے سے پہلے ابن زیاد کے درباریوں میں سے عمرو بن حریث بول اٹھا کہ مختارؓ نے کسی کی کوئی بیعت نہیں کی۔ ابن زیاد نے مختارؓ سے کہ اگر عمرو گواہی نہ دیتا تو میں تجھے حتمی طور پر قتل کر دیتا۔ پھر اس نے مختارؓ کو ناسزا کہا اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی' جو اس نے مختارؓ کے چہرے پر دے ماری آپ کی آنکھیں خون سے بھر گئیں۔ پھر اس نے حکم دیا کہ مختارؓ کو زندان میں قید کردیا جائے۔ اس وقت ایک اور مولائی میثم تمار زندان میں تھے۔ انہوں نے مختارؓ سے کہا کہ تم ایک روز ضرور قیام و جہاد کرو گے اور دشمنانِ امام مظلومؑ سے انتقام لو گے۔ یہ شخص ابن زیاد ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے لیکن یہ خود قتل ہوگا اور اس کا کٹا ہوا بدن تمہارے پاؤں کے نیچے ہوگا۔

لہٰذا اس بیان کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت باسعادت کے وقت مختارؓ زندانِ کوفہ میں قید تھا۔ جب امام حسینؑ کا کٹا ہوا سر کوفہ میں ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو ابن زیاد نے اپنا رعب و دبدبہ اور کامرانی دکھانے کے لیے حکم دیا کہ مختارؓ کو زندان سے اس کے دربار میں لایا جائے۔ جب مختار آلِ محمدؐ نے امام مظلوم کے کٹے ہوئے سر کو دیکھا تو اس سے امامؑ کی مظلومی برداشت نہ ہو سکی۔ وہ محبّتِ امام میں بھرے دربار میں پھوٹ

پھوٹ کر رونے لگا۔ مختارؓ شدتِ غم سے نڈھال ہوگیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے ابن زیاد سے کہا: میں اس دن کے انتظار میں ہوں کہ جب میں ان مقدس ہستیوں کے خون کا تجھ سے بدلہ لوں۔ خدا مجھے وہ دن ضرور دکھائے گا۔ ابن زیاد سے آپ کا یہ جملہ برداشت نہ ہوسکا۔ لہٰذا اس نے مختارؓ کے قتل کا ارادہ کیا لیکن اس کے مشیروں نے اسے قتل سے روک دیا اور مختارؓ کو دوبارہ زندان میں بھیج دیا گیا۔

بزرگ شیعہ علماء نے آپ کی بہت زیادہ تعریف کی ہے اور انہوں نے روایات مذمت کو قبول نہیں کیا کہ یہ دشمنانِ اہلِ بیتؑ کی کارستانی ہے۔

قیامِ مختارؓ

مختارؓ محبتِ امامؑ میں پسِ زندان تھا لیکن اس کے دل میں خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کا خیال ہروقت موجزن تھا۔ آپ کے دل و دماغ میں ہروقت ایک ہی حسرت مچلتی رہتی تھی کہ میں کب خونِ حسینؑ کا بدلہ لوں گا۔ آپ نے اپنی بہن صفیہ کو (جو عبداللہ بن عمر کی زوجہ تھی) مخفی طور پر خط لکھا کہ آپ اپنے شوہر کو آمادہ کریں کہ وہ یزید کو خط لکھے اور اس میں مختارؓ کی آزادی کی خواہش کرے۔ مختارؓ کے خط زائدہ بن قدامہ ثقفی کے واسطے سے صفیہ کو مدینہ میں پہنچایا گیا۔ صفیہ نے اپنے شوہر عبداللہ کو مختارؓ کی آزادی کے لیے آمادہ کرلیا۔ عبداللہ بن عمر نے اس عنوان سے یزید کو خط لکھا اور یزید نے عبداللہ کی سفارش کو قبول کرلیا اور اس نے ابن زیاد کو مختارؓ کی رہائی کے لیے خط لکھا اور ابن زیاد نے اس شرط کے ساتھ مختارؓ کو آزاد کردیا کہ کوفہ میں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا' ورنہ قتل کردیا جائے گا۔

مختارؓ آزاد ہوگیا اور وہ کوفہ سے حجاز کی طرف چلا گیا۔ اس کی "واقصہ" کے مقام پر سرراہ صعقب بن زہیر یا ابن عرق نامی غلام سے ملاقات ہوئی۔ یہ ثقیف کا آزادشدہ غلام تھا۔ اس نے مختارؓ کو سلام کیا اور اس سے پوچھا کہ آپ کی آنکھ پر زخم کیسا ہے۔ مختارؓ نے کہا: ابن زیاد نے لکڑی ماری ہے اگر میں اسے قتل نہ کروں اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کروں اور حضرت

امام حسین علیہ السلام کے خونِ ناحق کا انتقام لینے کے لیے اتنے لوگوں کو قتل نہ کروں کہ جتنے حضرت یحییٰ بن زکریاؑ کے قتل سے مارے گئے تھے۔ (ستر ہزار افراد) تو خدا مجھے قتل کرے۔

یزید کی ہلاکت

مختارؒ ہمیشہ ماحول کو سازگار بنانے اور قیام و جہاد کے مقدمات کے حصول کے لیے برسرِپیکار رہتے کہ کب انھیں موقع ملے اور وہ خونِ امامؑ کا انتقام لیں اور قاتلانِ امامؑ کو ان کے انجام تک پہنچائیں۔ انہوں نے اپنی پوری توانائیاں لوگوں سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی حمایت حاصل کرنے کے لیے صرف کردیں۔

معاویہ کا بیٹا یزید ۱۴ ربیع الاول کو جمعرات کے دن ۶۳ھ قمری میں واصل جہنم ہوا۔ مشہور قول کے مطابق یزید ۳۸ سال کی عمر میں جہنم رسید ہوا۔ اس کی مدت خلافت دو سال اور آٹھ ماہ تھی۔ لیکن بعض نے لکھا ہے کہ اس کی عمر ۳۷ سال تھی اور اس کی حکومت کی مدت تین سال نو مہینے تھی۔

اس سال لوگوں نے حجاز میں عبداللہ بن زبیر کی، شام میں مروان بن حکم کی اور بصرہ میں عبداللہ بن زیاد کی بیعت کی لیکن عراق کے لوگ پریشان اور سخت پشیمان تھے کہ انہوں نے نواسہ رسولؐ امام حسین علیہ السلام کی حمایت کیوں نہ کی۔ کوفہ اور اس کے اطراف و اکناف میں قیام و جہاد امام کا بدلہ لینے کی فضا ہموار تھی۔ لہٰذا ۹۳ سال کے بوڑھے محب آلِ محمدؐ سلیمان بن صرد خزاعی نے امام حسینؑ کے خون کا بدلہ چکانے کے لیے قیام کیا اور کافی سارے لوگ اس کی تحریک میں شامل ہوگئے۔ اس مردِ مومن نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دشمنانِ اہلِ بیتؑ سے جنگ کی اور دشمن کے ہزاروں افراد کو قتل کیا۔ اسی نے بنی اُمیہ کو حرفِ غلط کی طرح ہمیشہ کے لیے مٹا دیا جو کہتے تھے کہ ہمارے اقتدار کو کبھی کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ یوں اس نے قیامِ مختارؒ کے لیے راہ کھول دی۔

آپ نے مروان کی خلافت کے زمانہ میں ۶۵ھ میں شہادت پائی اور آپ کے سرمبارک کو آپ کے باوفا ساتھی مسیب بن نجبہ کے ہمراہ شام لے جایا گیا۔

مختارؓ کی کامیابی

عبداللہ بن زبیر حجاز پر مسلط ہو چکا تھا اور اس نے عبداللہ بن مطیع کو کوفہ اور عراق کا گورنر بنا رکھا تھا۔ اس کی سلطنت کا اقتدار کافی پھیلا ہوا تھا۔ مختارؓ نے حجاز میں عبداللہ بن زبیر کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو اسے معلوم ہوا کہ ابن زبیر لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتا ہے اور خاندانِ نبوتؐ سے کٹا ہوا ہے۔ مختارؓ نے اس پر اعتماد نہ کیا۔ آپ ظاہری حفاظت اور سیاسی طور پر عقل مندی کرتے ہوئے حجاز سے کوفہ آ گئے۔ آپ نے کوفہ میں ہانی بن ابی حیہ سے ملاقات کی اور اس سے کوفہ کے حالات کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا کہ کوفہ کے حالات یکسر بدل چکے ہیں اور لوگ پشیمان ہیں کہ انہوں نے امام کی نصرت کیوں نہ کی۔ اگر کوئی قد آور شخصیت علمِ جہاد بلند کرے تو کوفہ کے لوگ اس کی حمایت کریں گے۔ گویا اس وقت کامیابی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔

امیر مختارؓ نے پورے وثوق اور یقین محکم سے کہا کہ خدا کی قسم میں انہیں حق کی بنیاد پر پرچمِ حسینی کے نیچے جمع کروں گا اور ان کی مدد سے ہر سرکش اور ستم گر سے ٹکرا جاؤں گا۔

جنابِ مختارؓ پوری شجاعت وشہامت کے ساتھ کوفہ میں وارد ہوئے۔ وہ سب سے پہلے مسجد میں آئے اور وہاں پر نماز پڑھی۔ لوگوں نے انھیں دیکھا تو آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ مختارؓ یقینی طور پر کسی اہم مشن کے لیے کوفہ میں آئے ہوں گے۔

جنابِ مختارؓ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپؓ نے مخفیانہ طور پر شیعہ اکابرین کو اپنے گھر دعوت دی اور ان سے کہا کہ میں فرزندِ علیؑ محمد بن حنفیہ کی طرف سے خونِ حسینؑ کا بدلہ لینے کے لیے آیا ہوں۔ آپ اس قیام میں میرے ساتھ تعاون کریں۔ شیعہ اکابرین نے مختارؓ سے کہا کہ آپ خونِ امام کا بدلہ لینے کی صلاحیت ضرور رکھتے ہیں لیکن آپ کچھ دیر کے لیے صبر کریں اور دیکھیں کہ وہ سلیمان صرف کے واقعہ کا کیا بنتا ہے۔

مختارؓ اپنے مقصد کی تکمیل میں شب و روز کوشاں تھے اور اپنی حکمت عملی سے اپنی تحریک کو

آگے بڑھا رہے تھے لیکن آخر آپ کو عبداللہ بن زید اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ (یہ دونوں بصرہ اور کوفہ کے حاکم تھے) کے حکم سے دوبارہ قید کر دیا اور جب سلیمان بن صرد کو شہید کر دیا گیا اس وقت مختارؒ زندان میں قید تھے۔

مختارؒ نے قید خانے میں بعض لوگوں کو خطوط لکھے اور کوفہ کے لوگوں سے آہستہ آہستہ رابطہ قائم کیا۔ مختارؒ زندان ہی میں تھے کہ لوگوں نے ان کی بیعت کر لی اور ان کے پرچم کے تلے جمع ہو گئے تھے۔

مختارؒ کے بہنوئی عبداللہ بن عمر نے عبداللہ بن زید اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ کو آپ کی رہائی کے لیے خطوط لکھے۔ انہوں نے ضمانت لے کر مختارؒ کو رہا کر دیا۔ عبداللہ بن زبیر کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبداللہ بن زید اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ پر عبداللہ بن مطیع کو کوفہ کا حاکم بنا دیا۔

مختارؒ کی رہائی پر کوفہ کے لوگ مختارؒ کے پاس گروہ در گروہ آتے اور آپ کی بیعت کرتے۔ روز بروز ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ اس دوران مالک اشتر کے فرزند عظیم ابراہیم جو کہ ایک شجاع مرد اور اپنی قوم کے سردار تھے مختارؒ کی تحریک میں شامل ہو گئے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دشمنانِ آلِ محمدؐ کے ساتھ جنگ کی۔

کوفہ کا حاکم عبداللہ بن مطیع عبداللہ بن زبیر سے زیادہ چالاک اور ذہین تھا۔ اس کے حامیوں کی تعداد بھی زیادہ تھی' لیکن وہ مختارؒ سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ وہ مختار آلِ محمدؐ کے سامنے نہ ٹھہر سکا' عبداللہ بن مطیع عورتوں کا حلیہ بنا کر اور زنانہ لباس پہن کر گورنر ہاؤس سے نکل گیا اور اس کے حواریوں نے امان طلب کی تو انہیں امان دے دی گئی۔

مختارؒ دارالامارہ میں داخل ہو گئے اور زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ کوفہ کے سرداروں اور ان کی رعایا نے مختارؒ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے آپ کی بیعت کر لی۔ یہ انقلاب سلیمان بن صرد کی شہادت کے ایک سال بعد برپا ہوا۔ پھر مختارؒ نے حکم دیا کہ عمر سعد اور اس کی سپاہ کو گرفتار کیا جائے' جن کے ہاتھ خونِ حسینؑ سے رنگین تھے۔ دشمنانِ آلِ محمدؐ کو قید

کرکے ان کے انجام تک پہنچایا گیا۔ خولی عمر سعد شمر اور حرملہ وغیرہ کے ساتھ سختی سے سلوک کیا گیا اور یہ سب دنیا ہی میں اپنے انجام کو پہنچے۔ منقول ہے کہ امیر مختارؒ نے اٹھارہ ہزار یزیدیوں کو قتل کیا۔

ابن زیاد کا قتل

مختارؒ کو خبر موصول ہوئی کہ ابن زیاد نے شام میں ایک بہت بڑے لشکر کو تیار کیا ہے اور وہ کوفہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کے لشکر کی تعداد ۸۰ ہزار تھی۔ مختارؒ نے ابن زیاد کی سپاہ کو روکنے اور اس کا قلع قمع کرنے کے لیے ابراہیم بن مالک اشتر کی سربراہی میں ایک سپاہ بھیجی۔ کوئی زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ ابراہیم کی مختصر فوج کی ابن زیاد کی بہت بڑی فوج سے مڈبھیڑ ہوئی اور موصل کی سرزمین پر ان کا آپس میں مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف سے کافی لوگ مارے گئے۔ اسی جنگ میں ابن زیاد ابراہیم مالک اشتر کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ابراہیم کے حکم پر اس کے اور شام کے دوسرے بڑے بڑے پیانے سرداروں کے سروں کو جسموں سے جدا کیا گیا اور ان کو مختارؒ کے سامنے لایا گیا۔ اچانک ایک چھوٹا سانپ نمودار ہوا اور وہ تمام سروں میں باری باری داخل ہوتا ہوا ابن زیاد کے سر پر پہنچا۔ کبھی وہ اس کی ناک سے داخل ہوتا اور کان سے باہر نکل جاتا اور کبھی ناک سے داخل ہوتا اور گلے سے باہر نکل آتا۔ حاضرین نے سانپ کو دیکھ کر تعجب کیا۔

پھر امیر مختارؒ نے ابن زیاد کے سر کو مدینہ میں محمد بن حنفیہ کے پاس بھیج دیا۔ جناب محمد حنفیہ اسے امام سجادؑ کے پاس لائے۔ امامؑ غذا تناول فرما رہے تھے۔ آپؑ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَدْرَكَ لِیْ ثَارِیْ مِنْ عَدُوِّیْ وَجَزَی اللّٰهُ الْمُخْتَارَ خَیْرًا

"اس خدا کی حمد و سپاس ہے کہ جس نے ہمارے دشمنوں سے ہمارے خون

کا انتقام لیا۔ خدا مختارؓ کو جزائے خیر عطا فرمائے''۔

جب ہمیں ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو اس وقت وہ غذا کھا رہے تھا اور میرے والد بزرگوار کا کٹا ہوا سر اس کے پاس پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس وقت دربارِ توحید میں درخواست کی تھی کہ خدایا مجھے اس وقت تک نہ مارنا جب تک میں ابن زیاد کا کٹا ہوا سر دیکھ نہ لوں۔

مختارؓ نے ایک سال آٹھ مہینے حکومت کی۔ آپ نے ۱۴ ربیع الاول سن ۶۶ سے حکومت پر قبضہ کیا اور ۱۴ رمضان سن ۶۷ ھ تک قابض رہے۔ آپ ۶۷ سال کی عمر میں مصعب بن زبیر کی سپاہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ مصعب اس وقت اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی طرف سے بصرہ کا حاکم تھا۔ مختارؓ کی قبر شریف او راق راحر میں اور حضرت مسلم کوفہ کا مرقد مطہر کوفہ میں واقع ہے۔

مکافاتِ عمل

امام حسین علیہ السلام اور آپ کے باوفا ساتھیوں کے تمام قاتل اپنے انجام کو پہنچے۔ انہوں نے اس دنیا ہی میں اپنے کیے کی سزا پائی۔ کچھ مختارؓ کے حکم پر قتل ہوئے اور کچھ خدا کے قہر سے واصل جہنم ہوئے۔

کتاب کے آخر میں ہم ایک عبرت انگیز واقعہ سپرد قرطاس کرتے ہیں:

عبداللہ بن ریاح سے نقل ہوا ہے کہ اس نے کہا: میں نے ایک نابینا شخص کو دیکھا کہ جس نے خونِ امامؑ میں شرکت کی تھی۔ میں نے اس سے نابینا ہونے کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا: میں روزِ عاشورہ عمر سعد کی سپاہ میں موجود تھا' لیکن میں نے لشکرِ حسینی پر تیر پھینکا نہ تلوار چلائی اور نہ ہی نیزہ مارا۔ شہادتِ امامؑ کے بعد میں اپنے گھر چلا گیا۔ نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد میں سو گیا۔ میں نے عالمِ خواب میں ایک شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے مجھے کہا: تجھے رسولؐ خدا نے بلایا ہے' ان کی بات کو سن لو۔ میں نے کہا: میرا رسولؐ خدا سے کیا واسطہ۔

اس نے میرے گریبان سے پکڑا اور مجھے گھسیٹتا ہوا رسولؐ خدا کے پاس لے گیا۔ میں نے اچانک دیکھا کہ پیغمبرؐ بیابان میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ نے آستین کو اُوپر چڑھا رکھا

ہے۔ شمشیر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کے سامنے ایک فرشتہ کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں آگ کی تلوار ہے۔ میرے ۹ ساتھیوں کو اس نے قتل کیا۔ جس کسی پر وہ آگ کی تلوار سے وار کرتا' اس کا سر جلنا شروع ہو جاتا۔ میں رسولؐ خدا کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو۔

آنحضرتؐ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ کافی دیر کے بعد آپ نے سر اٹھا کر مجھے فرمایا: اے دشمنِ خدا تو نے ہمارے احترام کو ختم کر دیا ہے۔ تو نے میرے خاندان کو قتل کیا اور ہمارے حق کا لحاظ نہ رکھا۔

میں نے عرض کیا: اے رسولؐ خدا! خدا کی قسم میں نے تلوار چلائی نہ نیزہ مارا اور نہ ہی تیر پھینکا تو آپؐ نے فرمایا:

صَدَقْتَ وَلٰكِنَّكَ كَثَّرْتَ السَّوَادَ اِدْنِ مِنِّي -

"یہ سچ ہے لیکن تو نے ہمارے دشمنوں کی سیاہی میں اضافہ کیا ہے تو میرے نزدیک آ"۔

میں آپؐ کے نزدیک گیا تو آپؐ کے سامنے خون کا بھرا ہوا طشت تھا۔ آپؐ نے مجھے فرمایا کہ یہ میرے بیٹے حسینؑ کا خون ہے۔ آپؐ نے اس خون کو میری آنکھ پر ملا۔ میں خواب سے بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ میں اندھا ہو چکا تھا۔ اس وقت سے لے کر آج تک اندھا ہوں۔ (الملہوف' ص ۱۲۱۔ بحار' ج ۴۵' ص ۳۰۶)

پروردگار! چہاردہ معصومین علیہم السلام کی عزت اور کربلا کے شہداء کی عظمت کا واسطہ ہمیں ان کا مخلص پیروکار بنا اور سخت دن (روزِ حشر) کے موقع پر ان کی شفاعت و سفارش نصیب فرما۔

اعمالِ عاشورہ

(اضافہ از مترجم)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو زیارتِ عاشورہ کو پڑھو اور خداوند عالم سے دعا کرو۔ اس زیارت اور دعا کی برکت سے مشکل دُور اور حاجت روا ہوگی۔

علقمہ بن محمد نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ فرزندِ رسولؐ! اگر میں قبرِ امام حسینؑ کے قریب ہوں تو کیسے زیارت کروں۔ اور اگر دُور ہوں تو کیا پڑھا کروں؟ تو آپؑ نے انھیں اعمالِ عاشورہ کی تعلیم دی اور پھر ارشاد فرمایا: اگر تم ایسا کرو گے تو خداوند کریم تم کو اجرِ عظیم اور ثوابِ کثیر عطا فرمائے گا۔

نوٹ: ''اعمالِ عاشورہ اور زیارتِ عاشورہ'' روزِ عاشورہ کے علاوہ ہر روز پڑھنا بھی باعث خیر وثواب ہے کیونکہ مومن کے لیے ہر دن عاشورہ کا دن ہے۔

اعمالِ عاشورہ کا طریقہ

اعمالِ عاشورہ کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے باوضو ہوکر مصیبت زدہ کی طرح اپنے بند جامہ کھول کر آستین کو کہنی تک اُلٹ کر، ننگے پاؤں، ننگے سر، صحرا یا چھت پر جا کر رجوعِ قلب سے باچشمِ گریاں دن میں زوالِ آفتاب سے قبل روضۂ مقدسہ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی طرف رخ کر کے ان اعمال کو بجالائے۔

① دو رکعت نماز (نمازِ فجر کی طرح)

نیت: "دو رکعت نماز زیارت امام حسینؑ بجا لاتا ہوں قربۃً الی اللہ"

② زیارت عاشورہ

نیت: "زیارت عاشورہ پڑھتا ہوں قربۃً الی اللہ"

③ لعن (سو مرتبہ)

④ سلام (سو مرتبہ)

⑤ دعائے سجدہ (ایک مرتبہ)

⑥ سات مرتبہ انا اللہ کا عمل

⑦ دعائے علقمہ

نوٹ: یاد رہے کہ اعمالِ عاشورہ کا یہ جامع طریقہ ہے۔ اسے مختصر بھی کیا جا سکتا ہے اور کہیں بھی کسی حالت میں بھی اور کسی حد تک بھی یعنی صرف زیارتِ عاشورہ ایک یا سات مرتبہ لعن وسلام تک مختصر کر کے بھی اس ثواب سے بہرہ مند ہوا جا سکتا ہے۔

mablib.org

زیارتِ عاشورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَآ اَبَا عَبۡدِ اللّٰہِ

سلام ہو آپ پر اے ابوعبداللہؑ!

اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَابۡنَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ

سلام ہو آپ پر اے فرزند رسولؐ اللہ!

اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَابۡنَ اَمِیۡرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَابۡنَ سَیِّدِ الۡوَصِیِّیۡنَ

سلام ہو آپ پر اے امیرالمومنینؑ اور سیدالمومنینؑ کے فرزندؑ!

اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَابۡنَ فَاطِمَةَ الزَّهۡرَآءِ سَیِّدَةِ نِسَآءِ الۡعَالَمِیۡنَ

سلام ہو آپ پر اے عالمین کی خواتین کی سردار فاطمہ زہراؑ کے فرزند!

اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَا ثَارَ اللّٰہِ وَابۡنَ ثَارِہٖ

سلام ہو آپ پر اے وہ شہید راہِ خدا، جس کے خون کا انتقام

وَالۡوِتۡرَ الۡمَوۡتُوۡرَ

پروردگار کے ذمہ ہے اور جو تنہا رہ گیا تھا

اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ وَعَلَی الۡاَرۡوَاحِ الَّتِیۡ حَلَّتۡ بِفِنَائِكَ

سلام ہو آپؑ پر اور اُن اَرواح پر جنہوں نے آپؑ کے جوار میں قیام کیا ہے

عَلَیْکُمْ مِنِّیْ جَمِیْعًا سَلَامُ اللّٰهِ اَبَدًا

آپ سب پر ہمیشہ پروردگار کا سلام۔

مَّا بَقِیْتُ وَبَقِیَ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ

جب تک میں باقی رہوں اور شب و روز باقی رہیں

یَآ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ لَقَدْ عَظُمَتِ الرَّزِیَّةُ

یا ابا عبداللہ! یہ حادثہ بڑا عظیم ہے

وَجَلَّتْ وَعَظُمَتِ الْمُصِیْبَةُ بِکَ

اور یہ مصیبت بڑی جلیل و عظیم ہے

عَلَیْنَا وَعَلٰی جَمِیْعِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ

ہمارے لیے اور تمام اہلِ اسلام کے لیے

وَجَلَّتْ وَعَظُمَتْ مُصِیْبَتُکَ فِی السَّمَاوَاتِ

آپ کی یہ مصیبت جلیل و عظیم ہے آسمانوں میں

عَلٰی جَمِیْعِ اَهْلِ السَّمَاوَاتِ

تمام آسمان والوں کے لیے

فَلَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً

تو اللہ لعنت کرے اس قوم پر جس نے

اَسَّسَتْ اَسَاسَ الظُّلْمِ وَالْجَوْرِ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ

آپ اہلِ بیتؑ پر ظلم و جور کی بنیاد ڈالی ہے

وَلَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً دَفَعَتْكُمْ عَنْ مَقَامِكُمْ

اور اللہ لعنت کرے اس قوم پر جس نے آپ کو آپؑ کے مقام سے ہٹا دیا ہے

وَاَزَالَتْكُمْ عَنْ مَرَاتِبِكُمُ الَّتِي رَتَّبَكُمُ اللّٰهُ فِيْهَا

اور اس مرتبہ سے گرا دیا ہے جس پر خدا نے آپ کو رکھا تھا

وَلَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً قَتَلَتْكُمْ

اور اللہ لعنت کرے اس اُمت پر جس نے آپ کو قتل کیا ہے

وَلَعَنَ اللّٰهُ الْمُمَهِّدِيْنَ لَهُمْ بِالتَّمْكِيْنِ مِنْ قِتَالِكُمْ

اور لعنت کرے اس قوم پر جس نے ان ظالموں کے لیے آپ سے جنگ کرنے کی زمین ہموار کی ہے

بَرِئْتُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلَيْكُمْ مِنْهُمْ

اللہ اور آپ لوگوں کے لیے ان سب سے بیزاری اختیار کرتا ہوں

وَمِنْ اَشْيَاعِهِمْ وَاَتْبَاعِهِمْ وَاَوْلِيَآئِهِمْ

اور ان کے پیروکاروں، چاہنے والوں اور اتباع کرنے والوں سے

يَآ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اِنِّيْ سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَكُمْ

یا ابا عبداللہ! میں آپ سے صلح کرنے والوں کے لیے سراپا صلح

وَحَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

اور آپ سے جنگ کرنے والوں کے لیے قیامت تک سراپا جنگ ہوں

وَلَعَنَ اللّٰهُ اٰلَ زِيَادٍ وَّاٰلَ مَرْوَانَ

اور اللہ لعنت کرے آلِ زیاد اور آلِ مروان پر

وَلَعَنَ اللّٰهُ ، وَلَعَنَ اللّٰهُ ابْنَ مَرْجَانَةَ

اور لعنت کرے تمام پر اور لعنت کرے ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر

وَلَعَنَ اللّٰهُ عُمَرَ بْنَ سَعْدٍ ، وَلَعَنَ اللّٰهُ شِمْرًا

اور لعنت کرے عمر بن سعد اور لعنت کرے شمر پر

وَلَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً اَسْرَجَتْ وَاَلْجَمَتْ

اور لعنت کرے اس قوم پر جس نے زین کسا اور لگام لگائی

وَتَنَقَّبَتْ لِقِتَالِكَ

اور نقاب پہنی آپ سے جنگ کرنے کے لیے۔

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّی ، لَقَدْ عَظُمَ مُصَابِی بِكَ

آپ پر میرے ماں باپ قربان آپ کی مصیبت میرے لیے بہت عظیم ہے

فَاَسْئَلُ اللّٰهُ الَّذِیْ اَكْرَمَ مَقَامَكَ

میں اس خدا سے سوال کرتا ہوں جس نے آپ کے مقام کو محترم بنایا ہے

وَاَكْرَمَنِیْ بِكَ

اور آپ کی وجہ سے مجھے عزت دی ہے

اَنْ یَرْزُقَنِی طَلَبَ ثَارِكَ

کہ مجھے نصیب کرے آپ کے دشمنوں سے انتقام

مَعَ اِمَامٍ مَنْصُوْرٍ

اس امام کے ساتھ جس کی نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

مِنْ اَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ

پیغمبر اسلامؐ کے اہلِ بیتؑ میں سے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ عِنْدَكَ وَجِيْهًا بِالْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

خدایا! مجھے اپنی بارگاہ میں آبرومند قرار دے دے حسین علیہ السلام کے صدقہ میں

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

دنیا اور آخرت میں

يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ

یا ابا عبداللہ!

اِنِّيْ اَتَقَرَّبُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهِ

میں اللہ کی طرف، رسول اکرمؐ

وَاِلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِلٰى فَاطِمَةَ وَاِلَى الْحَسَنِ وَ اِلَيْكَ

اور امیر المومنینؑ کی طرف جناب فاطمہؑ اور امام حسنؑ کی طرف اور آپؑ کی طرف تقرب چاہتا ہوں

بِمُوَالَاتِكَ وَبِالْبَرَاءَةِ مِمَّنْ قَاتَلَكَ وَنَصَبَ لَكَ الْحَرْبَ

آپ کی محبت اور آپ کے قاتلوں اور دشمنوں سے برأت کے

وَبِالْبَرَاءَةِ مِمَّنْ اَسَّسَ اَسَاسَ الظُّلْمِ وَالْجَوْرِ عَلَيْكُمْ

ذریعہ اور ان سے بیزاری کے ذریعہ جنہوں نے آپ پر ظلم و جور کی بنیاد رکھی ہے

وَاَبْرَاُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهِ مِمَّنْ اَسَّسَ اَسَاسَ ذٰلِكَ

میں خدا اور رسولؐ کی بارگاہ میں بیزار ہوں ان تمام لوگوں سے جنہوں نے ظلم کی

وَبَنٰى عَلَيْهِ بُنْيَانَهٗ

بنیاد رکھی، یا اس کی عمارت تیار کی

وَجَرٰى فِي ظُلْمِهٖ وَجَوْرِهٖ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى اَشْيَاعِكُمْ

اور آپ پر اور آپ کے چاہنے والوں پر ظلم و جور کا سلسلہ جاری رکھا۔

بَرِئْتُ اِلَى اللّٰهِ وَ اِلَيْكُمْ مِنْهُمْ

میں خدا اور آپ کی بارگاہ میں اظہار برأت کرتا ہوں ان سب سے

وَاَتَقَرَّبُ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ اِلَيْكُمْ

اور خدا کی بارگاہ میں اور پھر آپ کی جناب میں تقرب چاہتا ہوں

بِمُوَالَاتِكُمْ وَمُوَالَاتِ وَلِيِّكُمْ

آپ اور آپ کے دوستوں کی محبت کے ذریعہ

وَبِالْبَرَآءَةِ مِنْ اَعْدَآءِكُمْ وَالنَّاصِبِيْنَ لَكُمُ الْحَرْبَ

اور آپ کے دشمنوں اور آپ سے جنگ کرنے والوں سے بیزاری کے ذریعہ

وَبِالْبَرَآءَةِ مِنْ اَشْيَاعِهِمْ وَاَتْبَاعِهِمْ

اور پھر ان سب کے اتباع اور پیروکاروں سے بیزاری کے ذریعہ

اِنِّيْ سِلْمٌ لِّمَنْ سَالَمَكُمْ

میں سراپا صلح ہوں اس کے لیے جو آپ سے صلح رکھے۔

وَحَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَكُمْ

اور سراپا جنگ ہوں اس کے لیے جو آپ سے جنگ کرے۔

وَ وَلِيٌّ لِمَنْ وَّالَاكُمْ وَعَدُوٌّ لِمَنْ عَادَاكُمْ

میں آپ کے دوستوں کا دوست اور آپ کے دشمنوں کا دشمن ہوں

فَاَسْئَلُ اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَكْرَمَنِیْ بِمَعْرِفَتِكُمْ

میری التماس اس معبود سے ہے جس نے آپ کی معرفت

وَمَعْرِفَةِ اَوْلِيَآئِكُمْ

اور آپ کے دوستوں کی معرفت سے نوازا ہے

وَرَزَقَنِی الْبَرَآءَةَ مِنْ اَعْدَآئِكُمْ

اور آپ کے دشمنوں سے برأت کی توفیق دی ہے

اَنْ يَّجْعَلَنِیْ مَعَكُمْ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

کہ مجھے دنیا و آخرت میں آپ کے ساتھ قرار دے

وَاَنْ يُّثَبِّتَ لِیْ عِنْدَكُمْ قَدَمَ صِدْقٍ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

دنیا و آخرت میں آپ کی بارگاہ میں ثابت قدم رکھے

وَاَسْئَلُهٗ اَنْ يُّبَلِّغَنِی الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

اور میری دعا ہے کہ مجھے آپ حضرات کے مقام محمود تک پہنچا دے

وَاَنْ يَّرْزُقَنِیْ طَلَبَ ثَارِیْ مَعَ اِمَامٍ هُدًى

اور مجھے نصیب کرے آپ کے خون کا انتقام اس امام ہادی کے ساتھ

ظَاهِرٍ نَاطِقٍ بِالْحَقِّ مِنْكُمْ

جو آپ حضرات کے حق کا اعلان کرنے والا ہے

...وَاَسْئَلُ اللّٰهَ بِحَقِّکُمْ

اور میں پروردگار سے سوال کرتا ہوں آپ کے حق

وَبِالشَّاْنِ الَّذِی لَکُمْ عِنْدَهٗ

اور اس کی بارگاہ میں آپ کی شان کا واسطہ دے کر

اَنْ یُّعْطِیَنِی بِمُصَابِی بِکُمْ اَفْضَلَ

کہ مجھے اس مصیبت میں اس سے بہتر اجر عطا کرے

مَا یُعْطِیْ مُصَابًا بِمُصِیْبَتِهٖ مُصِیْبَةً

جو کسی بھی صاحب مصیبت کو کسی مصیبت میں عطا کیا ہے

مَا اَعْظَمَهَا وَاَعْظَمَ رَزِیَّتَهَا

یہ مصیبت کس قدر عظیم ہے اور اس کا حادثہ کس قدر جلیل ہے

فِی الْاِسْلَامِ وَفِی جَمِیْعِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ

اسلام میں اور تمام آسمانوں اور زمین میں

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا مِمَّنْ تَنَالُهٗ مِنْكَ صَلَوَاتٌ

خدایا! مجھے اس منزل پر ان لوگوں میں قرار دے جن تک تیری صلوٰت اور

وَرَحْمَةٌ وَّمَغْفِرَةٌ

رحمت اور مغفرت پہنچنے والی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مَحْیَایَ مَحْیَا مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

خدایا! میری زندگی کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی زندگی

وَمَمَاتِي مَمَاتَ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

اور میری موت کو محمدؐ و آلِ محمدؐ جیسی موت قرار دے دے

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ تَبَرَّكَتْ بِهِ بَنُوْ اُمَيَّةَ وَابْنُ اٰكِلَةِ الْاَكْبَادِ

خدایا! یہ وہ دن ہے جسے بنی اُمیہ اور جگر خوارہ کی اولاد نے روزِ برکت قرار دیا تھا

اللَّعِيْنُ ابْنُ اللَّعِيْنِ عَلٰى لِسَانِكَ وَلِسَانِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ

جن پر تو نے اور تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی ہے

فِي كُلِّ مَوْطِنٍ وَّمَوْقِفٍ وَّقَفَ فِيْهِ نَبِيُّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ

ہر مقام، ہر منزل اور ہر موقف میں جہاں تیرے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقوف کیا ہے

اَللّٰهُمَّ الْعَنْ ...... يَزِيْدَ ابْنَ مُعَاوِيَةَ

خدایا! یزید بن معاویہ پر لعنت کر

عَلَيْهِمْ مِنْكَ اللَّعْنَةُ اَبَدَ الْآبِدِيْنَ

اور ان سب پر تیری لعنت ہو ہمیشہ ہمیشہ

وَهٰذَا يَوْمٌ فَرِحَتْ بِهِ آلُ زِيَادٍ وَّآلُ مَرْوَانَ

یہ وہ دن ہے جس میں آلِ زیاد اور آلِ مروان نے خوشی منائی کہ

بِقَتْلِهِمُ الْحُسَيْنَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ

حسین علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ فَضَاعِفْ عَلَيْهِمُ اللَّعْنَ مِنْكَ وَالْعَذَابَ الْاَلِيْمَ

خدایا! ان پر اپنی طرف سے لعنت اور دردناک عذاب کو دگنا چوگنا کر دے

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَتَقَرَّبُ اِلَيْكَ فِي هٰذَا الْيَوْمِ وَفِي مَوْقِفِي هٰذَا

خدایا! میں تجھ سے آج کے دن اس موقف میں

وَاَيَّامِ حَيَاتِي بِالْبَرَآءَةِ مِنْهُمْ وَاللَّعْنَةِ عَلَيْهِمْ

اور تمام زندگی تقرب چاہتا ہوں ان سب سے بیزاری لعنت

وَبِالْمُوَالَاةِ لِنَبِيِّكَ وَآلِ نَبِيِّكَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ السَّلَامُ

اور رسولؐ و آلِ رسولؐ کی محبت کے ذریعے (ان تمام حضرات پر تیرا سلام)

دشمنانِ اہلِ بیتؑ پر لعنت

اَللّٰهُمَّ الْعَنْ اَوَّلَ ظَالِمٍ ظَلَمَ حَقَّ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

خدایا! لعنت کر پہلے ظالم پر جس نے محمدؐ و آلِ محمدؐ پر ظلم کیا ہے

وَّاٰخِرَ تَابِعٍ لَّهُ عَلٰى ذٰلِكَ

اور آخری فرد پر جو ان کا اس راہ میں اتباع کرے

اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْعِصَابَةَ الَّتِي جَاهَدَتِ الْحُسَيْنَ

خدایا! لعنت کر اس گروہ پر جس نے حسینؑ سے جنگ کی

وَشَايَعَتْ وَبَايَعَتْ وَتَابَعَتْ عَلٰى قَتْلِهٖ

اور ان کے قتل کے لیے ظالموں کا اتباع کیا اور ان کی بیعت کی

اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُمْ جَمِيْعًا

خدایا! ان سب پر لعنت نازل فرما۔

شہداء کربلا پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر یا ابا عبداللہ!

وَعَلَى الْاَرْوَاحِ الَّتِي حَلَّتْ بِفِنَائِكَ

اور ان ارواح طیبہ پر جو آپ کے ساتھ مقیم ہیں

عَلَيْكَ مِنِّي سَلَامُ اللّٰهِ اَبَدًا مَّا بَقِيتُ

میری طرف سے آپ پر اللہ کا سلام جب تک میں زندہ ہوں

وَبَقِيَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ

اور جب تک دن رات باقی رہیں۔

وَلَاجَعَلَهُ اللّٰهُ اٰخِرَ الْعَهْدِ مِنِّي لِزِيَارَتِكُمْ

اللہ اس زیارت کو آپ کی بارگاہ میں آخری حاضری نہ قرار دے

اَلسَّلَامُ عَلَى الْحُسَيْنِ وَعَلٰى عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ

سلام ہو حسینؑ اور علی ابن حسینؑ پر

وَعَلٰى اَوْلَادِ الْحُسَيْنِ وَعَلٰى اَصْحَابِ الْحُسَيْنِ

اور اولادِ حسینؑ اور اصحاب حسینؑ پر۔

دُعائے سجدہ

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ

خدایا! تیرے لیے حمد ہے

حَمْدَ الشَّاکِرِیْنَ لَکَ عَلٰی مُصَابِھِمْ

وہ حمد جو شکر گزار بندے مصائب میں کیا کرتے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی عَظِیْمِ رَزِیَّتِی

شکر ہے پروردگار کا اس مصیبت پر بھی

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی شَفَاعَةَ الْحُسَیْنِ یَوْمَ الْوُرُوْدِ

خدایا! مجھے حسینؑ کی شفاعت نصیب کر جب تیری بارگاہ میں حاضر ہوں

وَثَبِّتْ لِی قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَکَ

اور مجھے اپنی بارگاہ میں ثبات قدم عنایت فرما

مَعَ الْحُسَیْنِ وَاَصْحَابِ الْحُسَیْنِ

امام حسینؑ اور ان کے ان اصحاب کے ساتھ

الَّذِیْنَ بَذَلُوا مُھَجَھُمْ

جنہوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں

دُوْنَ الْحُسَیْنِ عَلَیْہِ السَّلَامُ

حسین علیہ السلام کے حضور میں!

یہ کلمات دہراتے ہوئے سات مرتبہ آگے بڑھیں اور پھر پیچھے آئیں:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

ہم اللہ کے لیے ہیں اور اس کے بارگاہ میں پلٹ کر جانے والے ہیں

رِضًا بِقَضَائِهٖ وَتَسْلِيْمًا لِاَمْرِهٖ

اس کے فیصلہ پر راضی ہیں اور اس کے حکم کے سامنے سرتسلیم خم کیے ہوئے ہیں

---

maablib.org

روزِ عاشورہ کی زیارتِ تعزیت

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاوَارِثَ آدَمَ صَفْوَةِ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے آدم صفی اللہ کے وارث!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاوَارِثَ نُوْحٍ نَبِيِّ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے نوحؑ نبی خدا کے وارث!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاوَارِثَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے ابراہیم خلیل اللہ کے وارث!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاوَارِثَ مُوْسٰى كَلِيْمِ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے موسیٰ کلیم اللہ کے وارث!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاوَارِثَ عِيْسٰى رُوْحِ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے عیسیٰ روح اللہ کے وارث!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاوَارِثَ مُحَمَّدٍ حَبِيْبِ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے محمدؐ حبیب خدا کے وارث!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاوَارِثَ عَلِيٍّ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيِّ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے علیؑ امیر المومنین ولی اللہ کے وارث!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاوَارِثَ الْحَسَنِ الشَّهِيْدِ

سلام ہو آپ پر اے حسنؑ شہید کے وارث!

سِبْطِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

جو نواسۂ پیغمبرؐ تھے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے فرزندِ رسول اکرمؐ!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَابْنَ الْبَشِيْرِ النَّذِيْرِ

سلام ہو آپ پر اے بشیر ونذیر کے فرزند!

وَابْنَ سَيِّدِ الْوَصِيِّيْنَ

سلام ہو آپ پر اے اوصیاء کے سردار کے فرزند!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَابْنَ فَاطِمَةَ سَيِّدَةِ نِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ

سلام ہو آپ پر اے خواتین عالم کی سردار حضرت فاطمہ زہراءؑ کے فرزند!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَآ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے ابا عبداللہ!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاخِيَرَةَ اللّٰهِ وَابْنَ خِيَرَتِهٖ

سلام ہو آپ پر اے منتخب پروردگار اور فرزندِ پروردگار!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ثَارَ اللّٰهِ وَابْنَ ثَارِهٖ

سلام ہو آپ پر جس کے خون اور اس کے پدر بزرگوار کے خون کا انتقام خدا لینے والا ہے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْوِتْرُ الْمَوْتُوْرُ

سلام ہو آپ پر اے وہ تنہا جس کے ساتھ کوئی نہ رہ گیا

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْاِمَامُ الْهَادِي الزَّكِيُّ

سلام ہو آپ پر اے امام ہادی، پاکیزہ خصال

وَعَلٰى اَرْوَاحٍ حَلَّتْ بِفِنَائِكَ وَاَقَامَتْ فِي جِوَارِكَ

اور ان ارواح پر جو آپ کے ہمراہ ہیں اور آپ کے جوار میں مقیم ہیں

وَوَفَدَتْ مَعَ زُوَّارِكَ

اور آپ کے زوّار کے ساتھ حاضر ہوتی ہیں

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنِّي مَا بَقِيْتُ وَبَقِيَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ

سلام ہو آپ پر میری طرف سے جب تک باقی رہوں اور لیل و نہار باقی رہیں

فَلَقَدْ عَظُمَتْ بِكَ الرَّزِيَّةُ وَجَلَّ الْمُصَابُ

آپؑ کا حادثہ بہت عظیم اور آپؑ کی مصیبت بہت جلیل ہے

فِي الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَفِيْ اَهْلِ السَّمَاوَاتِ اَجْمَعِيْنَ

تمام مسلمین و مومنین اور تمام اہلِ آسمان کے لیے

وَفِي سُكَّانِ الْاَرَضِيْنَ

اور تمام اہلِ زمین کے لیے

فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں جانے والے ہیں

وَصَلَوَاتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَتَحِيَّاتُهُ عَلَيْكَ

اللہ کی طرف سے صلوات، برکات تحیات آپ کے لیے

وَعَلٰی اٰبَائِکَ الطَّاهِرِیْنَ الطَّیِّبِیْنَ الْمُنْتَجَبِیْنَ

اور آپ کے آباء طیبین وطاہرینؑ کے لیے

وَعَلٰی ذَرَارِیْهِمُ الْهُدَاةِ الْمَهْدِیِّیْنَ

اور ان کی ہدایت یافتہ اور راہنما ذریت کے لیے

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَامَوْلَایَ وَعَلَیْهِمْ

سلام ہو آپ پر اے میرے مولاؑ اور ان تمام حضرات پر

وَعَلٰی رُوْحِکَ وَعَلٰی اَرْوَاحِهِمْ

آپ کی روح پر اور ان سب کی ارواح طیبہ پر

وَعَلٰی تُرْبَتِکَ وَعَلٰی تُرْبَتِهِمْ

آپ کی خاک پاک پر اور ان سب کی تربت پاکیزہ پر

اَللّٰهُمَّ لَقِّهِمْ رَحْمَةً وَّرِضْوَانًا وَّرَوْحًا وَّرَیْحَانًا

خدایا! ان سب کو رحمت، رضوان، رحمت، سکون عنایت فرما

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَامَوْلَایَ یَآ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے میرے مولا ابا عبداللہ!

یَابْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَیَابْنَ سَیِّدِ الْوَصِیِّیْنَ

اے خاتم النبیینؐ اور سید الوصیینؑ کے فرزند!

وَیَابْنَ سَیِّدَةِ نِسَآءِ الْعَالَمِیْنَ

اور اے سیدہ نساء عالمین کے لال!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاشَهِيْدُ يَاابْنَ الشَّهِيْدِ

سلام ہو آپ پر اے شہید ابن شہید

يَا اَخَ الشَّهِيْدِ يَا اَبَا الشُّهَدَآءِ

برادر شہید اور پدر شہداء کرام

اَللّٰهُمَّ بَلِّغْهُ عَنِّي فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ وَفِي هٰذَا الْيَوْم

خدایا! ان تک پہنچا دے اسی ساعت' آج ہی کے دن

وَفِي هٰذَا الْوَقْتِ وَفِي كُلِّ وَقْتٍ تَحِيَّةً كَثِيْرَةً وَّسَلَامًا

اسی وقت اور بروقت میری طرف سے تحیت اور سلام کثیر

سَلَامُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

اللہ کا سلام آپ پر اور اس کی رحمت و برکات

يَاابْنَ سَيِّدِ الْعَالَمِيْنَ وَعَلَى الْمُسْتَشْهِدِيْنَ مَعَكَ

اے عالمین کے سردار کے فرزند اور آپ کے ساتھ شہید ہونے والوں پر

سَلَامًا مُتَّصِلًا مَّا اتَّصَلَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ

وہ سلام جس کا سلسلہ لیل و نہار کے ساتھ قائم رہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَى الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّؑ الشَّهِيْدِ

میرا سلام حسینؑ بن علیؑ شہید پر

اَلسَّلَامُ عَلٰى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ الشَّهِيْدِ

میرا سلام علیؑ بن الحسینؑ شہید پر

اَلسَّلَامُ عَلَى الْعَبَّاسِ بْنِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ الشَّهِيْدِ

میرا سلام عباسؑ بن امیر المومنینؑ شہید پر

اَلسَّلَامُ عَلَى الشُّهَدَآءِ مِنْ وُلْدِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

میرا سلام اولاد امیر المومنینؑ کے شہداء پر

اَلسَّلَامُ عَلَى الشُّهَدَآءِ مِنْ وُلْدِ الْحَسَنِ

میرا سلام اولاد امام حسنؑ کے شہداء پر

اَلسَّلَامُ عَلَى الشُّهَدَآءِ مِنْ وُلْدِ الْحُسَيْنِ

میرا سلام ہو اولاد امام حسینؑ کے شہداء پر

اَلسَّلَامُ عَلَى الشُّهَدَآءِ مِنْ وُلْدِ جَعْفَرٍ وَّعَقِيْلٍ

میرا سلام اولاد جعفرؑ و عقیلؑ کے شہداء پر

اَلسَّلَامُ عَلٰى كُلِّ مُسْتَشْهَدٍ مَّعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

میرا سلام تمام صاحب ایمان شہداء پر

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

خدایا محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما۔

وَبَلِّغْهُمْ عَنِّىْ تَحِيَّةً كَثِيْرَةً وَّسَلَامًا

اور ان تک میری تحیت اور میرا سلام پہنچا دے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

سلام ہو آپ پر اے رسول اکرمؐ

اَحْسَنَ اللّٰهُ لَكَ الْعَزَآءَ فِی وَلَدِكَ الْحُسَيْنِ

اللہ آپ کو بہترین صبر عنایت کرے آپ کے فرزند حسینؑ کے غم میں

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَافَاطِمَةُ

سلام ہو آپ پر اے فاطمہ زہراؑ

اَحْسَنَ اللّٰهُ لَكِ الْعَزَآءَ فِی وَلَدِكِ الْحُسَيْنِ

اللہ آپ کو بہترین صبر عطا کرے آپ کے فرزند حسینؑ کے غم میں

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

سلام ہو آپ پر یا امیر المومنینؑ

اَحْسَنَ اللّٰهُ لَكَ الْعَزَآءَ فِی وَلَدِكَ الْحُسَيْنِ

اللہ آپ کو بہترین صبر عنایت کرے آپؑ کے فرزند حسینؑ کے غم میں

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا مُحَمَّدِ ﹾالْحَسَنِ

سلام ہو آپ پر اے ابو محمد۔ حسنؑ

اَحْسَنَ اللّٰهُ لَكَ الْعَزَآءَ فِی وَلَدِكَ الْحُسَيْنِ

اللہ آپ کو بہترین صبر عنایت کرے آپؑ کے فرزند حسینؑ کے غم میں

يَامَوْلَایَ يَآ اَبَاعَبْدِ اللّٰهِ اَنَا ضَيْفُ اللّٰهِ وَضَيْفُكَ

اے میرے مولا! اے ابا عبداللہ! میں آپ کا اور آپ کے پروردگار کا مہمان ہوں

وَجَارُ اللّٰهِ وَجَارُكَ

آپ کے اور اس کے جوار رحمت میں ہوں

وَلِكُلِّ ضَيْفٍ وَّجَارٍ قِرًى

اور ہر مہمان اور ہمسایہ کا ایک حق ضیافت ہوتا ہے۔

وَقِرَايَ فِي هٰذَا الْوَقْتِ

میری ضیافت اس وقت صرف یہ ہے کہ

اَنْ تَسْأَلَ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى

آپ پروردگار سے یہ سوال کریں کہ

اَنْ يَرْزُقَنِي فَكَاكَ رَقَبَتِي مِنَ النَّارِ

وہ مجھے میری گردن کو آتش جہنم سے رہائی عنایت فرمائے

اِنَّهٗ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ

کہ وہ دعاؤں کا سننے والا

قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ

قریب اور مجیب ہے۔

maablib.org

دُعائے امام حسینؑ (روزِ عاشورہ)

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ فِیْ كُلِّ كَرْبٍ

خدایا! تو ہر رنج میں میرا سہارا

وَرَجَآئِیْ فِیْ كُلِّ شِدَّةٍ

اور ہر شدت میں میری امید ہے

وَاَنْتَ لِیْ فِیْ كُلِّ اَمْرٍ نَزَلَ بِیْ ثِقَةٌ وَّعُدَّةٌ

میں ہر نازل ہونے والی مصیبت میں تجھ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں

كَمْ مِنْ هَمٍّ یَضْعُفُ فِیْهِ الْفُؤَادُ

کتنے رنج و غم ایسے ہیں جن کے تحمل سے دل عاجز ہوتے ہیں

وَتَقِلُّ فِیْهِ الْحِیْلَةُ

اور راہ تدبیر مسدود ہوتی ہے

وَیَخْذِلُ فِیْهِ الصَّدِیْقُ

اور دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں

وَیَشْمَتُ فِیْهِ الْعَدُوُّ

اور دشمن طعنے دیتے ہیں

اَنْزَلْتُهٗ بِكَ وَشَكَوْتُهٗ اِلَیْكَ

لیکن جب میں نے تیرے حوالہ کردیا اور تجھ سے فریاد کی

رَغْبَةً مِنِّي اِلَيْكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

اور سب کو چھوڑ کر تیری طرف توجہ کی

فَكَشَفْتَهُ وَفَرَّجْتَهُ

تو تو نے اس رنج کو دور کر دیا اور اس مصیبت کو دفع کر دیا

فَأَنْتَ وَلِيُّ كُلِّ نِعْمَةٍ وَمُنْتَهٰى كُلِّ رَغْبَةٍ

کہ تو ہر نعمت کا ولی اور ہر رغبت کی آخری منزل ہے

maablib.org

"A Word about the Translator"

Professor Mazhar Abbas Chaudhry is well known personality in religious & litterary circles of Pakistan. He is prestegious writer of more than 30 books in his youth age. He is an excellent prose writer, poet, critic, a translator and compiler at a time, and has a good grif on Urdu, English & Persian etc. He has wast knowledge of history, comparative study of world religious and ethics. Karbala is his specific field of research. He has four masters degree in law from University of Punjab and is teaching in may reputed A' level cambrige institutions of Lahore as senior faculty member & head of department.

He comes of famous Jul, bhinder family of Punjab. His love for the Holy Prophet, His decendents (all) and Muslim Ummah is well known to his family friends, campanions and students. He is an asset to all of us.

Prof. Anwar Ali Bhatti
H.O.D Islamic Studies
L.G.S., Lahore.

فہرست کتب

ادارہ منہاج الصالحین

(سرپرست اعلیٰ علامہ ریاض حسین جعفری)

کتاب	قیمت
ذکرِ حسینؑ	100/-
برزخ چند قدم پر	125/-
اسلامی معلومات	100/-
محمدؐ تا محمدؐ	100/-
محمدؐ تا علیؑ	100/-
سورج بادلوں کی اوٹ میں	120/-
شہید اسلام	100/-
قیام عاشورہ	50/-
قرآن اور اہل بیتؑ	100/-
دینی معلومات (2 جلد)	125/-
نوجوان پوچھتے ہیں شادی کس سے کریں؟	35/-
ظالم حاکم اور صحابی امام	15/-
توضیح عزاء	225/-
تفسیر سورہ فاتحہ	100/-
مشعل ہدایت	100/-
اسم اعظم	165/-

کتاب	قیمت
سوگنامہ آل محمدؐ	225/-
افکار شریعتی	225/-
سیرت آل محمدؐ	125/-
مناظرے	135/-
آسان مسائل (4 جلد)	240/-
تاریخ [illegible] البقیع	100/-
عمدۃ المجالس	100/-
حقوق زوجین	35/-
ارشادات امیر المومنین	20/-
صدائے مظلوم	50/-
معجزات بتولؑ	35/-
لڑکا سونا لڑکی چاندی	35/-
اسلامی پہیلیاں	35/-
فکر حسینؑ اور ہم	15/-
پیام عاشورہ	40/-
معصومین کی کہانیاں	35/-

ارشادات مصطفیٰ و مرتضیٰ	35/-
آزادی مسلم	10/-
فقہ اہل بیتؑ	100/-
صحیفہ پنجتن	100/-
حرف اساس	100/-
حسین میرا	100/-
جام غدیر	150/-
زندہ تحریریں	100/-
شاہکار رسالت	60/-
محشر خاموش	130/-
اسلام اور کائنات	200/-
غریب ربذہ	120/-
فطرت	125/-
ذکر المصائب	250/-
جستجوئے حق	50/-
صدائے محسن	100/-
افکار محسن	100/-
جام کوثر	100/-
نسیم المجالس (دو جلد)	270/-
اولی الامر کون؟	135/-

ریاض المجالس	125/-
نصیر المجالس	125/-
گلزار خطابت	135/-
معیار مودت	135/-
خطبات شیخ الجامعہ	135/-
بہشت	250/-
نصائح	135/-
جنت	150/-
توحید	135/-
ولایت	175/-
آفتاب ولایت	150/-
آرزوئے جبرئیل	150/-
سیدۃ العرب	135/-
تہذیب آل محمدؐ	165/-
توضیح المسائل	150/-
عصر ظہور	200/-
جدید فقہی مسائل	100/-
کربلا سے کربلا تک	135/-
موعظہ مباہلہ	60/-
مہدی حدیث کی روشنی میں	60/-

احادیث قدسیہ	165/-
اسلامی اصول تجارات	135/-
یا علیؑ سنو میری باتیں	150/-
آل محمدؐ پر درود	135/-
راہِ خدا	165/-
اصول دین	130/-
سردار کربلا	300/-
کتب امامت وخلافت (2 جلدیں)	500/-
بحر المصائب	165/-
فلسفہ غیبت مہدیؑ	145/-
وظائف المومنین	65/-
امالی شیخ صدوق (2 جلدیں)	425/-
معجزات آل محمدؐ (4 جلدیں)	800/-
تفسیر نور الثقلین (5 جلدیں)	1500/-
غم نامہ کربلا (لہوف کا ترجمہ)	125/-
مناقب اہل بیتؑ (4 جلدیں)	765/-
جمال منتظر	250/-
آفتابِ عدالت	150/-
نہج البلاغہ	175/-
فضائل الشیعہ	65/-

محب اہل بیت کون؟	65/-
مسافرۂ شام	135/-
ولایتِ امام اور علم غیب	135/-
تفسیر سورہ حدید	150/-
موت کے بعد کیا ہوگا؟	150/-
تہذیب نفس یا اخلاق عملی	150/-
اصول عقائد	150/-
صحیفۂ زہرا	135/-
سیرت امام رضا	135/-
اجر عظیم	85/-
خواہشات پر کنٹرول کیسے ہو؟	100/-
رازِ زندگی	120/-
علیؑ سے دشمنی کیوں؟	85/-
عملیاتِ رزق	185/-
جادو شکن	175/-
خصائص امیر المومنین	145/-
مولائے کائنات کے فیصلے	185/-
پھر وہ شیعہ ہوگیا	250/-
آل رسول سے بغض کیوں؟	145/-
16 معجزے	25/-